سیرۃ النبی ﷺ

علامہ شبلی نعمانیؒ

دار المصنفین شبلی اکیڈمی

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتابِ مستطاب

سِیرۃُ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی

سوانحِ اقدس حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جلد دوم

از ۹ ہجری تا ۱۱ ہجری

جس میں اقامتِ امن، تاسیسِ خلافت، اشاعتِ اسلام، انتظاماتِ مذہبی، تکمیلِ شریعت، حجۃ الوداع، وفات، شمائل واخلاق وعادات کی تفصیل اور ازواج واولاد کا مختصر تذکرہ ہے۔

تالیف

حجۃ الملۃ والدین علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مع اضافہ وتکملہ از مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، پوسٹ باکس نمبر ۱۹

اعظم گڑھ یوپی (ہند) ۲۷۶۰۰۱

سلسلۂ دارالمصنفین نمبر: ۱۷۴

کتاب	:	سیرۃ النبی ﷺ حصہ دوم
مصنف	:	علامہ شبلی نعمانیؒ
صفحات	:	۳۹۲
طبع جدید	:	۲۰۱۹ء
مطبع	:	معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند)
ناشر	:	دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (ہند)
قیمت	:	
باہتمام	:	ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی

ISBN: 978-93-80104-68-3

Darul Musannefin Shibli Academy

P.o. Box No - 19, Azamgarh

e -mail: shibli_academy@rediffmail.com

Website : www.shibliacademy.org

Fax = 05462-265080

فہرست مضامین

سیرۃ النبی ﷺ جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ سیرتِ نبویؐ

مجلّد دوم

سیرتِ نبویؐ مجلد اول ۱۳۳۶ھ ہجری (۱۹۱۸ء) میں شائع ہوئی، اب مجلد دوم ۱۳۳۸ھ ہجری (۱۹۲۰ء) کے اواسط میں شائع ہوتی ہے، شائقین کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد اس کی جلدیں شائع ہوتی رہیں، لیکن شاید ان مشکلات کا ان کو علم نہیں جو عالم گیر جنگ نے زندگی کے ہر شعبہ میں پیدا کر دی ہیں، گو ایک سال سے زیادہ ہوا کہ جنگ کا عملاً خاتمہ ہو گیا لیکن بایں ہمہ حقیقت یہ ہے کہ صلح کا آغاز نہیں ہوا اور اس خاتمۂ جنگ سے زندگی کے مشکلات میں ایک ذرّہ کمی نہیں ہوئی، جلد اول کے تکلیف دہ تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دوسری جلد خود مطبع معارف میں چھپے گی لیکن مشکل یہ تھی کہ ہمارے پاس مشین نہ تھی، بڑی تلاش و جستجو سے مشین ہاتھ آئی، تو کاغذ کا قحط نظر آیا، جلد اول میں جن اصناف کے کاغذ لگ چکے تھے، ان کا ملنا دشوار ہو گیا، دیسی کاغذ کے ۲۰۰ ریم بھی بہ یک وقت نہ مل سکے، یہ دقت کسی طرح ختم ہوئی تو لوح (ٹائٹل پیج) کے کاغذ کی مشکل پڑی، لکھنؤ سے لے کر کلکتہ اور بمبئی تک کے کارخانے چھان مارے گئے، مگر خاطر خواہ کاغذ دستیاب نہ ہوا، آخر جو بھی مل سکا اور جس طرح بھی بنا یہ جلد اختتام کو پہنچی، و الحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

پہلی جلد نبوت کے پر آشوب عہد غزوات پر مشتمل تھی اور دوسر جلد نبوت کی سہ سالہ امن کی زندگی کی تاریخ ہے، نبوت کی بست و سہ سالہ زندگی میں پہلی جلد بیس سال کے کارناموں کا مجموعہ تھی اور یہ جلد بقیہ آخری تین سال کے واقعات کا ذخیرہ ہے اور اس کے بعد اخلاق و شمائلِ شریفہ اور ازواجِ مطہراتؓ و اولادِ کرام کا تذکرہ ہے۔

مصنفِ مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ میں آیا تو مجھے اس میں بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی، جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی لیکن

مصنف کے مسودہ میں اضافہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی، آخر کار مدت کے حیص بیص کے بعد میں نے طے کرلیا کہ ان کو لکھنا ہی چاہئے، چند روز بعد مجھے اتفاقاً مولانا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ میں لکھی تھی، اس کا عنوان ''یادداشتِ اخیر'' تھا، اس یادداشت کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہا نہیں رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ جن ابواب کو میں ضروری سمجھتا تھا، مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت میں ان کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا، جس کو فرشتۂ غیب نے ان کے دست وقلم سے میری تسلی کے لئے پہلے ہی لکھوا دیا تھا۔

ع : حلِ ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

اخلاق کے باب کو مصنف مرحوم نے تکمیل کو نہیں پہنچایا تھا، بہت سے عنوانات سادہ تھے، بہت سے عنوانات کو شروع کر کے آئندہ اضافہ کے لئے ناتمام بہ صورتِ بیاض چھوڑ دیا تھا، جامع نے ان کو لکھ کر بہ طور تکملہ کتاب میں شامل کر دیا، بہت سے ضروری حواشی بھی جا بجا بڑھائے گئے ہیں، چنانچہ جیسا کہ جلد اول کے دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے، اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتیں ہلالین کے اندر کردی گئی ہیں، تا کہ مصنف اور جامع کی عبارتیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔

جامع

''سید سلیمان ندوی''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کی امن کی زندگی

۹ ر ہجری، ۱۰ ر ہجری و ۱۱ ر ہجری

قیامِ امن، اشاعتِ اسلام، تاسیسِ خلافت، تکمیلِ شریعت

قیامِ امن

گذشتہ ابواب (۱) کے پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں رہتی کہ اس وقت تک گو فطری صلاحیت واستعداد کے رو سے عرب کا ذرہ ذرہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظامِ شمسی کے تابع نہ تھا، تمام جزیرۂ عرب ایک واحد ملک اور ایک متحد قوم تھا، تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملکی وقومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا، جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا، اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جدا رئیس تھے، جنوبی عرب میں حمیری اذواء اور اقیال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، شمالی عرب میں بکر، تغلب، شیبان، ازد، قضاعہ، کندہ، لخم، جذام، بنو حنیفہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اوس، خزرج، ثقیف اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیاں تھیں، جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں، بکر وتغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی ابھی خاتمہ ہوا تھا، کندہ اور حضرموت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس وخزرج لڑلڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے، خاص حرم اور اشہرِ حرم میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا۔

---

(۱) پورا باب اضافہ از صفحہ ۱ تا صفحہ ۸۔

پہاڑوں اور صحراؤں میں خودمختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل، غارت گری، سفا کی، خوں ریزی کے خطرات میں گھرا تھا، تمام قبائل غیر مختتم سلسلۂ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، انتقام، ثار اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی، ملک کا ذریعۂ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گذرنا محال تھا، حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں کافی اثر اور اقتدار رکھتے تھے، تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں بہ آسانی نہیں پہنچ سکتا تھا، شہورِ حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے، بہ ایں ہمہ لڑائیوں کے جواز کے لئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیئے جاتے تھے، ابوعلی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے:

وذلک لانهم کانوا یکرهون ان تتوالی علیهم ثلاثة اشهر لاتمکنهم الاغارة فیها لان معاشهم کان من الاغارة. (۱)	یہ اس لیے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تین مہینے متصل ان پر غارت گری کے بغیر گذر جائیں، کیوں کہ غارت گری ہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعۂ معاش کے لئے یہی موسمِ بہار تھا، مکہ کے آس پاس اسلم وغفار وغیرہ قبائل آباد تھے، جو حاجیوں کا اسباب چرانے میں بدنام تھے (۲) طے نہایت ممتاز اور نام ور قبیلہ تھا لیکن دزدانِ طے بھی اپنی شہرت میں ان سے کم نہ تھے، (۳) سلیک بن السلکہ اور تأبط شرا، عرب کے مشہور شعرا تھے لیکن ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے پُر فخر کارنامے تھے۔

ملک میں اضطراب اور بدامنی کا یہ حال تھا کہ عبدالقیس جو بحرین کا ایک طاقتور قبیلہ تھا، ۵ھ تک مضری قبائل کے ڈر سے اشہرِ حرم کے سوا اور مہینوں میں حجاز کا رخ نہیں کرسکتا تھا (۴) فتح مکہ کے بعد بھی جب ملک میں سکون شروع ہو چکا تھا، مدینہ سے مکہ تک سفر خطرناک تھا اور اب بھی لوگ ڈاکے ڈالتے رہتے تھے (۵) ہجرت کے پانچ چھ برس کے بعد بھی شام کے تجارتی قافلے دن دھاڑے لوٹ لیے جاتے تھے (۶)، یہاں تک کہ کبھی کبھی خود دار الاسلام کے چراگاہوں

(۱) جلد ا ص ۶ (۲) صحیح بخاری کتاب المناقب باب ذکر اسلم وغفار جلد اول ص ۴۹۸ کرزن پریس دہلی ۱۳۲۲ھ (۳) ایضاً باب علامات النبوۃ ج اول ص ۵۰۷، ۵۰۸ (۴) صحیح بخاری کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان جلد اول ص ۱۳ (۵) ابوداؤد کتاب الادب باب الحذر جلد دوم ص ۱۸۷ و ۱۸۸، اصح المطابع لکھنو ۱۳۱۸ھ (۶) طبقات ابن سعد مطبع بریل لیڈن ۱۳۲۲ھ تا ۱۳۳۹ھ جزء مغازی ص ۶۳ و ۶۴ و ۶۵۔

میں بھی چھاپے مارے جاتے تھے (۱)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو ملک کے امن وامان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا جب صنعاء سے ایک خاتون محمل نشیں تنہا سفر کرے گی اور خدا کے سوا کسی کا اس کو خوف نہ ہوگا (۲) تو لوگوں کو تعجب آتا تھا، ۹ ھجری میں ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤں نے لوٹ لیا، آپؐ نے فرمایا کہ ''عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان جایا کرے گا'' (۳) اتنے بڑے ملک میں صرف حرم کی سرزمین ایسی تھی، جہاں لوگوں کو اطمینان میسر آسکتا تھا، خدا نے قرآن مجید میں اہلِ مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ؀ (قریش ۱۰۶: ۳و۴)	ان کو چاہئے کہ اس گھر کے اس مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور بدامنی کو دور کر کے ان کو امن بخشا۔
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ (عنکبوت ۲۹: ۶۷)	کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک امن والا حرم ان کے لیے بنایا، اس کے باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اس کے چاروں طرف سے آدمی اچک لیے جاتے ہیں۔

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنحضرت ﷺ عام الحزن کے بعد تین برس تک متصل تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے اپنے امان میں لے کر صرف اتنا موقع دلا دو کہ خدا کی آواز لوگوں تک پہنچا سکوں لیکن کوئی ہامی نہیں بھرتا تھا (۴) عام مسلمان عرب کی فضا میں سانس تک نہیں لے سکتے تھے، تلاش امن کے لئے افریقہ وحبش کے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے تھے، جو عرب میں رہ گئے تھے، وہ ہدفِ مظالم گوناگوں تھے، قرآن مجید مسلمانوں کی اسی حالت کا ذکر ان آیتوں میں کرتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ . (انفال ۸: ۲۶)	یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے اور کمزور تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں۔

اسی ملکی شورش اور بے امنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک میں کوئی تحریک بھی بغیر خود حفاظتی فوجی تدابیر کے کامیاب نہیں ہوسکتی تھی، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی اور اس کے لیے

(۱) دیکھو سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۹ غزوۂ سویق وغزوۂ غابہ (۲) صحیح بخاری جلد اول کتاب الانبیاء باب علامات النبوۃ ص ۵۰۷ (۳) بخاری جلد اول کتاب الزکوٰۃ باب الصدقہ قبل الرد ص ۱۹۰ (۴) سیرت ابن ہشام عرض رسول اللہ ﷺ نفسہ علی القبائل ج ۱ ص ۲۵۵ وبعد ''ض''۔

تیغ و خنجر اور فوج و لشکر کی حاجت نہ تھی لیکن ایک طرف تو دشمن حملہ پر حملہ کرتے چلے آتے تھے اور دوسری طرف ہر جگہ دعاۃِ اسلام کی جانیں معرضِ خطر میں رہتی تھیں، تجارت کے قافلے جن پر اصل میں ملک کی معاش کا دارومدار تھا، غیر مامون تھے، چنانچہ اس قسم کے تفصیلی واقعات غزواتِ نبویؐ کے اسباب وانواع میں گذر چکے ہیں۔

بیرونی خطرات: بہرحال یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی، بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے، ملک کے تمام سرسبز و زرخیز صوبے، روم وفارس دو عظیم الشان طاقتوں کے پنجہ میں تھے، تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی یمن، عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے اور ان کے زیر اقتدار برائے نام عرب رؤسا حکمراں تھے، حدودِ عراق میں آل منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیوں نے اندرونِ ملک میں بھی پیش قدمی شروع کردی تھی، حجاز میں اسلام کی جو تحریک پھیل رہی تھی، اس کو بھی وہ اپنے ہی حدود میں سمجھتے تھے، چنانچہ ۶ ہجری میں شاہ ایران نے یمن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا تھا کہ "میرے غلام کو جو حجاز میں مدعیِ نبوت بنا ہے، گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔"

رومیوں نے حدودِ شام پر قبضہ کرلیا تھا، آلِ غسان اور چھوٹے چھوٹے عرب رؤسا نے جنھوں نے مدت سے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا، ان کی ماتحتی قبول کرلی تھی، ۸ ہجری کے بعد رومی ان عیسائی رؤسائے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے، جس کا ظہور واقعۂ تبوک اور موتہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔

یہودیوں کی قوت: رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی اور وہ مجبوراً حدودِ شام سے قلبِ حجاز تک پیچھے ہٹ آئے تھے اور اپنے لیے مدینہ سے شام تک متصل قلعے تعمیر کر لیے تھے، یہ مقامات ان کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام بھی، قریظہ، نضیر، قینقاع (۱) خیبر، فدک، تیما، وادی القریٰ (۲) وغیرہ ان کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں، قرآن مجید میں حسب ذیل آیات میں یہودیت کے ان ہی قلعوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

---

(۱) کتب مغازی وسیر میں ان کے حالات پڑھو (۲) معجم البلدان یاقوت میں ان مقامات کے حالات دیکھو، بخاری کتاب المغازی میں ابواب قتلِ کعب بن اشرف وابورافع بن ابی الحقیق ج ۲ ص ۵۷۶۔

لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (حشر ۵۹:۱۴)
وہ قلعہ بند آبادیوں یا دیواروں کے پیچھے چھپے بغیر یوں مل کر مقابلے نہیں کر سکتے۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ. (احزاب ۳۳:۲۶)
خدا نے ان یہودیوں کو جنہوں نے ان کی مدد کی تھی، ان کے قلعوں سے نکالا۔

زمانۂ قدیم میں مالی کاروبار کی وسعت نے اسپین اور دیگر ممالک یورپ میں ان کو جس طرح ملک کی پالیٹکس کا خطرناک عنصر بنا دیا تھا، بعینہٖ یہی حال ان کا عرب میں بھی تھا، ان چند قلعوں کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے، آنحضرت ﷺ کو متعدد لڑائیاں صرف ان کی شرارت سے لڑنی پڑیں، بدر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہ فخریہ کہتے تھے، ’’بیچارہ مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں، مسلمانوں کو ہمارے قلعوں سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو۔‘‘(۱)

غرض عرب کا ملک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات میں مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح وتدبیر کے لیے عام انسانی دست وبازو بے کار تھے، خدا کا غیر مرئی ہاتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی آستین میں پوشیدہ تھا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (انفال ۸:۱۷) ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر کوششوں اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کر لی، عرب کے سیاسی ضعف کا تمام تر راز نا اتفاقی اور باہمی جنگ وجدال میں مضمر تھا، اور اس نا اتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانوں اور نسلوں میں منقسم تھا، تمام ملک کے اجتماع اور اتحاد کے لیے ان میں کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا، محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لئے اسلام کا رشتہ قائم کیا، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (حجرات ۴۹:۱۰) اور دفعتاً اس روحانی رشتہ نے خون، قرابت اور نسل کے تار و پود ادھیڑ دیئے اور صرف ایک کلمہ ’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘ کی برقی رو اب تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے۔

خدائے پاک نے قرآن مجید میں اس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا:

وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا.
خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے، خدا نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پھر اس کے لطف و

(۱) طبقات ابن سعد ذکر مغازی جزء ثانی قسم اول ص ۹۲ و سیرت ابن ہشام ’’امر بنی قینقاع‘‘ ج ۲ ص ۵۶۔

محبت سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

(آل عمران ۳:۱۰۳)

خدا نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "محمد! یہ تیرا کام نہ تھا، اس میں خود خداوند مقلب القلوب کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔"

هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ . وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّآ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ اِنَّهٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ.

(انفال ۸:۶۲، ۶۳)

وہ خدا ہی ہے جس نے محمد! اپنی نصرت اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تجھ کو قوت بخشی اور اسی نے مسلمانوں کے دل باہم جوڑ دیے، اگر تو تمام دنیا کے خزانے بھی لٹا دیتا تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتا لیکن خدا نے ان کے دل باہم جوڑ دیے، وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان جو مواخات اور برادری قائم کرائی تھی، وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا، جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا۔

قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات میں فتنہ وفساد فی الارض کو مکروہ ترین فعلِ انسانی قرار دیا اور اس فعل کے مرتکب کے لیے سخت سزائیں مقرر کیں، چوری کے لیے قطعِ ید کی سزا متعین کی، رہزنی کے لیے قتل، پھانسی، قطعِ ید اور جلاوطنی کی تعزیریں جاری کیں، سورۂ مائدہ میں خوں ریزی اور قتل وسفاکی کے انسداد کے لیے قصاص کا قانون نازل ہوا، عملاً ملک میں قیامِ امن کے لیے آنحضرت ﷺ نے متعدد بار فوجیں بھیجیں، رہ زن قبائل پر چھاپے مارے (۱) حجاز میں جن قبائل کا پیشہ چوری تھا، وہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے (۲) فوج داری اور دیوانی کے مقدمات کے فیصلے کے لیے قوانین وضع ہوئے اور جا بجا عمال کا تقرر ہوا۔

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا، وہ انسانوں کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی، ورنہ ایک پیغمبر کا فرض، ایک مقنن اور ایک عام مدبر کے فرائض سے بہ درجہا بلند ہے، اسلام کے قانونِ تعزیرات نے جو کچھ کام کیا، قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیاء ﷺ کا فیضِ تلقین اس سے پہلے فردِ قراردادِ جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا، قانون وخوفِ تعزیر صرف بازاروں میں اور انسانوں کے عام

(۱) دیکھو غزواتِ نبویؐ پر دوبارہ نظر، سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۰۴ تا ۴۳۵ مطبوعہ ۱۹۹۶ء (۲) صحیح بخاری کتاب المناقب باب ذکر اسلم وغفار............ج اول ص ۴۹۸۔

مجمعوں میں جرائم سے باز رکھ سکتا ہے لیکن دعوتِ اسلام کے فیضِ اثر نے دلوں کو بالکل خدا کے سامنے کردیا، جورات کی تاریکیوں میں بھی دیکھتا تھا اور مقفل دروازوں کی کھڑکیوں سے بھی جھانکتا تھا، دفعتاً اب تمام ملک میں امن وامان تھا اور عدی بن حاتم نے شہادت دی کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق لوگ صنعا سے حجاز تک تنِ تنہا سفر کرتے تھے اورخشیتِ الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ میں نہ تھا (۱) ایک یورپین مورخ جس کے قلم نے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی مدح کے لیے بہت کم جنبش کی ہے، (مارگولیتھ) وہ بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

> ''محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا، آپؐ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی ومذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنادیا تھا، آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔'' (۲)

بیرونی خطرات کے انسداد کے لیے خدا نے عجیب وغریب سامان پیدا کردیئے، قریش اور منافقینِ مدینہ کے اشتعال سے یہودیوں نے اسلام کو پامال کرنا چاہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور چور ہوگئے، ۳ھ ہجری سے لے کر ۷ھ ہجری تک متواتر لڑائیاں پیش آئیں اور آخر فتحِ خیبر پر ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہوگیا، رومیوں نے اور حدودِ شام کے عیسائی عربوں نے اسلام کے استیصال کا بیڑا اٹھایا، عیسائی رؤسائے عرب میں سب سے زیادہ طاقت ور اور پرزور غسانی تھے، جو رومیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح کام کرتے تھے، بہراء، وائل، بکر، لخم، جذام اور عاملہ وغیرہ عرب قبائل ان کے ماتحت تھے، ان کے علاوہ دومۃ الجندل، ایلہ، جرباء، اذرح، تبالہ اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی رئیس تھے، غسانیوں کے حملہ کی ابتدا جس طرح ہوئی وہ اوپر گذر چکا ہے، حارثؓ بن عمیر جو شاہِ بصریٰ کے دربار میں دعوتِ اسلام کے خط لے کر گئے تھے، ان کو غسانیوں نے راستہ میں قتل کردیا (۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ

(۱) صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ قبل الاسلام جلد اول ص ۵۰۸ (۲) لائف آف محمدؐ، مارگولیتھ ص ۴۷۱ (۳) زرقانی باب غزوۂ موتہ ج ۲ ص ۳۰۹۔

تادیب وانتقام کے لیے روانہ فرمایا، غسانی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر میدان میں آئے اور خبر تھی کہ رومی بھی اسی قدر فوج لیے ہوئے موقع سے قریب مواب میں پڑے ہیں، تاہم مٹھی بھر مسلمان آدمیوں کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانیں کھو کر فوج کو میدانِ جنگ سے ہٹالائے، اس جنگ کا نام غزوۂ موتہ ہے۔

اس کے بعد ۹ھ ہجری میں غزوۂ تبوک پیش آیا، دم بہ دم خبریں آتی رہتی تھی کہ رومی حملہ آوری کیلئے عیسائی عربوں کی ایک فوجِ گراں ترتیب دے رہے ہیں اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی فوج کو تقسیم کر چکے ہیں، یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آراستگی میں مصروف ہیں اور گھوڑوں کی نعل بندی کرا رہے ہیں، اس بناپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار صحابہؓ کے ساتھ پیش قدمی فرمائی اور بیس دن تک دشمنوں کی آمد کا انتظار کرتے رہے لیکن کوئی مقابل نہ آیا، تاہم اس پیش قدمی کا فائدہ یہ ہوا کہ غسانیوں کے علاوہ تمام رؤسا نے رومیوں کو چھوڑ کر اسلام کی حمایت قبول کر لی (۱)، ۱۱ھ ہجری میں زمانہ مرض الموت میں آنحضرت ﷺ نے اسامہؓ بن زید کے زیرِ افسری رومیوں کے مقابلہ کے لیے پھر فوجیں روانہ فرمائیں لیکن اس مہم کا اختتام عہدِ صدیقی میں ہوا۔

ایرانیوں کی حکومت زندگی کے آخری دور کو پہنچ چکی تھی ۱۰ھ ہجری میں دعاۃِ اسلام کے پہنچنے کے ساتھ ہی بے مقابلہ وجنگ یمن، عمان اور بحرین میں ان کی قبائے حکومت کا تار تار الگ ہو گیا۔

غرض نو دس برس کی متواتر اور پیہم کوششوں اور مافوق طاقتِ بشری تائیدات کے سبب سے اب تمام ملک میں امن وامان قائم ہو گیا، قریش اور یہود کی سازشوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ قبائل کی خانہ جنگیاں مٹ گئیں اور تمام رہزن اور ڈاکو جتھے رام ہو گئے، بیرونی خطرات کا انسداد ہو گیا، اب موقع ملا کہ صلح وآشتی کے ساتھ حسبِ فرمانِ الٰہی اصل مقصود کی طرف توجہ کی جائے۔

☆☆☆

---

(۱) اوپر کے تمام واقعات کی تفصیل اور حوالے (سیرۃ النبیؐ جلد اول غزوۂ موتہ ص ۳۶۱، اور تبوک ۴۰۳) کے ذکر میں گذر چکے ہیں۔

تبلیغ واشاعتِ اسلام

سرورِ کائنات ﷺ کا اصلی کام تمام عالم میں دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقۂ اسلام میں لانا تھا، اس کے لیے تیغ وخنجر اور فوج وعسکر کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی صدا اطرافِ عالم میں پہنچ جانے پائے لیکن مکہ میں تیرہ برس تک اعدائے اسلام اسی کے سدِ راہ رہے، حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے، آنحضرت ﷺ ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغامِ حق پہنچانے سے روکتے ہیں، تم اس کا موقع دلا دو اور خود دو لیکن قریش کے اثر سے ہزاروں لاکھوں میں سے ایک بھی اس کی ہامی نہیں بھرتا تھا۔

تاہم آفتابِ حق کی کرنیں ان کثیف بادلوں میں سے بھی چھن چھن کر سطحِ قلوب پر پڑتی تھیں اور اکناف وحوالی کو روشن کرتی جاتی تھیں، اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود اعدائے اسلام نے انجام دیا، جب حج کا زمانہ آتا تو روسائے قریش عام گزرگاہوں پر خیمے لگاتے، باہر کے لوگ ان سے ملنے آتے اور چوں کہ بعثتِ نبوی ؐ کا چرچا پھیل چکا تھا، لوگ اس کی حقیقت دریافت کرتے اور نہ کرتے تو قریش خود حفظِ ماتقدم کے لیے ان سے کہتے کہ "ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے، جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، یہاں تک کہ لات وعزیٰ تک کو برا کہتا ہے۔"

بدعقیدہ کو عربی میں "صابی" کہتے ہیں، اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً نماز کی صورت، صابئین کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں، قریش نے آنحضرت ﷺ کو صابی کا لقب دیا تھا اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب میں آپ ؐ کا نام مشہور ہوگیا (۱)،

(۱) صحیح بخاری جلد اول کتاب التیمم باب الصعید الطیب وضوء المسلم ص ۴۹۔

صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ ''میں جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والوں سے سنا کرتا تھا کہ مکہ میں ایک مدعیِ نبوت پیدا ہوا ہے۔''(۱)

ملک میں جب آپؐ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہورِ عام پر مخالف اثر پڑا اور ان میں سے کسی شخص نے آپؐ کی طرف رخ نہیں کیا لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگوں سے خالی نہیں ہوسکتا تھا، جن کو یہ شوق پیدا ہوا کہ اصل واقعہ کیا ہے، عرب میں ایسے لوگوں کی خاصی جماعت پیدا ہوگئی تھی، جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کے متجسس تھے، بعض لوگ اس حد سے ترقی کر کے حنفی بن گئے تھے، جن کا تذکرہ آغازِ کتاب میں گذر چکا ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں متعدد ایسے صحابہ کا تذکرہ کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرت ﷺ کی تحقیقِ حال کے لیے مکہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے، حضرت موسیٰ اشعری یمنی (اور طفیل بن عمرو دوسی یمنی) کے خاندان میں جو اسلام پھیلا، اس کی ابتدا قیامِ مکہ ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔

طفیل بن عمرو کا اسلام: (طفیل بن عمرو دوسی (۲) عرب کا مشہور شاعر تھا اور چوں کہ عرب میں شعراء کا اثر بہت تھا یعنی وہ قبیلہ کے قبیلہ کو جدھر چاہتے تھے، جھونک دیتے تھے، اس لیے قریش نے اس کی بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں نہ پہنچنے پائے لیکن ایک دفعہ جب اس نے اتفاقیہ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید پڑھتے سنا تو وہ فوراً مسلمان ہوگیا (۳) اور اس کے اثر سے اسی زمانہ میں قبیلۂ دوس میں بھی اسلام پھیلنے لگا (۴) تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی، وہ رنجیدہ ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! دوس نے نافرمانی کی، ان پر بددعا کیجئے، آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ ''خدایا دوس کو ہدایت دے اور ان کو بھیج''، اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ (۵)

عمرو بن عبسہ: عمروؓ بن عبسہ سلمی بھی ان ہی بزرگوں میں ہیں، جنھوں نے لوگوں کی زبانی سن کر کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو بہت سی باتیں بتاتا ہے، مشتاقانہ مکہ آئے، آنحضرت ﷺ

---

(۱) ج دوم ص ۶۱۵، ۶۱۶ (۲) اضافہ تا قبل قصۂ ابوذر (۳) زرقانی ج ۴ ص ۴۳ دار الطباعۃ مصر ۱۲۹۱ھ (۴) صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لایکفر ج ۱ ص ۵۸ سے یہ مفہوم ہوتا ہے (۵) صحیح بخاری کتاب المغازی باب قصۂ دوس والطفیل جلد ۲ ص ۶۳۰۔

اس وقت قریش کے مظالم کی بناپر چھپے رہتے تھے، عمرؓو بن عبسہ کسی طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی کہ آپ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں پیغمبر ہوں، انھوں نے کہا، پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ''خدانے مجھے بھیجا ہے۔'' انھوں نے پھر پوچھا، ''کیا پیغام دے کر بھیجا ہے''؟ ارشاد فرمایا ''مجھے خدا نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بت توڑ دیئے جائیں، خدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے'' عمرو نے پوچھا ''اس مذہب کے کتنے پیرو ہیں''؟ آپؐ نے فرمایا ''ایک آزاد (ابوبکر) اور ایک غلام (بلالؓ)'' عمرو نے کہا ''میں بھی آپ کی پیروی کرتا ہوں۔'' ارشاد ہوا کہ ابھی تو یہ ممکن نہیں، تم دیکھتے ہو کہ میں کس حال میں ہوں اور لوگوں کا کیا حال ہے، میری کامیابی کا جب حال سنو تو میرے پاس آنا، چنانچہ عمرو واپس گئے اور ہجرت کے بعد جب لوگوں کی زبانی آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو حاضر خدمت ہوئے۔(۱)

ضماد بن ثعلبہ اور قبیلۂ ازد کا اسلام: ضمادؓ بن ثعلبہ قبیلۂ ازدشنوہ کے رئیس اور آپؐ کے زمانۂ جاہلیت کے دوست تھے، وہ مکہ آئے، تو سنا کہ محمد کو جنون ہو گیا ہے، وہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے، وہ آپ کے پاس آئے کہ لاؤ میں تمہارا علاج کردوں، آپؐ نے فرمایا الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضلل فلاھادی لہ واشھد ان لاالٰہ الااللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ وأشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ. ان فقروں نے ضماد پر غیر معمولی اثر کیا، عرض کی دوبارہ ارشاد فرمایئے، آپؐ نے پھر اعادہ فرمایا، ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا، اب وہ بالکل مسحور تھے، بولے کہ ''میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سنا، یہ تو دریا کی تہ تک میں بھی اثر کر جائے گا، لایئے ہاتھ لایئے، میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں'' آپؐ نے ان سے بیعت لی، پھر فرمایا، اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرلو، چنانچہ انھوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کرلی اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہو گئے، ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا ادھر سے گذر ہوا، تو افسر نے

(۱) صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا باب الاوقات التی نھی عن الصلوٰۃ فیھا جزءاول ص۳۰۷و۳۰۸۔

پوچھا، کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے، ایک سپاہی نے کہا ایک لوٹا میرے پاس ہے، اس نے حکم دیا کہ واپس کردو۔(۱)

حضرت ابوذرؓ کا اسلام: حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اس موقع پر خاص طرح پر ذکر کے قابل ہے۔

غفار کا قبیلہ جو قریش کی شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا، جب وہاں یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذرؓ جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انھوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی تعلیم اور تلقین کیا ہے، انیس مکہ میں آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ ''وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے، وہ شاعری سے الگ ہے'' حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر جواب سے تسکین نہیں ہوئی، خود گئے، زادِ سفر کے لیے مشک میں پانی اور کچھ کھانے کو لے لیا، مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت ﷺ کا نام پوچھ نہیں سکتے تھے، حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہوگئی، انھوں نے گھر پر لا کر مہمان رکھا لیکن تین دن تک ان سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی، بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ ''یہاں آنے کی کیا غرض ہے۔'' انھوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و قرار لے لیا کہ کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے، حضرت علیؓ ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپؐ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ، پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں گا، اس کی تعمیل کرنا لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا، عرض کی کہ ''میں تو اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا'' غرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے کہ ''اشھد ان لاالٰہ الااللّٰہ واشھد ان محمدا رسول اللّٰہ'' اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور ان کو مارنا شروع کیا، حضرت عباسؓ نے آ کر بچایا اور لوگوں سے کہا ''تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گذرتا ہے اور یہ اسی قبیلہ کے آدمی ہیں۔'' اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا لیکن دوسرے دن حضرت ابوذرؓ نے حرم میں جا کر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا، آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آگئے اور انھوں نے جان

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ، جزء اول ص ۳۱۹ و ۳۲۰۔

بچائی۔(۱)

قبیلۂ غفار کا اسلام: حضرت ابوذرؓ مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہوگیا، بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت اسلام کا اظہار کریں گے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آجائیں، چنانچہ جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہوگئی۔(۲)

قبیلۂ اسلم کا اسلام: غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا اور دونوں قبیلوں میں قدیم تعلقات تھے، غفار کے اثر سے انھوں نے بھی اسلام قبول کرلیا(۳) (حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری میں بدنام تھے(۴) اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے)

اوس وخزرج کا اسلام: موسمِ حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہوجاتا تھا، آپؐ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کے قیام گاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے، چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کی ایک معتد بہ جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا، اس کے بعد جب حضرت مصعبؓ بن عمیر داعیِ اسلام بنا کر مدینہ منورہ بھیجے گئے، تو ان کے فیضِ تلقین سے چند ہی مہینوں میں دو گھرانوں کے سوا بقیہ تمام گھرانے مسلمان ہوگئے۔

قیامِ مدینہ میں اشاعتِ اسلام: ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل میں جیسا کہ اوپر گذرا، غفار واسلم نے اسلام قبول کرلیا۔

بدر کے بعد بعض قریشیوں کا اسلام: کچھ ہی دنوں کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا، جس میں قریش کو شکست ہوئی اور ستر ۷۰ اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے، ان قیدیوں کی رہائی کے لیے قریش نے مدینہ میں آمد ورفت شروع کی، اس تقریب سے لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے

---

(۱) یہ روایت بتمامہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے (کتاب المناقب باب قصۃ اسلام ابی ذر ج ۱ ص ۴۹۹ و ۵۰۰ و باب بنیان الکعبۃ باب اسلام ابی ذر ج اول ص ۵۴۵) صحیح مسلم میں یہ واقعہ جس طرح منقول ہے، اس میں بہت سی باتیں اس سے زائد اور مختلف ہیں، (جزء ثانی ص ۳۴۷ تا ۳۵۰) حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۲ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے۔ (۲) صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی ذر، جزء ثانی ص ۳۴۹ مطبع میمنیہ مصر ۱۳۲۸ھ (۳) صحیح بخاری کتاب المناقب باب ذکر اسلم وغفار ج ۱ ص ۴۹۸ (۴) (بحوالہ سابق)

کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہو گئے۔)

(ان میں) بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ ان کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز پڑ گئی اور باوجود سخت عداوت کے ان کا دل پتھر سے موم بن گیا، جبیر بن مطعم بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لیے آئے تھے اور قیدیوں کے ساتھ اسیر تھے، ایک دن آنحضرت (ﷺ) یہ آیتیں پڑھ رہے تھے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ. (طور ۵۲: ۳۵، ۳۶)	کیا یہ یوں ہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے، یا ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا، یا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے۔

جبیر بن مطعم کا اسلام: جبیر بن مطعم نے یہ آیتیں سن لیں تو ان کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کر گیا، صحیح بخاری سورۂ طور میں یہ واقعہ مذکور ہے۔(۱)

پیشین گوئی روم کا اثر: (مکہ میں روم و فارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی، وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اتری اور قرآن مجید کی پیشین گوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیوں نے فارس پر فتحِ کلی پائی، اس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا۔)

غرض اس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا، ۵ ہجری میں قریش، کنانہ، غطفان، اسد اور دیگر قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی، اس معرکہ کا نام احزاب ہے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس شکست نے قریش کا عالم گیر اثر کسی قدر کم کیا اور وہ قبائل جو قبولِ اسلام کے لیے آمادہ تھے لیکن قریش کے ڈر سے ان کو اظہارِ اسلام کی ہمت نہیں ہوتی تھی، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفود بھیجنے شروع کیے۔

قبیلہ مزینہ کا اسلام: سب سے پہلی جو سفارت آئی، وہ قبیلہ مزینہ کی تھی، جس میں چار سو آدمی شریک تھے، انھوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ میں آ جائیں لیکن آپؐ نے فرمایا "تم جہاں رہو مہاجر ہو۔" (۲)

---

(۱) کتاب التفسیر ج ۲ ص ۷۲۰ (۲) جزء طبقات ابن سعد متعلق وفود جزء اول قسم ثانی ص ۳۸۔

قبیلۂ اشجع کا اسلام: اس زمانہ میں قبیلۂ اشجع کے سفرا جن کی تعداد سو تھی، مدینہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ''ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے، بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے۔'' آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا، اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے لیکن جب صلح ہو چکی تو انھوں نے خود بہ خود اسلام قبول کر لیا۔(۱)

قبیلۂ جہینہ کا اسلام: (جہینہ بھی ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے، اور اس کے بعد وہ اکثر غزوات میں مسلمانوں کے شریکِ حال رہے۔(۲)

غفار، اسلم، مزینہ، اشجع اور جہینہ کی یہی اطاعت اور مسابقتِ اسلام تھی، جس کی بنا پر آپؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔)(۳)

صلح حدیبیہ کا اثر: صلح حدیبیہ کے زمانہ میں، جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں، کفار اور مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس لیے منکروں کو خلوت وجلوت میں مسلمانوں کی تلقینات کے سننے کا موقع ملا، اس کا نتیجہ یہ ہوا (۴) کہ اس سے پہلے باوجود غزوات و محاربات کے جس قدر لوگ اسلام لائے تھے، صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ صلح حدیبیہ کے سال ادائے عمرہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو صرف ڈیڑھ ہزار شخص ساتھ تھے، اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو چلے تو دس ہزار مسلمانوں

---

(۱) جزء طبقات ابن سعد مذکور ص ۴۸ (۲) اصابہ تذکرہ بشیر بن عرفطہ ج ۱ ص ۱۵۳ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۸ھ (۳) صحیح بخاری کتاب المناقب باب ذکر اسلم وغفار وجهينه ج اول ص ۴۹۸ (۴) طبری میں امام زہری کا قول ہے:

فلما كانت الهدنة ووضعت الحرب اوزارها وأمِنَ الناس كلهم بعضهم بعضا فالتقوا وتفاوضوا فى الحديث والمنازعة فلم يكلم احد بالاسلام يعقل شيئا الادخل فيه فلقددخل فى تينك السنتين فى الاسلام مثل ماكان فى الاسلام قبل ذلك واكثر.

(ج ۳ ص ۱۵۵۱ مطبع بریل لیڈن ۱۸۸۱-۱۸۸۲)

جب صلح ہوگئی اور جنگ موقوف ہوگئی، ایک دوسرے سے لوگ بے خوف ہوئے باہم ملے جلے، باتیں چیتیں ہوئیں تو کوئی عقل مند ایسا نہ تھا جس سے اسلام کے متعلق گفتگو آئی اور اس نے قبول نہ کرلیا، چنانچہ جتنے لوگ ابتدا سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے، صرف ان دو برسوں میں ان کے برابر بلکہ ان سے زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہوگئے۔

کا لشکر جرار ساتھ تھا۔

صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا، کیوں کہ اس معاہدہ میں صرف قریش اور کنانہ شریک تھے، اس لیے جو لوگ براہ راست قریش کے زیر اثر یا ان کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے، وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لیے آنحضرت ﷺ کو کچھ کچھ فوجیں بھیجنی پڑتی تھیں، تاہم جن موقعوں پر امن کا گمان ہوتا تھا، وہاں داعیانِ اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن چونکہ حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے ان داعیوں کے ساتھ تھوڑی بہت جمعیت بھی ہوتی تھی، اس لیے اربابِ سیر ان تبلیغی جماعتوں کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے ہیں۔

فتح مکہ کا اثر: تمام عرب تولیتِ کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا، اس لیے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے، عمروؓ بن سلمہ ایک صحابی تھے، جو مدینہ سے دور ایک گذرگاہِ عام پر رہتے تھے، ان کے یہ الفاظ صحیح بخاری میں منقول ہیں:

وکانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فیقولون اترکوه وقومه فانه ان ظهر علیهم فهو نبی صادق فلما کانت وقعة اهل الفتح بادر کل قوم باسلامهم. (۱)

عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے، وہ کہتے تھے، محمد ﷺ کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد ﷺ ان پر غالب آ گئے، تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں، پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے:

وانما کانت العرب تربص بالاسلام امر هذا الحی من قریش وامر رسول الله ﷺ وذلک ان قریشا کانوا امام الناس وهادیهم واهل البیت والحرم وصریح ولد اسماعیل بن ابراهیم علیهما السلام وقادة العرب لاینکرون ذلک وکانت قریش هی التی نصبت لحرب رسول الله ﷺ وخلافه فلما افتتحت مکة ودانت له قریش ودوخها الاسلام عرفت العرب انه لاطاقة لهم بحرب

اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ وحرم کے متولی اور حضرت اسماعیلؑ کی خالص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور صرف قریش نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کے لیے جنگ برپا کی تھی تو جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام نے مکہ کو چھالیا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی جنگ

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب ذکر فتح مکہ ج ۲ ص ۶۱۶۔

رسول اللہ ﷺ ولا عداوتہ فدخلوا فی دین اللہ کما قال اللہ عزوجل افواجاً الخ (۱)

اور عداوت کی طاقت نہیں ہے تو وہ خدا کے دین میں داخل ہو گئے جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں کہا ہے (یعنی اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ)

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے میں جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی، اب جب کہ باطل کا سنگِ راہ ہٹ گیا، تو حق کے آگے بڑھنے میں دیر نہ تھی۔

فتح مکہ کے بعد دعوتِ اسلام کے لیے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دعاۃ جہاں جائیں بے دریغ قتل کر دیئے جائیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے تمام اطرافِ عرب میں دعاۃ بھیج دیئے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل و محاسن بتا کر ان کو اسلام کی ترغیب دلائیں، دعاۃ حسبِ ذیل طریقہ سے مقرر کیے گئے:

۱- حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغِ اسلام کر سکیں، حضرت خالدؓ کو آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا، تو فوج بھی ساتھ کر دی لیکن تاکید تھی کہ بہ جبر پیش نہ آئیں، چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کی دعوتِ اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے، حضرت خالدؓ سپہ سالار اور فاتح تھے، واعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا، انھوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعتاً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وہ دعاۃ ہیں جن کو علامہ طبری نے ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے:

قد کان رسول اللہ ﷺ بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعوا الیٰ اللہ عزوجل ولم یامرھم بقتال. (۲)

آنحضرت ﷺ نے مکہ کے اطراف میں کچھ ٹکڑیاں بھیجی تھیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں لیکن ان کو لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

حضرت خالدؓ کو قبیلہ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا تھا لیکن جب انھوں نے کشت و خون کیا اور آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رخ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا، خدایا! میں خالدؓ کے فعل سے بری ہوں (۳)، پھر حضرت علیؓ کو بھیجا، انھوں نے

(۱) سیرت ابن ہشام ذکر واقعات ۹ ہجری و وفود ج ۲ ص ۳۶۲ مطبع محمد علی صبیح ۱۳۴۶ ہجری (۲) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۶۴۹
(۳) صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث النبیؐ خالد الخ ج ۲ ص ۶۲۲

نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا، یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔(۱)

(اشاعتِ اسلام کی غرض سے جو مسلح جماعت اطرافِ ملک میں بھیجی جاتی تھی، اس میں کبھی کبھی آپ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے، ان میں جو صاحب سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتے تھے، ان کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے، چنانچہ آپؐ نے ایک بار اسی قسم کی فوج روانہ کرنا چاہی (۲) تو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا، ان لوگوں میں ایک کم سن نوجوان تھے، آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے، پوچھا تمھیں کیا یاد ہے؟ انھوں نے کہا کہ مجھ کو سورۂ بقرہ اور فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، آپؐ نے فرمایا تو تم ہی ان سب کے امیر ہو۔)(۳)

۲- جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لیے عمال بھیجے جاتے تھے، وہ اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس، زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی، اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے اور اس لیے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغِ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے، ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں:

نام	مقام	کیفیت
مہاجر بن ابی امیہؓ	صنعائے یمن	حضرت ام سلمہؓ (زوجۂ نبی) کے بھائی تھے۔
زیادؓ بن لبید	حضر موت	یہ ان اصحاب میں ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔
خالدؓ بن سعید	صنعائے یمن	سابقین اولین اور مہاجرینِ حبش میں ہیں، سب سے پہلے ان ہی نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔
عدیؓ بن حاتم	قبیلۂ طے (یمن)	مشہور صحابی ہیں، حاتم طائی ان ہی کا باپ تھا۔

(۱) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۶۵۰ و ۱۶۵۱ (۲) اس روایت میں اگرچہ یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ فوج اشاعتِ اسلام کے لیے بھیجی گئی تھی، صرف یہ الفاظ ہیں:

بعث بعثاً وھم ذوو عدد. یعنی آپ نے ایک بہت بڑی جماعت بھیجی۔

تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام تھا، کیوں کہ اگر لڑائی مقصود ہوتی، تو حفظِ قرآن کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ آپ ہر ایک سے قرآن پڑھوا کر سنتے (۳) کتاب الترغیب والترہیب لزکی الدین عبد العظیم المنذری بہ روایت ترمذی ج ۱ ص ۲۵۹ طبع اول ۱۳۲۴ھ مطبع عامرہ مصر۔)

نام	مقام	کیفیت
علاءؓ بن حضرمی	بحرین	
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	زبید وعدن	ان کی دعوتِ اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہوگئے، مشہور صاحبِ علم صحابی ہیں۔
حضرت معاذؓ بن جبل	جند	مشہور صاحبِ علم صحابی ہیں۔
جریرؓ بن عبداللہ بجلیؓ (۱)	ذوالکلاع حمیری	جریرؓ مشہور صحابی ہیں، ذوالکلاع حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے، ایک موقع پر لاکھ آدمیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا، جریرؓ کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کیے۔

۳- (بعض (۲) لوگ خاص اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے، تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ملے ہیں:

نام	مقام دعوت	نام	مقام دعوت
علیؓ بن ابی طالب	قبیلہ ہمدان و جذیمہ ومذحج	خالدؓ بن ولید	اطرافِ مکہ
مغیرہؓ بن شعبہ	نجران	عمروؓ بن العاص	عمان
وبرؓ بن یحنس	ابنائے فارس	مہاجرؓ بن ابی امیہ	بطرفِ حارث بن عبد کلال شہزادۂ یمن
محیصہؓ بن مسعودؓ	فدک		
احنف	قبیلۂ سلیم (۳)		

۴- رؤسائے قبائل بارگاہِ نبوت میں آکر مسلمان ہوجاتے تھے اور کچھ روز یہاں قیام کرکے اپنے اپنے قبائل میں دعوتِ اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے، ان اشخاص کے نام یہ ہیں:

(۱) یہ اور آگے کی فہرست حدیث، سیر اور طبقات کی کتابوں سے مرتب وماخوذ ہے (۲) اضافہ تاذکر اسلام ابنائے یمن

(۳) مسند ج۵ ص۳۷۲۔

نام	مقام
طفیل بن عمرو دوسی	قبیلۂ دوس
عروہ بن مسعود	ثقیف
عامر بن شہر	ہمدان
ضمام بن ثعلبہ	بنو سعد
منقذ بن حبان	بحرین
ثمامہ بن اثال	اطرافِ نجد

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، فتحِ مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، دعاۃ اطرافِ مکہ میں بھیج دیئے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے، قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا. (نصر ۱۱۰: ۱-۳)

جب خدا کی فتح ونصرت آئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خدا کے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں۔

فتحِ مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ رہجری کے موسمِ حج میں اعلانِ برأت ہوا، اس واقعہ کے بعد بلا استثنا حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کرلیا۔(۱)

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس برس میں صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام آگے نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان ادھر اُدھر نظر آتے تھے لیکن ان دیواروں کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس میں سنہ ۸ و ۹ و ۱۰ رہجری میں اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف عراق وشام کی حدود تک وسیع ہوگیا، یہ عرب کے وہ صوبے ہیں، جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں، اور اس وقت بھی وہ روم وفارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیرِ سایہ تھیں، تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح وامن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔

یمن: ملک عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے اور نہایت

---

(۱) طبری واقعات ۹ رہجری ج ۴ صفحات ۷۰۶ اور مابعد۔

قدیم زمانہ سے تمدن وتجارت کا مرکز ہے، سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں، ولادتِ نبویؐ سے تقریباً پچاس برس پہلے ۵۲۵ء میں حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کرلیا تھا، ولادتِ نبویؐ کے چند سال بعد اہلِ ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے، ان کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا، جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔

یمن میں اسلام کی تحریک کے لیے متعدد عوائق موجود تھے، مثلاً اختلافِ جنسیت کہ اہلِ یمن قحطانی تھے، داعیِ اسلام اسماعیلی، اہلِ یمن کو اپنے قدیم جاہ وجلال اور تمدن وحکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور سے ان کی پیش روی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے، ملک میں جہاں کوئی باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے شمار ہوتی تھی، چنانچہ جب یمن سے قبیلۂ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا، تو آنحضرت ﷺ کو ایک عرب فرماں روا سمجھ کر رئیسِ وفد نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا آپ اور ہم، ہم خاندان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ''ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں، نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کرسکتے ہیں۔'' (۱)

یمن میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہوسکتا تھا کہ وہ پولیٹیکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھا اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی یا عیسائی تھے لیکن قبولِ حق کے لیے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی۔

یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی، یمن میں دوس ایک ممتاز قبیلہ تھا، اس قبیلہ کا رئیس طفیل بن عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہوگیا، اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لیے مکہ آیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کیا (۲) ۷ھ ہجری میں آنحضرت (ﷺ) خیبر میں تشریف فرما تھے دوس قبیلہ مسلمان ہوکر دارالاسلام میں منتقل ہوگیا، یمن کا ایک اور مشہور قبیلہ اشعر تھا، وہ بھی مہاجرین حبشہ کی معیت میں اسی زمانے میں بلاتحریک خود بخود اسلام لایا اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوا، ابو ہریرہؓ دوسی اور ابوموسیٰ اشعریؓ ان ہی قبائل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل حدیث اشعث بن قیس ج ۵ ص ۲۱۱ مطبع میمنہ مصر، ۱۳۱۳ھ وزاد المعاد ج ۲ ص ۳۲ مطبع میمنہ مصر ۱۳۲۴ھ (۲) ابن ہشام ذکر عرض الاسلام علی القبائل ج ۱ ص ۲۵۶۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا، آنحضرت ﷺ نے ۸ھ ہجری کے آخر میں ان کو دعوت اسلام دینے کے لیے حضرت خالدؓ کو بھیجا، خالدؓ چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا، بالآخر آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو بلالیا اور حضرت علیؓ کو بھیجا، حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جمع کر کے رسول پاک ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھ کرسنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا، حضرت علیؓ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت میں دی تو آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا السلام علی ھمدان. (۱)

بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اس کے قبول کے لیے تیار ہیں اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں، عامر بن شہر جب دربار رسالت سے واپس آیا، تو اس کا دل نورِ اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا، ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوں اور دونوں کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔

یمن میں حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے، ربیع الاول ۱۰ھ میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرت ﷺ نے پھر ان کو یمن کے قبیلہ مذحج میں تبلیغِ اسلام کے لیے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں، پیش دستی نہ کرنا، حضرت علیؓ جب مذحج کی سرزمین میں پہنچے تو مال گذاری وصول کرنے کے لیے اِدھر اُدھر لوگوں کو متعین کیا، اسی اثناء میں قبیلۂ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی، حضرت علیؓ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھروں کی زبان سے ملا، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کی

---

(۱) زرقانی بہ سند صحیح از بیہقی الوفد الحادی عشر (وفد ہمدان) ج ۴ ص ۴۱، (اصل واقعہ بخاری جزء غزوات (غالباً باب قدوم الاشعریین الخ کی طرف اشارہ ہے (ج ۲ ص ۲۸) "ض") میں موجود ہے لیکن ہمدان کی اس میں تخصیص نہیں اور نہ ان کے اسلام کا اس میں ذکر ہے) اس واقعہ کے متعلق اور بھی روایتیں ہیں لیکن وہ صحیح نہیں، چنانچہ خود مواہب لدنیہ نے تسلیم کیا ہے ان روایتوں کا یہ مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگوں نے حضرت علیؓ کے ڈر سے اسلام قبول کرلیا لیکن یہ راویوں کا حسن ظن ہے، واقعہ نہیں، (ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے ہمیشہ لڑا کریں اور ان پر غارت گری کیا کریں لیکن حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے، ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور ثقیف مکہ کے پاس طائف میں تھے، یہ حکم تو دو ہمسایہ قبیلوں کو دیا جاسکتا تھا (زادالمعاد جزء ثانی ص ۳)

صف آرائی کی، مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہ کیا کہ ان کا مقصود صرف مدافعت تھا، اس کے بعد رؤسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انھوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیابتاً اسلام کا اعلان کیا۔(۱)

یمن میں جو فارس کے رؤسا قیام پذیر ہوگئے تھے، ان کو ابناء کہتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ۱۰ ہجری میں وبرؓ بن یحنس کو ان کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا، وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھر ان کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی، مرکبود، وہب بن منبہ کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، سب نے اسلام قبول کیا، صنعاء میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطاء اور وہب بن منبہ تھے۔(۲)

(عام یمن میں (۳) تبلیغ اسلام کے لیے آنحضرت ﷺ نے معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو نامزد فرمایا، دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے، چلتے وقت آپؐ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں، وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں، آپؐ نے فرمایا ''سہولت سے کام کرنا سخت گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوش خبری سنانا، نفرت نہ دلانا، دونوں مل کر کام کرنا، تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں، جب ان کے ہاں پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو تسلیم کرلیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز وشب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے، جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی، دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کرلیں تو چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں'' حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے پوچھا یا نبی اللہ! ہمارے ملک یمن میں جَو اور شہد کی شراب بنتی ہے، کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپ نے فرمایا، ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔(۴)

نجران: یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا، آنحضرت ﷺ نے مغیرہؓ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ ۶ ہجری سے پہلے اسلام لا چکے تھے، دعوتِ

(۱) حضرت علیؓ کی مہم یمن کا واقعہ تمام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن یہ تفصیل ابن سعد جزء ثانی قسم اول ذکر مغازی ص ۱۲۲ سے ماخوذ ہے (۲) طبری واقعات ۱۰ ہجری ج ۴ ص ۱۷۶۳ (۳) (اضافہ تابحرین) (۴) یہ پورا واقعہ بخاری جزء غزوات میں مذکور ہے ہم نے بخاری کی مختلف روایتوں کو یک جا کرلیا ہے۔

اسلام کے لیے نجران بھیجا، عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کیے، یہ جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے (۱) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام کا ان کو خط بھیجا، جس میں تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو اور جزیہ دو، (۲) اہلِ نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافتِ حال کے لیے مدینہ بھیجا، اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی، ان میں ایک قبیلہ بنو حارث بن زیاد تھا، جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لیے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا، ربیع الآخر ۱۰ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے خالدؓ بن ولید کو وہاں دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا، حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا، حضرت خالدؓ نے یہاں تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکامِ اسلام کی تعلیم دی۔(۳)

اہلِ یمن کے لیے دعائے خیر: اہلِ یمن کا بغیر کسی ترغیب وترہیب کے خلوصِ دل سے قبولِ اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا، جو خاص رحمتِ الٰہی کا مستوجب نہ ہو، جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ ''کل اہلِ یمن آتے ہیں، جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔'' (۴) جب ہمدان مسلمان ہوا تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور ان کو سلامتی کی دعا دی۔(۵) حمیر اور تمیم کا وفد آیا، تو آپؐ نے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا، تمیم بشارت قبول کرو، بنو تمیم نے کہا ''یا رسول اللہ! ہم نے بشارت تو قبول کرلی، کچھ عطا بھی فرمایئے'' آپؐ نے منھ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھ کر کیا چیز ہوسکتی تھی، پھر اہلِ یمن کی طرف رخ کر کے فرمایا، ''اے اہلِ یمن! تمیم نے بشارت قبول نہ کی، تم قبول کرلو۔'' اہلِ یمن بے اختیار بول اٹھے، ''اے خدا کے رسول ہم نے قبول کیا۔'' (۶) پھر آپؐ نے عام طور سے فرمایا ''ایمان یمن کا ایمان ہے اور دانائی یمن کی دانائی ہے۔'' (۷)

---

(۱) جامع ترمذی ابواب التفسیر تفسیر سورۂ مریم ص ۵۱۸ مطبع العلوم الدہلوی جلد ۲ ص ۱۴۸ مطبوعہ دیوبند ۱۲۶۵ھ (۲) زرقانی بحوالہ بیہقی ج ۲ ص ۴۹ (۳) زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶ (۴) بخاری کتاب المغازی باب قدوم الاشعریین واھل الیمن ج ۲ ص ۶۳۰ (۵) زرقانی بحوالہ بیہقی ج ۴ ص ۴۱ (۶) بخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی قول اللہ الخ ج ۱ ص ۴۵۳ وکتاب المغازی باب قدوم الاشعریین واہلِ الیمن ج ۲ ص ۶۳۰ (۷) بخاری کتاب المغازی باب قدوم الاشعریین ج ۲ ص ۶۳۰۔

مبلغینِ یمن میں سے حضرت علیؓ اور ابو موسیٰؓ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج ادا کیا، ان مبلغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نومسلم بھی حج وزیارت کو آئے۔)

بحرین ۸ھ؍ہجری: بحرین، ایران کی حدودِ حکومت میں داخل تھا، عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے، جن میں مشہور اور باثر خاندان عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے، ان میں سے عبدالقیس کے قبیلہ میں سے منقذ بن حبان تجارت کے لیے نکلے، راہ میں مدینہ پڑتا تھا، وہاں ٹھہرے، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی، انھوں نے اسلام قبول کیا اور سورۂ فاتحہ اور اقرأ سیکھی، آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک فرمان عنایت کیا، وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا لیکن ان کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی انھوں نے منقذ سے دریافت کیا، بحث ومباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک لوگوں کو سنایا، سب نے اسلام قبول کرلیا۔(۱)

صحیح بخاری، کتاب الجمعہ (۲) میں روایت ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی، جو جواثی میں واقع ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ شخصوں کی ایک سفارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجی، جس کے افسر منذر بن الحارث تھے، ان کا قافلہ کا شانۂ نبوت

(۱) زرقانی بحوالہ کرمانی ج ۴ص ۷۱، قبیلہ عبدالقیس کی ایک سفارت کا ذکر صحیح بخاری کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان ج۱ص ۱۳ و کتاب العلم باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج۱ص ۱۹ و کتاب المغازی باب وفد عبدالقیس ج ۲ص ۶۲۷ میں ہے اور وہ اس زمانہ کے بعد کی ہے، بخاری کی روایت سے بھی اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عبدالقیس اس سفارت سے پہلے ایمان لا چکے تھے، اصابہ ج ۶ ص ۲۲۵ میں ایک روایت اس طرح کی ملی مگر وہ مسند ابن راہویہ کے حوالے سے ہے دیکھو تذکرہ نافع عبدی (''ض'') میں ابن شاہین سے جو روایت ہے وہ گو زرقانی کی روایت سے مختلف ہے اور رئیسِ سفارت کے نام میں اختلاف ہے، تاہم اس قدر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سفارت چھٹی ہجری سے پہلے کی ہے (۲) باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن ج۱ص ۱۲۲ و کتاب المغازی باب وفد عبدالقیس ج ۲ص ۶۲۷

کے قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بے تاب ہوئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ چومے لیکن منذر کو پاسِ ادب ملحوظ تھا، انھوں نے قیام گاہ پر جا کر کپڑے بدلے، پھر خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی۔(۱)

۸ھ/ہجری میں آنحضرت ﷺ نے علاء حضرمیؓ کو تبلیغ اسلام کے لیے بحرین بھیجا، اس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن ساویٰ گورنر تھا، اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے، مسلمان ہو گئے۔(۲)

بحرین کے علاقہ میں ''ہجر'' ایک مقام ہے، یہاں ایران کی طرف سے سی بخت حاکم تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کے نام بھی خط بھیجا تھا اور اس نے بھی اسلام قبول کیا۔(۳)

عمان ۸ھ/ہجری: اس شہر پر قبیلۂ ازد کا قبضہ تھا اور عبید و جعفر یہاں کے رئیس تھے، ۸ھ/ہجری میں آنحضرت ﷺ نے ابوزید انصاریؓ کو جو حافظِ قرآن تھے اور عمروؓ بن العاص کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر بھیجا، دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا اور وہاں کے تمام عرب ان کی ترغیب سے اسلام لائے۔(۴)

عرب شام ۹ھ/ہجری: شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے، ان میں متعدد ریاستیں تھیں، ان میں سے معان اور اس کے اضلاع فروہ بن عمرو کے زیرِ حکومت تھے لیکن خود فروہ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے، انھوں نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اظہار اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا، (عیسائی) رومیوں کو ان کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو ان کو گرفتار کر کے سولی دے دی، اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا۔(۵):

بلغ سراة المسلمین باننی مسلم لربی اعظمی ومقامی

(مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے)

(شام اور عرب کے درمیان عذرہ، بلی، جذام وغیرہ قبائل آباد تھے، قبیلۂ بلی میں حضرت

---

(۱) زرقانی بہ روایت بیہقی بہ سند جید ج ۴ ص ۱۸ (۲) فتوح البلدان ذکر بحرین ص ۸۵ مطبع موسوعات مصر (۳) فتوح البلدان ذکر بحرین ص ۸۵ (۴) فتوح البلدان ذکر فتح عمان ص ۸۳ (۵) ابن ہشام اسلام فروہ، ذکر وفود ج ۶ ص ۳۸۲۔

عمروؓ بن العاص کا ننہال تھا، اس لیے ایک جماعت کے ساتھ وہ ان اطراف میں بھیجے گئے (۱) جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے تو ان کو حملہ کا خوف ہوا، دربار نبوت میں اطلاع کی، وہاں سے حضرت ابوعبیدہؓ کی ماتحتی میں بغرض حفاظت کچھ فوج بھیج دی گئی، اسی کو اہل سیر کی اصطلاح میں غزوۂ ذات السلاسل کہتے ہیں۔

☆

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ السلاسل الخ ج ۲ ص ۶۲۵ آگے کی تفصیل فتح الباری کتاب المغازی غزوۃ ذات السلاسل ج ۸ ص ۵۸، ۵۹ میں ہے، نیز دیکھئے طبقات ابن سعد ذکر مغازی قسم اول جزء ثانی ص ۹۵۔ "ض"

وفودِ عرب

(جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہِ نبوت میں جا کر اسلام کا اعلان کرنا چاہا، اربابِ سیر ''وفود'' کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں، اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے، ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے، ابن سعد میں اکہتر (۷۱) وفود کا تذکرہ ہے، دمیاطی، مغلطائی، زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں لیکن مصنفِ سیرت شامی نے زیادہ استقصا کیا ہے اور ایک سو چار (۱۰۴) وفود کے حالات بہم پہنچائے ہیں اگرچہ ان میں کہیں کہیں ضعیف روایتوں سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام مبہم ہیں، تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحاق کی روایت سے کہیں زیادہ ہے، حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف ۳۴ وفود کی تفصیل کی ہے۔)

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلۂ اخیر کا انتظار کر رہا تھا، مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا، اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دارالاسلام میں جا کر کوئی فیصلہ کرے، اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ میں سرکشی نہیں کر سکتے لیکن خیبر وغیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کر کے ان کی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے۔

فتحِ مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہو گئیں اور بہ جز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں، انھوں نے بارگاہِ نبوت ﷺ میں پہنچ کر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال آئے۔

عرب کے سب سے طاقت ور قبیلے جن کا اثر دور دور تک پھیلا ہوا تھا، بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، کندہ، سلاطینِ حمیر، ہمدان، ازد اور طے تھے، ان تمام قبائل کی سفارشیں دربارِ نبوت میں آئیں، ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں، یعنی جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بہ حیثیت فاتح

کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرلیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقہ میں آجائیں۔

یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸رہجری و ۹رہجری اور ۱۰رہجری میں آئے لیکن تسلسلِ بیان کے لیے اس سے پہلے کے چند وفود کا تذکرہ کرنا بھی موزوں ہوگا۔

مزینہ: یہ ایک بڑا قبیلہ تھا، جو مضر تک پہنچ کر قریش کے خاندان سے مل جاتا ہے، نعمانؓ بن مقرن مشہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلۂ مزینہ کے علم بردار تھے، اسی قبیلہ سے تھے، اصفہان ان ہی نے فتح کیا تھا، ۵رہجری میں اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے (۱)، عراقی نے سیرۃ منظوم میں لکھا ہے:

اوّل وفد وفد المدینة	سنة خمس وفد امزینة
سب سے پہلا وفد جو مدینہ میں آیا۔	وہ مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵رہجری میں آیا۔

بنو تمیم: بنو تمیم کے وفود بڑی شان و شوکت سے آئے، قبیلہ کے تمام بڑے بڑے رؤسا مثلاً اقرع بن حابس، زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید (۲) سب اس سفارت میں شامل تھے، عیینہ ابن حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا، وہ بھی ساتھ تھا۔

یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے، تاہم عربی فخر و غرور کا نشہ سر میں اب بھی باقی تھا، دربارِ نبوت یعنی مسجد نبویؐ میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف رکھتے تھے، آستانۂ اقدس پر جا کر پکارے کہ محمد! ﷺ باہر آؤ، آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے، تو بولے کہ محمد! (ﷺ) ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں، آپؐ نے اجازت دی، عطارد بن حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیرواں کے دربار سے حسنِ تقریر کے صلہ میں کم خواب کا خلعت (۳) حاصل کیا تھا، اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پرزور تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا:

”خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج و تخت، خزانہ ہائے گراں بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز تر ہیں، ہماری برابری آج کون کرسکتا ہے،

(۱) اصابہ فی احوال الصحابہ، ترجمہ نعمان بن مقرن جزء ثالث ص ۵۶۵ مطبع سعادت مصر ۱۳۲۸ھ و ابن سعد جزء اول قسم ثانی ذکر وفود ص ۳۸، (۲) (تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۷۱۱ مگر طبقات ابن سعد ج اول قسم ثانی ص ۴۰ پر یزید کے بجائے زید لکھا ہے) ”ض“ (۳) اصابہ فی احوال الصحابہ، جزء رابع ص ۲۴۵۔

ہماری ہم رتبگی کا جس کو دعویٰ ہو وہ یہ خصائص اور اوصاف گنائے جو ہم نے گنائے ہیں۔"

عطارد خطبہ دے کر بیٹھ گیا تو آنحضرت ﷺ نے ثابت بن قیس کو جواب دینے کا اشارہ کیا، انھوں نے جو تقریر کی، اس کا ماحصل یہ تھا:

"اس خدا کی تعریف جس نے زمین و آسمان بنائے، اس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا، جو سب سے زیادہ شریف النسب، سب سے زیادہ راست گفتار، سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا، وہ تمام عالم کا انتخاب تھا، اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی، اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور ان کے بعد ہم (انصار) نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا، ہم لوگ انصارِ الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں۔"

تقریریں ہو چکیں تو اشعار کی باری آئی، سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان ابن بدر نے قصیدہ پڑھا:

نحن الکرام فلاحی یعادلنا منا الملوک وفینا تنصب البیع (۱)

ہم شرفائے قوم ہیں، کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ ہم میں تخت نشیں ہیں اور ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آکر خطبہ دیا تو اس کی خوبیٔ تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ بنا دیا، اس وقت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا یعنی بعض بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے، اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے، غرض جب زبرقان تقریر کر چکے، آنحضرت ﷺ نے دربارِ رسالت کے شاعر یعنی حسان بن ثابتؓ کی طرف دیکھا، انھوں نے برجستہ کہا:

ان الذوائب من فهر واخوتهم قد بیّنوا سنة للناس تتبع (۲)

شرفائے قبیلۂ فہر و برادران فہر نے لوگوں کو۔ وہ راستہ بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے تھے۔

ارکانِ سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حکم تھا، یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اس کے پاس جاتا تھا اور اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے، وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربارِ رسالت میں آیا تو آنحضرت (ﷺ)

---

(۱) طبری واقعات ۹ ہجری جلد ۴ ص ۱۷۱۴ (وسیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۶۴ وطبقات ابن سعد جزء اول قسم ثانی ص ۴۰)(۲) ایضاً۔

سے کہا: (۱)

ان حمدی لزینٌ و ان ذمی لشینٌ — میں جس کی تعریف کردوں وہ چمک جاتا ہے اور جس کو برا کہہ دوں اس کو داغ لگ جاتا ہے۔

نظم ونثر کی معرکہ آرائی ہو چکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربارِ رسالت کے خطیب اور شاعر دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہیں، پھر سب نے اسلام قبول کیا۔

بنوسعد: بنوسعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے دربار میں آئے اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی، اس سے عرب کی اصلی سادگی اور آزادروی کا اندازہ ہوسکتا ہے، صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے، کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے:

''حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربارِ رسالت میں حاضر تھے، ایک شخص ناقہ پر سوار آیا اور صحنِ مسجد میں آ کر ناقہ سے اترا، پھر حاضرین سے پوچھا ''محمد (ﷺ) کس کا نام ہے؟'' لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں'' پاس آ کر کہا ''اے عبدالمطلب کے بیٹے'' آپؐ نے فرمایا کہ ''میں جواب دے چکا'' بولا کہ میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن سختی سے پوچھوں گا، اس پر ناراض نہ ہونا'' ارشاد ہوا کہ ''جو پوچھنا ہو پوچھو'' بولا کہ ''اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو، کیا خدا نے تم کو تمام دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''ہاں'' پھر قسم دلا کر پوچھا کہ ''کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟'' اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا اور آپؐ برابر ''ہاں'' فرماتے جاتے تھے، جب سب احکام سن لیے تو کہا کہ ''میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے، میں جاتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کروں گا نہ کم'' وہ جا چکا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔'' (۲)

ضمام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ ''لات وعزیٰ کوئی چیز نہیں'' لوگوں نے کہا ''کیا کہتے ہو، تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے'' انھوں نے کہا ''خدا کی قسم وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، نہ ضرر، میں تو خدا اور محمد (ﷺ) پر ایمان لاتا ہوں'' ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہیں ہونے

---

(۱) اصابہ تذکرہ اقرعؓ بن حابس، جزء اول ص ۵۸ (۲) یہ روایت صحیح بخاری میں مختلف ابواب میں منقول ہے، دیکھو کتاب العلم باب القراۃ والعرض علی المحدث ج ۱ ص ۱۵۔

پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ، زن و مرد، بچے سب مسلمان تھے۔(۱)

اشعریین ۷ ؍ہجری: یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا، ابوموسیٰ اشعری اسی قبیلہ سے ہیں، ان لوگوں نے جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن ۵۳ شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا، اسی قافلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری بھی تھے، یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر چلے لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش میں پہنچا دیا، وہاں حضرت جعفر طیارؓ موجود تھے، وہ اپنے ساتھ لے کر عرب کو روانہ ہوئے، اس زمانہ میں خیبر فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ یہیں تشریف فرما تھے، چنانچہ یہیں لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔

یہ صحیح مسلم (۲) فضائل اشعریین (۳) کی روایت ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ جب اشعریوں کا وفد آیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے یہاں یمن کے لوگ آتے ہیں جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔(۴)

مسند احمد بن حنبل (۵) میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوشِ مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے:

غدا نلقى الاحبة محمدا وحزبه

کل ہم دوستوں سے ملیں گے محمدؐ اور پیروانِ محمدؐ سے

(بارگاہِ نبوت میں پہنچے تو عرض کی یا رسول اللہ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سیکھیں اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں، آپؐ نے فرمایا ”پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا، اس کا تخت پانی پر تھا۔“ (۶)

دوس ۷ ؍ہجری: دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے، حضرت ابوہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہیں، اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمرو تھے، وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے، قریش نے ان کو منع کیا

---

(۱) ابن هشام قدوم ضمام بن ثعلبة وافدا عن بنی سعد بن بكر ج۲ ص۳۷۱۔(۲) صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل جعفر بن ابی طالب الخ ج۲ ص۳۶۱ (۳) فضائل اشعریین کے بجائے اس کے بعد باب من فضائل جعفر بن ابی طالب الخ کی روایت میں ہے۔”ض“ (۴) صحیح بخاری کتاب المغازی باب قدوم الاشعريين واهل اليمن ج۲ ص۶۳۰۔(۵) نیز دیکھئے زاد المعاد ج۲ ص۳۲ (۶) صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی قول الله الخ ج۱ ص۴۵۳۔

تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس نہ جائیں لیکن اتفاقاً ایک دفعہ یہ حرم میں گئے، آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، قرآن مجید سن کر متاثر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ آپؐ مجھ کو اسلام کی حقیقت سمجھائیں، آپؐ نے اسلام کی تبلیغ کی، اور قرآن کی آیتیں سنائیں، وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے، وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا، لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہوجائیں گے، اس لیے لوگوں نے تامل کیا، طفیل نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر یہ حقیقت بیان کی، آپؐ نے دعا فرمائی کہ ''خدایا! دوس کو ہدایت دے'' پھر طفیل سے ارشاد فرمایا کہ جا کر نرمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو، غرض (دعائے نبویؐ کی برکت اور) طفیل کی ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسّی افراد خاندان جن میں ابو ہریرہؓ بھی تھے، ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے۔(۱)

بنوحرث بن کعب ۹ ھجری: یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا، آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کو ان کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا، یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا، چنانچہ قیس بن الحصین ویزید بن عبدالمدان وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ اکثر معرکوں میں قبائلِ عرب پر غالب رہے تھے، آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے غلبہ کے اسباب کیا تھے، بولے ہم ہمیشہ متفق ہوکر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے، آپؐ نے قیس کو ان کا رئیس مقرر کیا۔(۲)

قبیلہ طے ۹ ھجری: یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا، اس قبیلہ کے روسا زید الخیل و عدی بن حاتم طائی تھے اور ان کے حدودِ حکومت الگ تھے۔

زید زمانۂ جاہلیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش جمال، فیاض، بہادر تھے، ۹ ھجری میں یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت صدقِ دل سے اسلام قبول کیا، شہ سواری کی وجہ سے یہ زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے، آنحضرت ﷺ نے اس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا۔(۳)

---

(۱) اصابہ جزء ثالث ص ۲۸۷، اور زادالمعاد جزء ثانی ص ۳۴، اور ابن سعد جزء اول قسم ثانی ذکر وفود ص ۸۱و۸۲۔ (۲) اصابہ جزء سادس ص ۳۴۵ تذکرہ یزید بن عبدالمدان وزادالمعاد جزء ثانی ص ۳۳۔ (۳) زادالمعاد جزء ثانی ص ۳۱۔

عدی بن حاتم ۹ ہجری: عدی مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے (سردار اور مذہباً عیسائی تھے) سلاطین عرب کی طرح ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا، جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں، یہ بھاگ کر شام چلے گئے، ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو بڑی عزت وحرمت سے رخصت کیا، وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہوسکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو، وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ، ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے، غرض عدی مدینہ آئے، آنحضرت ﷺ مسجد میں تھے، عدی نے مسجد میں جا کر سلام کیا، آپؐ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا، پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے، اسی اثناء میں ایک بڑھیا آ گئی، اس نے آپؐ کو روک لیا اور دیر تک آپؐ سے کسی کام کے متعلق باتیں کرتی رہی، عدی خود رئیس تھے، شام میں رومیوں کا دربار دیکھا تھا، ان کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہِ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے، اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے، آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے، چمڑے کا ایک گدا تھا، اس کو عدی کی طرف بڑھایا، یہ اصرار کے بعد اس پر بیٹھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کیوں عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے لیکن یہ تو تمہارے مذہب (نصرانیت) میں جائز نہیں ہے۔"(۱)

پھر فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ بولے کہ نہیں! پھر پوچھا کہ خدا سے کوئی بڑا ہے؟ بولے کہ نہیں! آپؐ نے فرمایا کہ "یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے، اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہیں۔"(۲)

غرض عدی نے اسلام قبول کیا، اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردّہ کے زمانہ میں بھی ان پر کچھ اثر نہیں پڑا۔

باپ کی سخاوت کا اثر ان پر بھی تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سو (۱۰۰) روپیے طلب کیے، بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو، بخدا ہر گز نہ دوں گا۔(۳)

وفد ثقیف: (یاد ہوگا) جب آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو

---

(۱) ابن ہشام اسلام عدیؓ بن حاتم ج ۲ ص ۳۷۴ و ۳۷۵۔ (۲) مسند امام احمد حدیث عدی ج ۴ ص ۲۵۷، ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر فاتحہ ص ۴۸۱ (ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دیوبند) (۳) اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عدی جزء رابع ص ۲۲۹۔

صحابہؓ نے عرض کی تھی کہ آپؐ ان کے حق میں بددعا فرمائیں، آپؐ نے جن لفظوں میں دعا فرمائی تھی یہ تھی:

اللّٰھم اھد ثقیفا وائت بھم — اے خدا! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔

(یہ دعائے نبویؐ کا اعجاز تھا کہ وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہو سکا تھا، دفعتاً جلالِ نبوت نے اس کی گردن آستانۂ اسلام پر جھکا دی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔)

طائف دو رئیسوں کے قبضہ میں تھا، جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے، جن کی نسبت کفارِ مکہ کہا کرتے تھے کہ کلامِ الٰہی اترتا تو ان پر اترتا، عروہ اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن مادۂ قابل رکھتے تھے، حدیبیہ کی صلح بھی ان ہی کی سفارت سے انجام پائی تھی، آنحضرت ﷺ جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے ان کو اسلام کی توفیق دی، آنحضرت ﷺ مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر واپس گئے، واپس جا کر انھوں نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی، لوگوں نے ان کو بہت برا بھلا کہا، صبح کو جب اپنے بالاخانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا مینھ برسا، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے، مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں، ان ہی کے پہلو میں دفن کیے جائیں۔

(عروہ کا خون رائگاں نہیں جا سکتا تھا، صخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سن کر کہ آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں، کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا، اتفاق سے اس وقت پہنچا، جب آپؐ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے، صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہلِ طائف آنحضرت ﷺ کی اطاعت نہ قبول کر لیں گے، میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا، آخر اہلِ طائف نے اطاعت قبول کر لی، صخر نے خدمتِ نبویؐ میں اطلاع کی تو آپؐ نے مسجد نبویؐ میں تمام لوگوں کو جمع کیا اور احمس کے لیے دس بار دعا فرمائی (۱) چند روز کے بعد اہلِ طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لا چکا، اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں، غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجے جائیں۔

ان کی سفارت نے مدینہ کا رخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہؓ بن شعبہ دوڑے کہ آنحضرت ﷺ کو جا کر خبر کریں، راہ میں حضرت ابوبکرؓ مل گئے، ان کو

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی اقطاع الارضین ص ۲۹، اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۱۸ھ وج ۲ ص ۴۳۶ مطبوعہ کلکتہ۔

معلوم ہوا تو مغیرہؓ کو قسم دلائی کہ یہ خوش خبری مجھ کو پہنچانے دو۔

مغیرہؓ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربارِ رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا، لیکن یہ لوگ اسی قدیم دستور کے موافق آداب بجالائے۔

عبد یالیل طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو (حالانکہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبویؐ میں اتارا (کہ مسلمانوں کی محویت واستغراق کو دیکھ کر متاثر ہو) (۱) یہ لوگ صحن مسجد میں خیمے نصب کرا کر ٹھہرائے گئے، نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے، گو خود شریک نہیں ہوتے تھے، آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ خطبہ میں اپنا نام نہیں لیتے تھے، ان لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمد ﷺ ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ ”میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادۂ الٰہی ہوں۔“

جماعتِ سفراء میں عثمان بن ابی العاص سب سے کم عمر تھے، سفراء دربار نبویؐ میں آتے تو ان کو بچہ سمجھ کر قیام گاہ پر چھوڑ آتے، عثمان گو کم سن تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائلِ تحقیق تھے، ان کا معمول تھا کہ جب سفراء دن کو قیلولہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائلِ اسلام سیکھتے، یہاں تک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لیے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے، (نماز عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے، اور کھڑے کھڑے ان سے باتیں کرتے، زیادہ تر مکہ میں قریش کے ہاتھ سے جو اذیتیں اٹھائی تھیں، ان کو بیان فرماتے، مدینہ میں جو لڑائیاں پیش آئیں ان کا بھی تذکرہ فرماتے (۳) بالآخر ان لوگوں سے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرطیں پیش کیں۔

۱- زنا ہمارے لیے جائز رکھا جائے، کیوں کہ ہم میں سے اکثر مجرد رہتے ہیں اور اس لیے ان کو اس سے چارہ نہیں۔

۲- ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعۂ معاش سود ہے، اس لیے سود خواری جائز رکھی جائے۔

---

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ، باب ماجاء فی خبر الطائف ج ۲ ص ۴۲۸ مطبوعہ کلکتہ (۲) سیرت ابن ہشام ذکر امر وفد ثقیف واسلامہم ج ۲ ص ۳۴۹ (۳) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تحزیب القرآن ج ۱ ص ۲۵ و (ص ۱۴۰ مطبع کستلیہ مصر و ص ۱۹۸ مطبوعہ کلکتہ۔)

۳- شراب سے نہ روکا جائے، ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں، بالآخران لوگوں نے کہا اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بت جس کا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائے گا، یہ سن کر ان کو سخت حیرت ہوئی، کہ کیا کوئی شخص ان کے خدائے اعظم کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے! بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو، لات صرف ایک پتھر ہے، ان لوگوں نے کہا عمر! ہم تمہارے پاس نہیں آئے، یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم لات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، آپ جو چاہیں کریں لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے، آپؐ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ (۱)

ان لوگوں نے نماز، زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی، نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی، وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے، ہر شخص پر واجب نہیں اور واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں، روز کا کام نہیں، اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا، کیوں کہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آجائے گی، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لاچکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (۲) (چنانچہ دو ہی برس بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو) (۳)

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں، مغیرہ نے طائف پہنچ کر بت کدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں: (۴)

---

(۱) زادالمعاد جزء ۲ ص ۲۴، ۲۵، ۲۶ بحوالہ مغازی موسیٰ بن عقبہ، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۷ تا ۳۵۰۔

(۲) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب ماجاء فی خبر الطائف الخ ص ۲۵، ج ۲ ص ۴۲۸ مطبوعہ کلکتہ

(۳) اصابہ ترجمہ جبیر بن حیہ ثقفی جزء اول ص ۲۳۵) (۴) تاریخ طبری، جلد ۴ ص ۱۶۹۲۔

الا ابکین (۱) دُفَاع — (لوگوں پر روؤ کہ پست ہمتوں نے اپنے بتوں
اسلمها الرضاع — کو دشمنوں کے سپرد کردیا اور معرکہ آرائی نہ
لم یحسنوا المصاع — کر سکے۔)

(عربوں میں کثیر الازدواجی کی عام عادت تھی، قبیلۂ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان ابن سلمہ کے دس بیویاں تھیں، جب وہ مسلمان ہوا تو احکامِ اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویوں سے اس کو مفارقت کرنی پڑی) (۲)

وفد نجران ۹ھ ہجری: نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے، جہاں عیسائی عرب آباد تھے، یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا، جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے، جن کا لقب سید اور عاقب تھا، عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہم سر نہ تھا، اعشیٰ اسی کی شان میں کہتا ہے:

و کعبة نجران حتم علیک — حتی تناخی بابوابها
نزور یزیدا وعبدالمسیح — وقیسا هم خیر اربابها

یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا، جو شخص اس کے حدود میں آجاتا تھا، وہ مامون ہوجاتا تھا، اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دولاکھ سالانہ تھی۔ (۳)

آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو مسجد میں اتارا، تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے روکا لیکن آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو، چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منھ کر کے نماز ادا کی، ابوحارثہ جولارڈ بشپ تھا، نہایت محترم اور فاضل شخص تھا، قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لیے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔ (۴)

ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے مختلف مسائل پوچھے اور آپؐ نے وحی کی رو سے

---

(۱) یہ تفصیل طبری سے ماخوذ ہے دیکھو ج ۴ ص ۱۶۹۲ وما قبل (سیرت ابن ہشام میں لتبکین ہے جلد ۲ ص ۳۵۰) "ض"

(۲) جامع ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی الرجل یسلم الخ ص ۱۹۰ فخر المطابع دہلی ۱۲۷۰ھ ج ۱ ص ۲۱۴ (مطبوعہ دیوبند) وابوداؤد کتاب النکاح (۳) یہ تمام تفصیل معجم البلدان ذکر نجران ج ۸ ص ۲۵۹ ومابعد میں ہے، پہلا فقرہ فتح الباری سے ماخوذ ہے، جہاں وفدِ نجران کا ذکر ہے، ج ۸ ص ۷۳ (۴) زاد المعاد ابن قیم جزء ثانی ص ۳۵۔

ان کا جواب دیا۔

ان کے زمانۂ قیام میں سورۂ آلِ عمران کی ابتداء کی اسی آیتیں اتریں، ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا، جس آیت میں دعوتِ اسلام کی تشریح تھی، وہ یہ ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (آل عمران ۳: ۶۴)	کہہ دے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کو مان لیں جو ہم تم دونوں میں مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ قرار دے، پھر اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب پوجتے ہو، عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیوں کر مسلمان ہو سکتے ہو؟ جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے مطابق ان سے کہہ دیا کہ اچھا مباہلہ کرو یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل وعیال کو لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ. (آل عمران ۳:۶۱)	تو جو شخص تجھ سے علم آئے پیچھے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہہ دے کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو بلائیں پھر مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ زہراؓ اور امام حسن وحسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے، اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے، غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔ (۱)

بنو اسد ۹ ؍ ہجری: یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیوں میں قریش کا دست وبازو تھا، طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی قبیلہ سے تھا، ۹ ؍ ہجری میں یہ لوگ بھی اسلام لائے اور سفارت بھیجی لیکن اب تک ان کے دماغ میں فخر کا نشہ باقی تھا، سفرا دربارِ رسالت

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب قصۃ اہلِ نجران ج۲ص۶۲۹۔

میں آئے تو احسان کے لہجہ میں کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی، بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(۱)

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (حجرات ۴۹:۱۷)	یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم اسلام لائے کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے، کہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

بنوفزارہ ۹ ؁ہجری: یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا، عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے، اس قبیلہ نے رمضان ۹ ؁ہجری میں جب آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا اور اسلام قبول کیا۔(۲)

کندہ ۱۰ ؁ہجری: یہ حضرموت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا، یہاں کندی خاندان کی سلطنت تھی، اس زمانہ میں اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے، یہ ۱۰ ؁ہجری میں اسّی ۸۰ سواروں کے ساتھ بڑی شان وشوکت سے حیرہ کی چادریں جن کے سنجاف حریر کے تھے، کاندھوں پر ڈالے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا، کیا تم اسلام نہیں لا چکے ہو؟ بولے "ہاں" آپؐ نے فرمایا کہ "پھر یہ حریر کیسا" ان لوگوں نے فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔(۳)

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی بہن ام فروہ سے ان کی شادی کر دی تھی، نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر اونٹوں کے بازار میں پہنچے اور جو اونٹ سامنے آیا تلوار سے اس کی کوچیں اڑا دیں تھوڑی دیر میں بیسیوں اونٹ زمین پر پڑے تھے، لوگوں کو حیرت ہوئی انھوں نے کہا میں اپنی دارالریاست میں ہوتا تو اور ہی سروسامان ہوتا، یہ کہہ کر اونٹوں کے دام دے دیئے اور لوگوں سے کہا یہ آپ کی دعوت ہے۔(۴)

یہ جنگِ قادسیہ و یرموک میں شریک تھے اور صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

عبدالقیس: یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گذر چکا، بحرین کا باشندہ تھا، یہاں اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا، سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی ۵ ؁ہجری میں یا اس سے آگے پیچھے زمانہ میں خدمتِ نبویؐ

---

(۱) زاد المعاد ج ۲ ص ۴۵ (۲) زرقانی ج ۴ ص ۵۹ (۳) ابن ہشام وفد کندہ جلد ۲ ص ۳۷۸ (۴) اصابہ جزء اول ص ۵۱۔

میں حاضر ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ عرض کی یارسول اللہ! ہم خاندانِ ربیعہ سے ہیں، فرمایا "مرحبا بالقوم او بالوفد غیر خزایا و لاندامی" پھر ان لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارا ملک بہت دور ہے (بحرین) اور بیچ میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں، ہم اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آسکتے، چند ایسی باتیں تلقین فرمایئے، جن پر ہمیشہ عمل کریں اور اپنے اہلِ وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں، ارشاد ہوا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں، خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور خمس دو اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں، دبّاء، حنتم، نقیر، مزفت۔(۱)

دبّاء، حنتم، نقیر، مزفت، یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے، جن میں رکھ کر شراب بنائی جاتی تھی، آنحضرت ﷺ کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے، ان کے پند و موعظت میں ان ہی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، لوگوں کو تعجب تھا کہ حضورؐ نے ان ظروف کا کیوں مخصوص طور سے ذکر فرمایا، چنانچہ انھوں نے پوچھا کہ "یارسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے"؟ ارشاد فرمایا "ہاں کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کر تم اس میں پانی ڈالتے ہو، جب ابال کم ہو جاتا ہے، تو اس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو، اتفاق یہ کہ وفد میں ایک صاحب ایسے تھے، جن پر یہی واقعہ گذرا تھا، ان کی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا، اس کو وہ شرم سے چھپائے تھے۔(۲)

بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم کو کیا پینا چاہیے، اس کے جواب میں آپؐ نے ان چاروں چیزوں کا ذکر فرمایا۔(۳)

---

(۱) (بخاری میں اسی قدر ہے) (۲) صحیح بخاری کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان ج اول ص ۱۳ و صحیح مسلم کتاب الایمان باب الامر بالایمان الخ ج اول ص ۲۷، ۲۸ (نقیر کے متعلق سوال کا ذکر بخاری کے بجائے مسلم ہی میں ہے) "ض" (۳) مسلم اور دیگر کتب صحاح میں عبدالقیس کے اسی وفد کا ذکر ہے، ابن مندہ و دولابی وغیرہ نے اسی قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے، جس میں ۴۰ آدمی شریک تھے، اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیئے ہیں (ارشاد الساری ج ۱ ص ۱۶۹ ادارالطباعۃ مصر ۱۲۸۸ھ)، پہلا تقریباً ۵ ہجری میں اور دوسرا ۱۰ ہجری میں، حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی میں بعینہٖ یہی تحقیق کی ہے (ج ۸ ص ۶۷) لیکن کتاب الایمان کی شرح میں دونوں روایتوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے (ج ۱ ص ۱۲۱)۔

بنو عامر ۹ ہجری: (بنو عامر(۱) کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا، بنو عامر میں اس وقت تین رئیس تھے، عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمٰی، عامر اور اربد صرف حصولِ جاہ کے خواہاں تھے، یہ عامر وہی شخص تھا، جو اس سے پہلے متعدد فتنوں کا باعث ہو چکا تھا اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا، جبار اور قبیلہ کے عام لوگ خلوصِ قلب سے صداقت کے طالب تھے۔

عامر مدینہ پہنچ کر خاندانِ سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا، جبار اور مشہور صحابی کعبؓ ابن مالک میں پہلے کے مراسم تھے، اس لیے وہ تیرہ آدمیوں کے ساتھ ان ہی کے گھر مہمان اترے اور اسی تقریب سے کعبؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، بنو عامر نے سلسلۂ کلام میں آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے کہا، ''أنت سیدنا'' حضور ہمارے آقا ہیں، آپؐ نے فرمایا ''السید اللّٰہ'' آقا خدا ہے، انھوں نے پھر عرض کی، حضور ہم میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں، ارشاد ہوا بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو ہنکا نہ لے جائے، یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔(۲)

عامر بن طفیل نے کہا ''محمد! تین باتیں ہیں، اہل بادیہ پر تم حکومت کرو اور شہر میرے قبضہ میں ہوں، اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ، اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میں غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا'' عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ میں ادھر محمدؐ کو باتوں میں لگاؤں گا، اُدھر تم ان کا کام تمام کر دینا، اب عامر نے جو دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہ تھی، نبوت کے غیر مرئی جاہ وجلال نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں، دونوں اٹھ کر چلے آئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''خدایا ان کے شر سے بچانا'' عامر کو طاعون ہو گیا، عرب میں صاحبِ فراش ہونا شرم کی بات تھی، عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو، گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اس نے دم توڑا۔

جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دار الاسلام سے واپس آئے۔(۳)

حمیر وغیرہ کی سفارت: حمیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی، سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے، عربی میں ان کا لقب قیل تھا، یہ لوگ خود نہیں آئے لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی زمانہ میں بہرا، بنو بکا، وغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔(۴)

---

(۱) اضافہ (۲) مشکوۃ باب المفاخرہ ص ۴۱۰ مطبع احمدی دہلی ۱۲۷۱ھ، بحوالہ ابوداود (۳) عام واقعات ابن اسحاق وزرقانی ج ۴ ص ۱۲ تا ۱۴، اور سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۷ سے ماخوذ ہیں، عامر کی تقریر اور اس کی موت کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔(۴) تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۰۷ واقعات ۹ ہجری۔

تاسیس حکومتِ الٰہی

استخلاف فی الارض

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور۲۴:۵۵)

(تیرہ وتار(۱) راتوں کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے، گھنگھور گھٹائیں جب چھٹ جاتی ہیں، تو خورشید تاباں ضیا گستری کرتا ہے، دنیا گنہ گاریوں اور ظلم وستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی تھی کہ دفعتاً صبح سعادت نے ظہور کیا اور حق وصداقت کا آفتاب پرتوافگن ہوا، عرب جس طرح ایک خدا کو پوجنے لگا تھا، اب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا۔

(خدائے پاک نے وعدہ فرمایا تھا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا. (نور۲۴:۵۵)

خدا نے تم میں سے ایمان داروں اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کرے گا جس طرح کہ گذشتہ امتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی اور ان کے اس مذہب کو جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، یقیناً قوت بخشے گا اور ان کی بے امنی کو امن سے بدل دے گا، مجھ کو پوجیں اور کسی کو شریک نہ بنائیں۔

حکومتِ الٰہی واستخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہیں، لیکن جب دعوت الٰہی سیاست ملکی کی دیواروں سے آکر ٹکراتی ہے، یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی وانتشارِ حال کے کانٹوں میں الجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیمؑ (۲) اور موسیٰؑ کے قالب میں آگے بڑھتا ہے اور قوم وملک کو نمارده وفراعنہ کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے، پیغمبروں میں عیسیٰؑ اور یحییٰؑ بھی گذرے ہیں، جن کو

---

(۱) یہ پورا باب اضافہ ہے "س" (۲) حضرت ابراہیمؑ اپنے قبیلہ کے شیخ تھے، چار سو غلاموں کی فوج ساتھ رہتی تھی، شام واطراف بابل کے کئی بادشاہوں سے ان کو لڑنا پڑا اور خدا نے ان سے وعدہ کیا کہ ان کی اولاد کو ارض مقدس کی حکومت عطا کرے گا (توراۃ سفر تکوین اصحاح ۱۲ص ۱۸، ۱۹ مطبوعہ مدرسہ آکسفورڈ ۱۸۹۰ء)

حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اور موسیٰؑ اور داؤدؑ وسلیمانؑ بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰؑ ویحییٰؑ بھی تھے اور موسیٰؑ وداؤدؑ بھی، عرب کے خزانے دست تصرف میں تھے لیکن کاشانۂ نبوت میں نہ کوئی نرم بستر تھا، نہ غذائے لطیف، نہ جسم مبارک پر خلعت شاہانہ تھا، نہ جیب وآستین میں درہم ودینار، عین اس وقت جب اس پر کسریٰ وقیصر کا دھوکا ہوتا تھا، وہ گلیم پوش مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔

اسلام کی حکومت کی غرض وغایت جس کو خدا نے خود اپنے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے یہ تھی:

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ. الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ کَثِیۡرًا ؕ وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ. اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ.

(الحج ۲۲:۳۹، ۴۰، ۴۱)

مسلمان جن سے (بلاسبب) جنگ کی جاتی ہے، اب ان کو بھی جنگ کی اجازت دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے، وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے سوا اس کے ان کا اور کوئی قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ہی ہمارا خدا ہے، اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہیں، کنیسے، عبادت گاہیں، مسجدیں جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے، برباد کردی جائیں، جو خدا کی مدد کرتا ہے، خدا اس کی مدد کرتا ہے، خدا طاقتور اور غالب ہے، مسلمان وہ ہیں جن کو اگر خدا زمین میں قوت عطا کرے تو عبادت الٰہی کریں، مستحقین کی مالی اعانت کریں (زکوٰۃ) لوگوں کو نیکیوں کی تاکید کریں، برائیوں سے روکیں، انجام کار خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ان آیتوں میں بالاجمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں غزوات کی ابتدا کیوں اور کیوں کر ہوئی؟ اسلام کی حکومت کے کیا اغراض ومقاصد تھے اور استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہیں؟ اور دنیا کی عام حکومتوں سے وہ کن امور میں ممتاز ہے؟ ان مباحث کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گا، یہاں عرب کے نظم ونسق کے متعلق عام اور جزئی باتیں بیان کرنی منظور ہیں۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب میں امن وامان قائم ہے، سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے، ملک کے ہر گوشہ میں دعاۃ اسلام پھیلے ہوئے ہیں، قبائل دور دراز صوبوں سے بارگاہِ نبوت کا رخ کر رہے ہیں، فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا، جو رمضان ۸ھ ہجری کا واقعہ ہے، اسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے قبائل میں محصلینِ زکوٰۃ کا تقرر فرمایا لیکن

اصل خلافتِ الٰہی کے تمام اجزا اواخر ۱۰ ہجری میں زمانۂ حجۃ الوداع کے قریب تکمیل پائے۔

یورپ کی ناآشنا نگاہ میں اگرچہ آپ کی زندگی کا یہ دور جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز مظہر تھا لیکن آشنایانِ حقیقت کو شہنشاہِ عرب پھٹے پرانے کپڑوں میں مدینہ کی گلیوں کے اندر غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ تاج وتخت سے بے نیاز، قصر وایوان سے مستغنی، حاجب و دربان سے بے پروا، مال وزر سے خالی، خدم وحشم کے بغیر دلوں پر حکومت کر رہا تھا، نہ اس کی حکومت میں پولیس تھی، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر، نہ کثیر التعداد اربابِ مناصب، نہ وزرائے مشورہ، نہ امرائے سیاست، نہ الگ الگ حکام وقضاۃ، وہ ایک ہی ذات تھی، جو ہر فرض و خدمت کی خود ذمہ دار تھی لیکن بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو عام انسانوں سے اونٹ کے ایک بال کے برابر بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتا تھا(۱)، اس کے عدل وانصاف کے آگے فاطمہؓ جگر گوشۂ نبوت اور عام مجرم برابر تھے۔(۲)

آنحضرت ﷺ کی اصل بعثت کا مقصد دعوت مذہب، اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفوس تھا، اس کے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمنی تھے، اس بنا پر انتظامات ملکی آپؐ نے اسی حد تک قائم کیے جہاں تک ملکی بدامنی کے باعث دعوتِ توحید کے لیے عوائق پیش آتے تھے، تاہم یہ کام بھی کچھ اہم نہ تھا۔

انتظام ملکی: عمر شریف اس وقت ساٹھ برس کی تھی لیکن اس عمر میں بھی اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے، ولاۃ اور عمال کا تقرر، مؤذنین اور ائمہ کا تعین، محصلین زکوٰۃ وجزیہ کی نام زدگی، غیر قوموں سے مصالحت، مسلمان قبائل میں جائدادوں کی تقسیم، فوجوں کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، وفود کے لیے تعین وظائف، اجرائے فرامین، نومسلموں کے انتظامات، مسائل شرعیہ میں افتاء، جرائم کے لیے اجرائے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عہدہ داروں کی خبر گیری اور احتساب، دور کے صوبوں میں متعدد صحابہؓ گورنر اور والی بنا کر بھیج دیے گئے تھے لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرائض آپؐ خود انجام دیتے تھے۔

خلافتِ الٰہی کے ان فرائض واعمال نے آپؐ کے دل ودماغ پر جو بار عظیم ڈالا، اس نے

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامام یصلی من قعود ج۱ص۶۲ (وص۸۹ مطبوعہ کلکتہ) (۲) صحیح بخاری کتاب الحدود باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع ج۲ص۱۰۰۳۔

آپؐ کے نظام جسمانی کو چور چور کر دیا، عام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ آخر زندگی میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، جو ضعفِ جسمانی کا اقتضا تھا لیکن یہ ضعفِ جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا، اس کا جواب حضرت عائشہؓ کی زبان سے سننا چاہیے جن سے بڑھ کر آپؐ کے اعمالِ زندگی کا کوئی ترجمان نہیں ہوسکتا:

عن عبداللّٰہ بن شقیق قال سالت ...... عائشة أفکان یصلی قاعدا قالت حین حطمه الناس. (۱)	عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، انھوں نے کہا ہاں لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپؐ کو چور چور کر دیا تھا۔

امیر العسکری: چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا کے امیر الجیش اگر چہ اکابر صحابہ ہوتے تھے لیکن جو بڑے معرکے پیش آتے تھے، ان کی قیادت خود آپؐ بہ نفس نفیس فرماتے تھے، چنانچہ بدر، احد، خیبر، فتح مکہ، تبوک میں خود آپؐ ہی امیر العسکر تھے، اس کا مقصد صرف فوج کا لڑانا اور آخری فتح وظفر حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا، چنانچہ آپؐ نے مجاہدینِ اسلام کی جن جزئی سے جزئی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی ہے، وہ احادیث میں بہ تصریح مذکور ہیں اور اسلام کا قانونِ جنگ اسی دار و گیر کے ذریعہ سے وجود میں آیا ہے۔

افتاء: آپؐ کے عہد مبارک میں اگر چہ متعدد صحابی بھی بطور خود فتویٰ دیتے تھے لیکن زیادہ تر آپؐ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے، فتویٰ دینے کے لیے آپؐ نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا تھا، بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، غرض جس وقت لوگ آپؐ سے احکامِ اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے، آپؐ ان کا جواب دیتے تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں ان فتاویٰ کو اس قسم کے متعدد ابواب میں تقسیم کر دیا ہے، خلافت کا یہی فرض تھا، جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل صیغہ قائم کر دیا۔

فصلِ قضایا: اگر چہ آپؐ کے عہد مبارک میں عہدۂ قضاءت قائم ہو چکا تھا اور حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو آپؐ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا، تاہم مدینہ اور اس کے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپؐ خود فیصلہ کرتے تھے، اس کے لیے کسی قسم کی روک ٹوک اور

---

(۱) ابوداؤ کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ القاعد ج ۱ ص ۹۶، ص ۱۳۷ مطبوعہ کلکتہ۔

پابندی نہ تھی، امام بخاریؒ نے ایک خاص باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے:

باب ماذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن لہ بوّاب. (۱) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دربان نہ تھا۔

اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپؐ اطمینان وسکون کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تھے، عورتوں کے معاملات عموماً زنان خانہ ہی میں پیش ہوتے تھے، احادیث کی کتابوں میں آپؐ کے فیصلوں کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، عموماً احادیث کی کتاب البیوع میں دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ میں فوج داری کے مقدمات مذکور ہیں۔

توقیعات وفرامین: یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہد مبارک میں اگر چہ اور صیغوں کا کوئی مستقل دفتر نہیں قائم ہوا تھا، تاہم توقیعات وفرامین کے لیے اس کی ابتدائی شکل قائم ہو چکی تھی، چنانچہ اس خدمت پر حضرت زیدؓ بن ثابت اور آخر میں معاویہؓ مامور ہوئے، ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہؓ بھی وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دیتے تھے، آپؐ نے سلاطین وملوک کو دعوتِ اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے، غیر قوموں کے ساتھ جو معاہدے کیے، مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے، عمال ومحصلین کو جو تحریری فرامین عنایت کیے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا، بعض صحابہؓ کو جو حدیثیں لکھوائیں، وہ سب اسی سلسلہ میں داخل ہیں، زرقانی وغیرہ نے آپؐ کے احکام وفرامین تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ (۲)

مہمان داری: منصبِ نبوت کے بعد آپؐ کی ذاتی حیثیت تقریباً فنا ہو گئی تھی، اس لیے آپؐ کی خدمت میں جو لوگ حاضر ہوتے تھے ان کا تعلق بھی خلافتِ الٰہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا اور آپؐ اسی حیثیت سے ان کی مہمان داری فرماتے تھے، مہمانوں کی زیادہ تر تعداد قبول اسلام کے لیے آتی تھی، جن کی مہمانداری کے لیے آپؐ نے ابتدائے نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بلالؓ کو مامور فرما دیا تھا، چنانچہ جب کوئی تنگ دست مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپؐ اس کو برہنہ تن دیکھتے تو حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور قرض لے کر اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرتے، جب آپؐ کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا، تو اس کے ذریعہ سے وہ قرض ادا کیا جاتا، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص آپؐ کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ میں صرف کیا جاتا (۳) کبھی کبھی

---

(۱) بخاری کتاب الاحکام ج ۲ ص ۱۰۵۹ (۲) الفصل السادس فی امرء تہ ورسلہ وکتابہ وکتبہ الخ جلد ۳ ص ۳۵۶ (۳) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین ج ۲ ص ۲۸ (وص ۲۳۳ مطبوعہ کلکتہ وص ۳۱ مطبع کستلیہ مصر)

اس غرض کے لیے آپؐ تمام صحابہؓ کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دیتے، اور جو رقم وصول ہوتی، وہ ان مفلوک الحال مہاجرین کی اعانت میں صرف ہوتی، چنانچہ ایک بار مہاجرین کی ایک برہنہ پا وسر جماعت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی، ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے میں ایک تلوار حمائل تھی، آپؐ نے ان کی پریشان حالی دیکھی، دیکھا تو چہرہ کا رنگ بدل گیا فوراً حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ میں تمام صحابہؓ کو ان لوگوں کی اعانت کی ترغیب دی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک انصاری اٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ ان سے بہ مشکل اٹھ سکتا تھا، لاکر آپؐ کے آگے ڈال دیا، اس سے تمام لوگوں میں اور بھی جوش پیدا ہوا اور تھوڑی دیر میں ان بے سروسامان مہاجرین کے آگے غلہ اور کپڑے کا ڈھیر لگ گیا۔ (۱)

فتح مکہ کے بعد تمام اطراف ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی وفود آنے لگے، آپؐ بہ نفس نفیس ان کی خاطر مدارات کرتے تھے اور ان کے لیے حسبِ حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے، قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا، آپؐ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وفات کے وقت آپؐ نے جو آخری وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں ایک یہ بھی تھا:

اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اجیزھم (۲) — جس طرح میں وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسی طرح دیا کرنا۔

وفود کے حالات آگے آتے ہیں۔

عیادتِ مرضیٰ: مریضوں کی عیادت اور ان کی تجہیز وتکفین میں بھی شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اس کی ابتدا بھی ہوئی، چنانچہ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو یہ عام دستور ہوگیا کہ دمِ نزع میت کے اعزہ آپؐ کو اطلاع دیتے، آپؐ ان کے پاس آکر ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے (۳) لیکن بعض حیثیتوں سے اس کا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہو گیا تھا، کیوں کہ بعض صحابہؓ اس حالت میں اپنی جائداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے، آنحضرت ﷺ اس موقع پر ان کا صحیح طریقہ بتاتے تھے، جن لوگوں پر قرض آتا تھا آپؐ ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوتے تھے، اس لیے ان کے ورثہ یا دوسرے صحابہؓ کو مجبوراً یہ قرض ادا کرنا پڑتا تھا اور اس طرح

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۵۸ (۲) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، جلد اول ص ۴۴۹ (۳) مسند ج ۳ صفحہ ۶۶۔

بعض معاملات ونزاعات کا فیصلہ ہو جاتا تھا، چنانچہ احادیث میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

احتساب: تمدنِ اسلام کے دورِ ترقی میں محکمۂ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق وعادات، بیع وشراء اور معاملات داد وستد کی نگرانی کرتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہ محکمہ قائم نہیں ہوا تھا، بلکہ خود ہی آپؐ اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کے جزئیاتِ اخلاق اور فرائض مذہبی کے متعلق آپؐ وقتاً فوقتاً دارو گیر فرماتے رہتے تھے، تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے، عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابلِ اصلاح تھی اور مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی آپؐ نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا لیکن تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغۂ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے ان پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے، ان کو سزائیں دلاتے تھے، صحیح بخاری کتاب البیوع میں ہے:

لقد رأیت الناس فی عهد النبی ﷺ یبتاعون جزافاً یعنی الطعام یضربون ان یبیعوه فی مکانهم حتی یؤدوه الیٰ رحالهم. (۱)	حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے، ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں نقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالیں، جہاں اس کو خریدا تھا۔

کبھی کبھی تحقیقِ حال کے لیے آپؐ خود بازار تشریف لے جاتے، ایک بار آپؐ بازار میں گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا، اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی، دکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے، ارشاد ہوا کہ ”پھر اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا تا کہ ہر شخص کو نظر آئے، جو لوگ فریب دیتے ہیں، وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔“ (۲)

فرائضِ احتساب میں آپؐ کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا یعنی جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپؐ اس غرض سے ان کا جائزہ لیتے تھے کہ انھوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے، چنانچہ ایک بار آپؐ نے ابن اللتیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپؐ نے ان کا جائزہ لیا، تو انھوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیتاً ملا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ”گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا۔“

(۱) باب من رأی اذا اشتریٰ طعاما جزافا الخ ج ۱ ص ۲۸۷ (۲) صحیح مسلم کتاب الایمان باب قول من غشنا فلیس منا ج ۱ ص ۵۳۔

اس کے بعد آپؐ نے ایک عام خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔(۱)

اصلاح بین الناس: اسلام تمام دنیا کے تفرقوں کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لیے آیا تھا، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا اور جب آپؐ کو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی تو آپؐ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، آپؐ کو معلوم ہوا تو چند صحابہؓ کے ساتھ ان میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے، آپؐ کو اس معاملہ میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آ گیا، حضرت بلالؓ نے اذان دی لیکن اذان کے بعد بھی آپؐ تشریف نہیں لائے، تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو امام بنا کر نماز شروع کر دی، آپؐ اسی حالت میں تشریف لائے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جا کھڑے ہوئے، حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز میں اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے لیکن جب لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانی شروع کیں، تو انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہیں، آپؐ نے اگرچہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہیں لیکن آپؐ کی موجودگی میں انھوں نے امامت کرنا سوئے ادب خیال کیا، اس لیے پیچھے ہٹ آئے اور آنحضرت ﷺ آگے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔(۲)

ایک بار اہل قبا کے درمیان نزاع قائم ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے باہم سنگ اندازی کی، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ صحابہؓ کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے(۳) (یہ دونوں واقعات گو امام بخاریؒ نے الگ لکھے ہیں لیکن شراح حدیث کی تحقیق میں یہ ایک ہی واقعہ کے دو حصے ہیں) بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کہ آپؐ اتنی دور پیدل گئے تھے۔

ابن ابی حدرد پر حضرت کعبؓ بن مالک کا کچھ قرض تھا، انھوں نے مسجد میں تقاضا کیا، حدرد قرض کا ایک حصہ معاف کرانا چاہتے تھے لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے، بات زیادہ بڑھی اور شور وغل ہوا تو آپؐ گھر کے اندر سے نکل آئے اور کعبؓ کو پکارا کعبؓ نے لبیک کہا تو آپؐ نے

---

(۱) بخاری کتاب الاحکام باب محاسبۃ الامام عمالہ ج۲ص ۱۰۶۸ (۲) بخاری کتاب الصلح باب ماجاء فی اصلاح بین الناس ج۱ص ۳۷۰ (۳) بخاری کتاب الصلح باب قول الامام لاصحابہ اذھبوا بنا نصلح ج۱ص ۳۷۱۔

فرمایا کہ ''نصف معاف کردو'' وہ راضی ہوگئے تو آپؐ نے حدرد سے کہا کہ ''جاؤ اور بقیہ حصہ ادا کردو۔''

اس قسم کے سیکڑوں جزئی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔

مدینہ میں اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لیے اکابر صحابہؓ اور اربابِ استعداد کو مختلف عہدوں پر نصب فرمایا، کتابت وحی، نامہ و پیام، اجرائے احکام وفرامین کے لیے سب سے پہلی ضرورت عہدۂ انشاء اور کتابت کی تھی، اسلام سے پہلے عرب میں عام طور پر لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا لیکن اسلام عرب کے لیے رحمتوں کا جو خزانہ لایا تھا، اس میں ایک یہ شے بھی تھی۔

اسیرانِ بدر میں نادار لوگوں کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں (۱) حضرت زید بن ثابتؓ نے جن کے متعلق کتابتِ وحی کی مقدس خدمت تھی، اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی، ابوداؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحابِ صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی (۲) اس کا ایک جز کتابت کی تعلیم بھی تھی۔

کُتّاب: عہدۂ انشاء گویا آنحضرت ﷺ کی ایک حیثیت سے نیابت تھی، اس لیے مختلف اوقات میں بڑے بڑے صحابہؓ اس خدمت پر مامور کیے گئے، جن میں شرحبیل بن حسنہؓ کندی سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے، یہ نہایت قدیم الاسلام تھے، مکہ میں ان ہی نے سب سے پہلے کتابتِ وحی کا فرض انجام دیا، قریش میں سب سے پہلے کاتب عبداللہ بن ابی سرحؓ تھے، مدینہ میں اس کی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعبؓ کو حاصل ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بنؓ ارقم، حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس، حضرت حنظلہؓ بن الربیع الاسدی، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت خالدؓ بن سعیدؓ بن العاص، حضرت علاءؓ بن حضرمی، حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان، حضرت زیدؓ بن ثابت مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔

اگرچہ تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی، چنانچہ صلح نامہ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، امراء اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامرؓ بن فہیرہ لکھتے تھے اور

---

(۱) مسند امام احمد ج اص ۲۴۶ (۲) اس کا ذکر مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۷ میں بھی ہے۔

امرائے عمان کے نام آپؐ نے جو مکتوب بھیجا تھا، وہ حضرت ابی بن کعبؓ کا لکھا تھا، قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہِ نبوت سے بھیجا گیا تھا، وہ حضرت ثابت بن قیسؓ نے لکھا تھا لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق تھی اور صحابہؓ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے۔(۱)

حضرت زید بن ثابتؓ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ان تمام بزرگوں پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا کہ عبرانی زبان سیکھی، جس کی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا جن کی مذہبی زبان عبرانی تھی، اس بنا پر آپؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور انھوں نے پندرہ دن میں اس میں مہارت حاصل کر لی۔

حکام اور ولاۃ: فصلِ قضایا، اقامتِ عدل، بسطِ امن، رفعِ نزاع کے لیے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی، اس غرض سے آپؐ نے متعدد صحابہؓ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا، چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔(۲)

باذان بن ساسان	بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔
شہر بن باذانؓ	باذان بن ساسان کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا۔
خالد بن سعیدؓ بن العاص	شہر بن باذانؓ مارے گئے تو ان کے بعد آپ ﷺ نے ان کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا۔
مہاجر بن امیہ مخزومی	آپؐ نے ان کو کندہ و صدف کا والی مقرر فرمایا تھا، لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپؐ نے انتقال فرمایا۔
زیاد بن لبید الانصاریؓ	حضرموت کے والی تھے۔
ابوموسیٰ اشعریؓ	زبید، عدن، رمع وغیرہ کے والی تھے۔

(۱) ان بزرگوں کے نام اور تفصیلی حالات زرقانی ج ۳ ص ۳۷۲ میں مذکور ہیں (۲) دیکھئے زرقانی ج ۳ ص ۳۴۲ و مابعد۔

معاذ بن جبلؓ	والیِ جند
عمرو بن حزمؓ	والیِ نجران
یزید بن ابی سفیانؓ	والیِ تیماء
عتاب بن اسیدؓ	والیِ مکہ
علی بن ابی طالبؓ	متولی اخماسِ یمن
عمرو بن العاصؓ	والیِ عمان
علاء بن حضرمیؓ	والیِ بحرین

ان ولاۃ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیرِ اثر آئے، ان میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیرِ سایہ رہ چکا تھا، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس کو پانچ حصوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لیے علاحدہ علاحدہ گورنر مقرر فرمائے، خالد بن سعیدؓ کو صنعاء پر، مہاجر بن ابی امیہ کو کندہ پر، زیاد بن لبید کو حضر موت پر، معاذ ابن جبلؓ کو جند پر، ابو موسیٰ اشعریؓ کو زبید، رمع، عدن اور سواحل پر۔(۱)

عموماً جب کسی مہاجر کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے(۲) ملکی انتظام، فصلِ مقدمات اور تحصیلِ خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمال کا سب سے مقدم فرض اشاعتِ اسلام اور سنن وفرائض کی تعلیم تھی، اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، یہ لوگ حاکمِ ملک اور والیِ صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغِ دین اور معلمِ اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے، استیعاب تذکرۂ معاذ بن جبلؓ میں ہے:

وبعثه رسول الله ﷺ قاضيا الى الجند من اليمن يعلم الناس القرآن وشرائع الاسلام ويقضي بينهم وجعل اليه قبض الصدقات من العمال الذين باليمن. (۳)

آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں اور جو عمال یمن میں تھے ان کے صدقات کے جمع کرنے کی خدمت بھی ان کے متعلق کی۔

(۱) استیعاب تذکرۂ معاذ بن جبلؓ جزء اول ص ۲۴۶ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۱۸ھ (۲) مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۱۸۶

(۳) استیعاب ابن عبدالبر جزء اول ص ۲۴۶۔

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت ﷺ ان فرائض کی تعیین فرمادیتے تھے، معاذ بن جبلؓ کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی:

انک تاتی قوما اهل کتاب فادعهم الیٰ شهادة ان لااله الاالله وانی رسول الله فان هم اطاعوا لذٰلک فاعلمهم ان الله افترض علیهم خمس صلوٰت فی الیوم واللیلة فان هم اطاعوا لذٰلک فاعلمهم ان الله افترض علیهم صدقة اموالهم توخذ من اغنیائهم وترد علیٰ فقرائهم فان هم اطاعوا لذٰلک فایاک وکرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانها لیس بینها وبین الله حجاب. (۱)

تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو، پہلے ان کو کلمۂ توحید کی دعوت دو، اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، جو اُن کے امراء سے لے کر اُن کے غرباء پر تقسیم کردیا جائے گا، اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیوں کہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضرورت تبحر علمی، وسعتِ نظر اور اجتہاد کی تھی، اس بنا پر آپؐ ان لوگوں کے تبحر علمی اور طرزِ عمل کا امتحان لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت معاذؓ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرمالیا، ترمذی (۲) میں ہے:

قال رسول الله ﷺ لمعاذ بن جبل حین وجهه الیٰ الیمن بما تقضی قال بما فی کتاب الله قال فان لم تجد قال بمافی سنة رسول الله قال فان لم تجد قال اجتهد رائی فقال رسول الله ﷺ الحمدلله الذی وفق رسول رسولِ الله لما یحب رسول الله.

رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کروگے، انھوں نے کہا قرآن مجید سے، آپؐ نے فرمایا اگر اس میں وہ فیصلہ تم کو نہ ملے، انھوں نے کہا احادیث سے، پھر آپؐ نے فرمایا اگر احادیث میں بھی اس کے متعلق ہدایت نہ ملے تو انھوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اس پر آپؐ نے فرمایا اس خدا کا شکر ہے، جس نے رسول کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو خود اس کا رسول محبوب رکھتا ہے۔

لیکن اہل عرب کے دلوں کو مسخر کرنے کے لیے ان تمام چیزوں سے زیادہ رفق وملاطفت، نرمی اور خوش خوئی کی ضرورت تھی، جن کی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہوجاتی ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ گورنروں کو بار بار اس کی طرف متوجہ

---

(۱) جامع ترمذی، کتاب الزکوۃ باب ماجاء فی کراهیة اخذ خیار المال فی الصدقة ص ۱۱۱ و ج اول ص ۱۳۶ مطبوعہ دیوبند (۲) یہ حدیث ترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی ص ۲۲۶ و ج اول ص ۲۴۷ مطبوعہ دیوبند میں موجود ہے مگر الفاظ کسی قدر مختلف ہیں، ابوداؤد کتاب القضاء باب اجتهاد الرای فی القضاء ج ۲ ص ۵۰۵، اور مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۲ میں بھی الفاظ کے فرق کے ساتھ ملتی ہے۔

فرماتے رہتے تھے، چنانچہ جب معاذ بن جبلؓ کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونوں کو عام طور سے وصیت فرمائی:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا. (۱)
آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا، لوگوں کو بشارت دینا اوران کو وحشت زدہ نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبلؓ جب رکاب میں پاؤں ڈال چکے تو ان سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے:

احسن خلقک للناس. (۲)
لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا۔

اگر یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحم دل کیوں نہ ہو لیکن ابتداء میں جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لاتی ہے تو سرکش لوگوں کو مطیع کرنے کے لیے اس کو مجبوراً سختیاں کرنی پڑتی ہیں، تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا لیکن آنحضرت ﷺ کی اسی مقدس تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ریگستانِ عرب کا ایک ذرّہ بھی ولاۃ کے مظالم کے سنگِ گراں سے نہ دبا یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جب صحابہ عمالِ حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت استعجاب ہوتا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی تلقینات کے ذریعہ سے ان کو روکتے تھے، چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ میں کھڑے کیے گئے ہیں، انھوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی، لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لیے ان لوگوں کے ساتھ یہ سختی کی جارہی ہے، انھوں نے یہ سن کر کہا:

اشهد لسمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله يعذب الذين يعذبون الناس فی الدنيا. (۳)
میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔

محصلین زکوٰۃ و جزیہ: عرب کا خلوص اور جوش ایمان اگرچہ خود ان کو صدقہ و زکوٰۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کردیتا تھا، چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپ ؐ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا لیکن ایک وسیع ملک اور ایک

(۱) مسلم ج ۲ ص ۶۳ کتاب الایمان (۲) ابن سعد تذکرہ معاذ بن جبلؓ جزء ثالث قسم ثانی ص ۱۲۱ (۳) صحیح مسلم کتاب الصبر والصلة والآداب، باب الوعيد الشديد لمن عذب الناس بغير حق ج ۲ ص ۳۹۸۔

وسیع حکومت کے لیے یہ طریقہ کافی نہ تھا، اس لیے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم ۹ ہجری کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ وزکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کر کے آپ ؐ کی خدمتِ مبارک میں پیش کرتے تھے، عموماً خود رؤسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہر حال آپ ؐ نے اس فرض کی انجام دہی کے لیے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہروں میں متعین فرمایا: (۱)

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بن حاتم	طے وبنی اسد	ابوجہم بن حذیفہ	بنولیث
صفوان بن صفوان (۲)	بنی عمرو	ایک ہذیمی	بنوہذیم
مالک بن نویرہ	بنوحنظلہ	عمر فاروق ؓ	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی	غفار واسلم	عبیدہ بن جراح ؓ	شہر نجران
عباد بن بشر الاشہلی	سلیم ومزینہ	عبداللہ بن رواحہ ؓ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جہنی	جہینہ	زیاد بن لبید	حضر موت
زبرقان بن بدر	بنوسعد	ابوموسیٰ اشعری ؓ	صوبہ یمن
قیس بن عاصم	بنوسعد	خالد ؓ	صوبہ یمن
عمرو بن عاص	بنوفزارہ	ابان بن سعید ؓ	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابی	بنوکلاب	عمرو بن سعید بن العاص	تیماء
بسر بن سفیان کعبی	بنوکعب	محمیہ بن جزر الزبیدی (۳)	تحصیل خمس
عبداللہ بن اللتیہ	بنوذبیان	عیینہ بن حصن فزاری	بنوتمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپ ؐ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے:

(۱) اس فہرست کے اکثر نام ابن سعد جزء ثانی قسم اول ذکر مغازی ص ۱۱۵ میں مذکور ہیں، عمر فاروق ؓ، محمیہ ؓ اور عبیدہ بن جراح ؓ کا ذکر بخاری کتاب الصدقات اور بعض کا ابوداؤد کتاب الخراج میں ہے، بقیہ کے لیے زاد المعاد ذکر مصدقین وامرائے نبوی (ج اول ص ۶۲، ۶۴ مطبوعہ مصر) اور فتوح البلدان بلاذری دیکھو (۲) اصابہ باب صفوان (۳) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ترک استعمال آل النبی علیٰ الصدقۃ (ج اول ص ۳۹۹) یہ غزوۂ بنی مصطلق میں مال غنیمت کی تحصیل پر مامور کیے گئے تھے (طبقات ابن سعد جزء رابع قسم اول ص ۱۴۶)

۱- ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا، جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے، چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی، عام حکم تھا کہ ایاک و کرائم اموالھم یہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سر مو تجاوز جائز نہیں رکھتے تھے، بعض لوگوں نے بہ خوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا، سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کا محصل آیا، میں جا کر اس کے پاس بیٹھا تو اس نے پہلے جانوروں کے ان اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان میں اجازت نہ تھی، چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور اس کی خدمت میں پیش کیا لیکن اس نے انکار کر دیا (۱) اسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اس نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (۲)

۲- عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے تک محدود تھی، جو جنگلوں میں، بیابانوں میں، پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے، لیکن بجائے اس کے کہ دنیوی حکومتوں کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لا کر محصلین کے سامنے پیش کرتے تھے، محصلوں کو خود ان دروں میں جا کر زکوٰۃ وصول کرنا پڑتا تھا، ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں، یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے کے لیے آئے ہیں، میں نے ایک بچہ والی شیر دار بکری پیش کی لیکن انھوں نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کا حکم نہیں، میں نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انھوں نے اس کو اپنے اونٹ پر لاد لیا اور چلتے ہوئے۔ (۳)

۳- اگرچہ صحابہ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال لینے سے خود احتراز کرتے تھے، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں تو انھوں نے ان کو رشوت دینی چاہی لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا

---

(۱) نسائی کتاب الزکوٰۃ باب الجمع بین المتفرق ص ۳۹۰ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ ہجری وج اول ص ۲۶۴ مطبوعہ دیوبند (۲) ایضاً باب اعطاء السید المال ص ۳۹۳ وج اول ص ۲۶۵ مطبوعہ دیوبند۔ (۳) ایضاً۔

چاہتے (۱) ہو" لیکن بایں ہمہ زہد وتقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ ﷺ خود ان کا محاسبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار آپؐ نے ابن اللتیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا، جب وہ واپس آئے اور آپؐ نے ان کا محاسبہ کیا تو انھوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیۃً ملا ہے، یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا، اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ (۲)

۴- چوں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے خاندان پر صدقہ وزکوٰۃ کا مال حرام کر دیا تھا، اس لیے خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا، ایک بار عبدالمطلب بن زمعہ بن حارث اور فضل بن عباس نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے، آپؐ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہمارا سن نکاح کے قابل ہو گیا ہے، تمام لوگوں کی طرح ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے تا کہ اس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کے لیے سرمایہ مہیا کریں لیکن آپؐ نے فرمایا کہ صدقہ آلِ محمد کے لیے جائز نہیں ہے، وہ لوگوں کا میل ہے۔ (۳)

۵- عمال کا انتخاب خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے خود پیش کرتے تھے، ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی، چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ دو شخص آئے اور عامل بننے کی درخواست کی، آپؐ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم کیا کہتے ہو" انھوں نے کہا کہ مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہیں، آپؐ نے ان دونوں کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا کہ جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم ان کو عامل مقرر نہیں کرتے لیکن اسی وقت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ (۴)

۶- عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا، آپؐ نے عام منادی فرما دی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا، وہ خیانتِ مالی ہے، مقدارِ ضرورت کی تصریح خود آپؐ نے فرما دی تھی۔ (۵)

---

(۱) فتوح البلدان ص ۳۱ (۲) صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب تحریم ھدایا العمال ج ۲ ص ۱۱۳ (۳) صحاح کتاب الصدقات، دیکھیے صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ترک استعمال آل النبیؐ علیٰ الصدقۃ ج ۱ ص ۳۹۹ (۴) صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب النھی عن طلب الامارۃ الخ ج ۲ ص ۱۰۹ (۵) ابوداؤد کتاب الخراج والفئی والامارۃ باب فی ارزاق العمال ج ۲ ص ۵۳، ۴۰۹ (مطبوعہ کلکتہ) میں دونوں حدیثیں ہیں۔

من كان لنا عاملا فليكتسب زوجة فان لم يكن له	جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیے، اگر
خادم فليكتسب خادما فان لم يكن له مسكن	اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو گھر کا، لیکن
فليكتسب مسكنا ومن اتخذ غير ذلك فهو غال.	اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔

آپؐ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملا تھا چنانچہ ان کے عہدِ خلافت میں جب صحابہؓ نے زہد وتقدس کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انھوں نے آنحضرت ﷺ کے اسی طرزِ عمل سے استدلال کیا۔

قضات: ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے، مثلاً فصل مقدمات کا کام اگر چہ زیادہ تر آپؐ خود انجام دیتے تھے لیکن کبھی کبھی آپؐ کے حکم سے حسب ذیل صحابہؓ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ۔

پولیس: اگر چہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا اور اس کی ابتداء بنوامیہ کی سلطنت میں ہوئی (۱) تاہم آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں بھی اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہو چکا تھا، چنانچہ آپؐ کے عہدِ مبارک میں قیس بن سعدؓ اس خدمت کو انجام دیتے تھے، اور اس غرض سے ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے (۲)

جلاد: مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ، مقداد بن الاسودؓ، محمدؓ بن مسلمہ، عاصمؓ بن ثابت، ضحاکؓ بن سفیان کلابی کے سپرد تھی۔ (۳)

غیر قوموں سے معاہدہ: عرب میں اب کفر وشرک کا بالکل وجود نہ تھا کہیں کہیں صرف مجوس، نصاریٰ اور یہود کی آبادیاں تھیں، ان میں سے معتدبہ افراد نے گو نورِ ایمان سے قلوب کو روشن کر لیا تھا لیکن مجموعی حیثیت سے وہ اب تک تاریکی میں تھے، تاہم خلافتِ الٰہی کی ہمہ گیر قوت سے وہ سرتابی نہ کر سکے، حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام قوموں نے بہ خوشی اسلام کی اطاعت قبول کی، اس لیے اسلام نے بھی ان کی جان ومال، عزت وآبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری

(۱) فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۱۰ (۲) بخاری كتاب الاحكام باب الحاكم يحكم بالقتل ج ۲ ص ۱۰۵۹ (۳) زاد المعاد ابن قیم ج ۱ ص ۳۲، مطبوعہ مصر۔

اپنے سر لے لی اور اس کے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع، عاقل، بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی، اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت میں ادا ہونا ضروری نہ تھا بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی، یا جو چیز بنتی تھی، وہی چیز جزیہ قرار پائی۔(۱)

غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ۷ھ ہجری میں خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیماء کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی، اس وقت تک آیتِ جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا، اس بنا پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے، وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے، (۲) اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود لیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔(۳)

۹ھ ہجری میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی، اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے، نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آ کر مصالحت کی درخواست کی جس کو آپ ؐ نے منظور فرمایا، شرائط صلح یہ تھے کہ ''وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو قسطوں میں یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رجب میں ادا کریں گے، اگر یمن میں کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریتاً تیس زر ہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دیں گے اور مسلمان ان کی واپسی کے ضامن ہوں گے، اس کے معاوضہ میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے، نہ ان کے گرجے ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے پادری نکالے جائیں گے، نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا۔'' (۴)

حدود شام میں بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤں میں آباد تھے، رجب ۹ھ ہجری میں غزوۂ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل، ایلہ، مقناء، جرباء، اذرح، تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمین دار اسلام نہیں لائے، بلکہ جزیہ دینا قبول کیا، ان میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا اور مسلمان جب ادھر سے گذریں تو ان کی ضیافت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی۔(۵)

---

(۱) زاد المعاد ابن قیم ج ا فصل جزیہ ص ۳۳۷ (۲) زاد المعاد ابن قیم ج ا ص ۳۳۸ (۳) بخاری کتاب المغازی باب معاملۃ النبی ﷺ اہل خیبر ج ۲ ص ۶۱۰ و مسلم کتاب البیوع باب المساقات و المعاملۃ الخ ج ا ص ۶۱۸ و ابوداؤد کتاب الخراج و الامارۃ باب فی حکم ارض خیبر ج ۲ ص ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵ (مطبوعہ کلکتہ) و فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک ص ۳۶ و وادی القریٰ و تیماء (۴) ابوداؤد کتاب الخراج باب فی اخذ الجزیۃ ج ۲ ص ۲۶ (۵) فتوح البلدان بلاذری ذکر تبوک و ایلہ الخ ص ۶۶۔

یمن کے جن یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا، ان پر بھی جزیہ کی یہی مقدار مقرر کی گئی، ان کو ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کر سکیں تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کریں (۱) بحرین کے مجوسیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔ (۲)

اصنافِ محاصل ومخارج: مختلف اغراض ومصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے، غنیمت، فیٔ، زکوٰۃ، جزیہ، خراج، اول ودوم کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔

غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا، عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیسِ فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا، جس کو اصطلاح میں مرباع کہتے تھے اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا، لے لیتا تھا، تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا، غزوۂ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا، جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح واغراض کے لیے مخصوص فرمایا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ. (انفال ۸: ۱)	اے پیغمبر لوگ تجھ سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیوں کی شخصی ملکیت نہیں ہے، بلکہ مصالح کی بنا پر صاحبِ خلافت جس طرح مناسب سمجھے، اس کو صرف کر سکتا ہے، اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ. (انفال ۸: ۴۱)	مسلمانو! جان لو تم کو جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے، اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول، اہلِ قرابت اور یتیموں اور مسکینوں کا ہے۔

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جن میں آنحضرت ﷺ نے مالِ غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلموں کو عنایت فرمایا، ہمیشہ آپؐ کا یہ طرزِ عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حبہ سپاہیوں پر برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سواروں کو تین حصے اور پیادہ کو ایک حصہ، بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے (۳) خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا، آیتِ بالا میں جن اربابِ استحقاق کا ذکر ہے، زیادہ تر انھیں پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

---

(۱) ابوداؤد باب اخذ الجزیۃ ج ۲ ص ۲۶، ۴۳۰ (مطبوعہ کلکتہ) (۲) ابوداؤد باب اخذ الجزیۃ من المجوس ج ۲ ص ۲۶، ۴۳۱ (مطبوعہ کلکتہ) وتاریخ بلاذری ذکر بحرین ص ۸۶ (۳) ابوداؤد کتاب الخراج باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، بروایت ابویعقوب بن مجمع ج ۲ ص ۴۴ (ص ۴۲۶ مطبوعہ کلکتہ)

زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ چار مدوں سے وصول ہوتی تھی، نقد روپیہ، پھل، اور پیداوار، مویشی (بجز گھوڑا) اسبابِ تجارت (۱) دوسو درہم چاندی، بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی، پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی، اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی مقدار پانچ وسق (۳۰۰ صاع بہ تحقیق امام ترمذی) (۲) یا پانچ وسق سے زیادہ ہو۔

سونا اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا، مویشیوں کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا جو حدیث وفقہ کی تمام کتابوں میں مفصل مذکور ہے، اراضی کی دو قسمیں کی گئیں، ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے، (۳) اس قسم کی اراضی کی پیداوار میں دسواں حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا اور جس کو آب پاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تھا (۴) سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی۔ (۵)

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے، جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کردی تھی، فقرا، مساکین، نومسلم، غلام جن کو خرید کر آزاد کرانا ہے، مقروض، مسافر، محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ، دیگر کارِ خیر، عموماً جہاں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی، وہیں کے مستحقین پر صرف کردی جاتی تھی، صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہوگئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام میں بھیجا، جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا، انھوں نے جواب میں کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے، وہی ہم نے کیا (۶) معاذؓ بن جبل جب عامل بنا کر بھیجے گئے تو زکوٰۃ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا وصدقة توخذ من اغنیائهم وترد علیٰ فقرائهم (۷)

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا، اس کی مقدار متعین نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھیں، ایلہ کے جزیہ کی مقدار ۳۰۰ دینار تھی،

---

(۱) ابوداؤد کتاب الزکوة باب العروض اذا کانت للتجارة ج ۱ ص ۱۵۵ وص ۲۱۸ (مطبوعہ کلکتہ) (۲) ترمذی کتاب الزکوٰۃ باب ماجاء فی صدقة الزرع والثمر والحبوب ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ دیوبند (۳) صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب العشر ج ۱ ص ۲۰۱ (۴) ترمذی کتاب الزکوٰۃ باب ماجاء فی الصدقة فیما یسقی بالانهار الخ ج ۱ ص ۱۳۹ مطبوعہ دیوبند (۵) ایضاً باب ماجاء فی زکوة الخضراوات ج ۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ دیوبند (۶) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الزکوة تحمل من بلد الیٰ بلد ج ۱ ص ۱۶۳ (وص ۲۲۹ مطبوعہ کلکتہ) (۷) صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۷۔

اذرج کی سو دینار تھی، عہدِ نبویؐ میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی۔

خراج غیر مسلم کاشت کاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہوگیا ہو، اس کا نام خراج ہے، خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا، پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا وقت جب آتا تھا، آنحضرت ﷺ کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے، وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے، رفعِ اشتباہ کے لیے تخمینہ میں سے ثلث کم کردیا جاتا تھا (۱) بقیہ پر حسبِ شرائط خراج وصول کیا جاتا تھا، خیبر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔

جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی، تمام صحابہ ضرورت کے وقت والنظیر سپاہی تھے جو کچھ وصول ہوکر آتا، آنحضرت ﷺ سب کو اسی وقت تقسیم فرمادیتے، اول آپؐ ان لوگوں کو عطا فرماتے تھے، جو پہلے غلام رہ چکے تھے، ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھے ہوتے تھے، اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے، جو لوگ صاحبِ اہل وعیال ہوتے تھے، ان کے دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔ (۲)

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی: ملک عرب کا اکثر حصہ ریگستانی، پتھریلا، شور اور بنجر تھا، جو سرسبز قطعات تھے، ان پر بیرونی قومیں قابض تھیں، بقیہ افتادہ زمینیں تھیں، مدینہ اور طائف میں البتہ کاشت کاری ہوتی تھی، بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے، عربوں کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے، اس بنا پر قیام امن کے لیے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے، حجاز، یمن میں غیر قوموں کے انخلاء کے سبب سے یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہوگئی تھیں، جن کا انتظام ضروری تھا۔

آنحضرت ﷺ نے عام طور پر صحابہؓ کو اس کی ترغیب دی:

من احیا ارضا میتة فھی لہ، من احاط	جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کیا وہ اس کی ملک ہے،
حائطا علی ارض فھی لہ. (۳)	جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔

ترغیب عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے، بنونضیر اور قریظہ کے نخلستان اور

(۱) ابوداؤد بحوالہ مذکورہ باب فی الخرص ج ا ص ۱۶۱ و ص ۲۲۶ (مطبوعہ کلکتہ) (۲) ابوداؤد کتاب الخراج باب فی قسم الفیٔ ج ۲ ص ۱۵ او (ص ۱۰ ۴۱ مطبوعہ کلکتہ) (۳) ایضاً باب فی احیاء الموات ص ۳۰ (وص ۴۳۷ و ۴۳۸ مطبوعہ کلکتہ)

کھیت خاص بارگاہِ نبوت کی ملک قرار پائے اور آپؐ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرمادیا (۱) خیبر کی زمین کچھ خالصہ رہی اور بقیہ ان مہاجرین وانصار میں تقسیم فرمادی جو حدیبیہ میں شریک تھے، لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست رہا، پیداوار کا نصف حصہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے اور جو زمینیں آباد تھیں، ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ میں رہنے دیا (۲) چنانچہ عک، ذوخیوان اور ایلہ، اذرح، نجران وغیرہ میں اسی طرح معاملات طے پائے، افتادہ زمینیں بھی صحابہ کو بہ طور جاگیر عطا فرمادیں، حضرت وائلؓ کو حضرموت میں ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا، بلالؓ بن حارث مزنی کو قابلِ زراعت زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اور کانیں مرحمت فرمائیں (۳) حضرت زبیرؓ کو مدینہ کے پاس اور حضرت عمرؓ کو خیبر میں جاگیریں عطا کیں، بنو رفاعہ کو دومۃ الجندل کے پاس زمین عنایت کی۔

یہ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کرسکتا تھا، ایک بار آپؐ نے حضرتِ زبیرؓ کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جاگیر میں داخل ہوگی، چنانچہ انھوں نے گھوڑا دوڑایا، جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کر رک گیا، تو انھوں نے اپنا کوڑا پھینکا اور وہ جس نقطے پر گرا، وہی ان کی جاگیر کا رقبہ قرار پایا (۴) عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت چشمہ ہائے آب کی تھی، چنانچہ ایک بار جب آپؐ نے حکم دیا ''من سبق الیٰ ماء لم یسبقه الیه مسلم فهو له '' یعنی ''جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرلے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اس کا ہے'' تو تمام لوگوں نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشموں کے حدود مقرر کرلیے۔ (۵)

اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگوں نے دور دور سے آکر آنحضرت ﷺ سے جاگیروں کی درخواست کرنا شروع کی، ابیض بن جمال یمن سے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جس کو آپؐ نے منظور فرمالیا لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپؐ

---

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج باب فی صفایا رسول اللہ (ج ۲ از ص ۱۱ ۴ تا ۱۶ ۴ مطبوعہ کلکتہ) (۲) ابوداؤد ج ۲ کتاب الخراج باب ماجاء فی حکم ارض خیبر ص ۲۳ (۴۲۵ مطبوعہ کلکتہ) (۳) ابوداؤد ج ۲ کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین ص ۲۸ و (ص ۴۳۴ و ۴۳۵ مطبوعہ کلکتہ) (۴) ابوداؤد ج ۲ کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین ص ۳۰ و (ص ۴۳۷ مطبوعہ کلکتہ) (۵) ایضاً۔

نے ان کو جو کچھ جاگیر میں عطا فرمایا ہے، وہ پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے، چوں کہ وہ ایک پبلک چیز تھی اس بنا پر آپؐ نے اس کو واپس لے لیا (۱)

یہ تمام فیاضیاں صرف انھیں چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں، جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہیں ہوسکتا تھا لیکن جو چیزیں رفاہ عام کے کام میں آسکتی تھیں ان کو آپؐ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا، عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہیں متعین کر لیتے تھے، جن کو حمیٰ کہتے تھے، عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی لیکن ابیض بن جمال نے جب اس کو اپنے حمیٰ میں داخل کرنا چاہا تو آپؐ نے منع فرمایا **لا حمی فی الاراک۔** (۲)

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لیے رؤسا اور ارباب اقتدار اپنے لیے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے، چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی، اس لیے اس طریقہ کو بھی روک دیا۔ (۳)

اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے، جس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ تھا اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے، حریث بن حسان نے بکر بن وائل کے لیے اس زمین کی درخواست کی، آپ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا، اتفاق سے اس وقت ایک تمیمیہ موجود تھی، آپؐ نے اس کی طرف دیکھا، اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتیں اور بچے بھی رہتے ہیں، آپؐ نے فرمایا "بیچاری سچ کہتی ہے، فرمان نہ لکھو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہوسکتا ہے۔" (۴)

☆

---

(۱) ابوداؤد ج ۲ کتاب الخراج باب فی اقطاع الارضین ص ۲۸ و (ص ۴۳۵ و ۴۳۶ مطبوعہ کلکتہ) (۲) ایضاً ص ۲۹ (ص ۴۳۶ مطبوعہ کلکتہ) (۳) ایضاً (۴) ایضاً ص ۲۸ (ج ۲ ص ۴۳۷ مطبوعہ کلکتہ)

مذہبی انتظامات

(ملک میں امن وامان قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری انتظامات سرانجام پائے تھے، ان سے زیادہ ضروری مسلمانوں کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا، یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا، اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجا آوری کا حق حاصل نہیں ہوسکتا تھا، عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا، جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا، ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں، دنیا کی دوسری قوموں کا بھی یہی حال تھا لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں قائم کی، اس میں مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی، بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا، اس رتبہ کا مستحق ہوسکتا تھا۔)

دعات اور معلمین اسلام: ایک مشہور مغربی مؤرخ نے لکھا ہے کہ ”مدینہ میں آکر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بن گیا تھا اور اب اسلام کے معنی بجائے اس کے کہ خدا پر ایمان لایا جائے، یہ رہ گئے تھے کہ محمد ﷺ کی حکومت تسلیم کرلی جائے (۱)“ اسلام کا مقصود وہ تھا جو خدا نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ. (سورہ حج ۲۲:۴۱)

(وہ لوگ جن کو ہم زمین میں اگر طاقت دیں تو نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔)

اس بنا پر ہر مسلمان واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعی مذہب بھی اور ماہر شریعت بھی، یہی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب میں اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ شرفا میں لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا، یا ایک ایک گھر فقہ، حدیث اور تفسیر کا دارالعلم بن گیا، تاہم چوں کہ

(۱) دیکھو ولہوسن صاحب آرٹیکل اسلام پر (انسائیکلوپیڈیا)۔

ہر شخص کو تفقہ وتدریس کا کافی وقت نہیں مل سکتا تھا اس لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود رہیں جو تعلیم وارشاد کا فرض انجام دے سکیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں حکم آیا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (توبہ ٩: ١٢٢)	اور سب کے سب مسلمان تو سفر کر کے (مدینہ) نہیں آسکتے اس لیے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیے تا کہ وہ شریعت (دین) میں تفقہ حاصل کریں اور تا کہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں، شاید یہ لوگ بری باتوں سے بچیں۔

ان کی تعلیم وتربیت: چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر ونواہی سے واقف ہو، بلکہ شب وروز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے، جس کی گفتار، کردار، بات چیت، نشست وبرخاست، قول وعمل ایک ایک چیز تعلیم نبویؐ کے پرتو سے منور ہو جائے، تا کہ وہ تمام ملک کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے، اس لیے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپؐ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

كان ينطلق من كل حي من العرب عصابة فياتون النبي ﷺ فيسئلونهٔ عما يريدون من امر دينهم ويتفقهون في دينهم. (١)	عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کے پاس جاتا تھا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا اور دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔

داعیانِ اسلام جو اطراف عرب میں بھیجے جاتے تھے، ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ میں آجائیں اور یہیں بود وباش اختیار کریں اس کا نام ہجرت تھا، اس بنا پر بیعت کی دو قسمیں کر دی گئی تھیں، بیعت اعرابی اور بیعتِ ہجرت، بیعت اعرابی صرف ان بدوؤں کے لیے تھی جن کو کچھ دنوں مدینہ منورہ میں رکھ کر تعلیم دینا مقصود تھا، مشکل الآثار میں روایت ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ بیعتِ اعرابی کرتے ہو یا بیعتِ ہجرت، اس کے بعد مصنف لکھتا ہے:

ان البيعة من المهاجر توجب عليه الاقامة بدار الهجرة عند رسول الله ﷺ ليصرف	ہجرت کی بیعت کرنے سے لازم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس قیام کرے تا کہ آنحضرت ﷺ ان کو

(١) تفسیر خازن سورہ توبہ آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً، ج ٣ ص ١٣٦ مطبع التقدم العلمی مصر ١٣٣١ھ۔

فیما یصرفہ فیہ رسول اللہ من امور الاسلام وان البیعۃ اعرابیۃ بخلافھا. (۱)

اسلامی امور میں لگائیں اور بیعتِ اعرابی میں یہ ضرور نہیں۔

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے تو اسّی شخصوں کو لے کر آئے (۲) اور مدینہ میں آباد ہوئے، خلاصۃ الوفا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں جہینہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدیں تھیں، (۳) یہ وہی قبائل تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور چوں کہ مسجدِ نبوی سب کے لیے کافی نہ تھی، اس لیے الگ الگ مسجدیں بن گئی تھیں۔

تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے:

ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے، مثلاً مالک بن الحویرث جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی، جب چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ارجعوا الیٰ اھلیکم فعلموھم و مُرُوھم وصلّو کما رأیتمونی اصلّی (۴)

اپنے خاندان میں واپس جاؤ، ان میں رہ کر ان کو اوامرِ شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو۔

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا، یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد اور شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے، ان کے لیے صفہ خاص درس گاہ تھی اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے، جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب وروز زہد وعبادت اور زیادہ تر خدمتِ علم میں مصروف رہتے تھے۔

مشکوٰۃ کتاب العلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے، اس وقت مسجد میں دو حلقے تھے، حلقۂ ذکر اور حلقۂ درس، آنحضرت ﷺ حلقۂ درس میں جا کر بیٹھ گئے (۵) اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبان علم کو قُرّاء کہتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری

---

(۱) مشکل الآثار امام طحاوی ج ۲ ص ۲۹۶ دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۳۳۳ھ (۲) آنے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے، صحیح بخاری میں ۵۳ اشخاص کا ذکر ہے، دیکھئے کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر ج ۲ ص ۶۰۷ اور خود اس کتاب میں بھی وفود کے ذکر میں یہی تعداد لکھی ہوئی ہے (ص ۳۲) (۳) خلاصۃ الوفاء سمہودی ص ۲۰۶ دار الطباعۃ مصر ۱۲۸۵ھ (۴) بخاری ج ۲ کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم ص ۸۸۸ (۵) ص ۲۴ مطبع مجتبائی۔

وغیرہ میں ہر جگہ یہی نام آتا ہے، عرینہ میں جو لوگ تعلیم وارشاد کے لیے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا، وہ اسی درس گاہ کے تربیت یافتہ تھے اور کتب حدیث میں ان کا نام اسی لقب (قراء) کے ساتھ آیا ہے، ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا، تو اس جماعت سے نکل آتا تھا اور ان کے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے۔

اصحابِ صفہ اگرچہ اس قدر مفلس اور نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا، جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے (۱) اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا اخوانِ طریقت میں تقسیم ہوتا تھا اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درس گاہ کے معلمین میں حضرت عبادہؓ ابن الصامت بھی تھے، جو مشہور صاحب علم تھے اور جن کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تعلیم فقہ و قرآن کے لیے فلسطین بھیجا تھا، ابوداؤد میں حضرت عبادہؓ بن الصامت سے روایت ہے:

علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والكتاب فاهدیٰ الیّ رجل منهم قوسًا. (۲)

میں نے اصحابِ صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی اس کے صلہ میں مجھ کو ایک شخص نے ایک کمان تحفہ میں دی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبادہ کو اس تحفہ کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دی (۳) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درس گاہِ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے، مسند امام احمد بن حنبل میں ہے:

عن انس کانوا سبعین فکانوا اذا جنهم اللیل انطلقوا الیٰ معلم لهم بالمدینة فیدرسون اللیل حتی یصبحوا. (۴)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اصحابِ صفہ میں سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا، سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی، جنگ بدر کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة الرجیع ...... و بیر معونه جلد دوم ص۵۸۶ (۲) ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب المعلم ج۲ ص۱۲۹ مطبع قادری و (۴۸۵ مطبوعہ کلکتہ) (۳) ایضاً (۴) ج۳ ص ۱۳۷۔

اسیرانِ جنگ میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے، ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں، ابوداؤد کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی، اس میں لکھنا بھی داخل تھا، چنانچہ حضرت عبادہؓ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر: (آنحضرت ﷺ (۱) اگرچہ ترفہ وجاہ پرستی سے طبعاً نفور تھے اور اس لیے اینٹ اور مٹی پر صرفِ زر ناپسند فرماتے تھے، تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفعِ ذکر اور تسبیح وتقدیس الٰہی تھا، اس بنا پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی، ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدیں صرف نماز ہی پڑھنے کے کام میں نہیں آتی تھیں بلکہ درحقیقت یہ تمام قریہ یا اہلِ محلہ کو دن رات میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بہ روز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بھی بنتی تھیں، اس لیے آپ ﷺ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔

خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے، ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تھی۔

ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں بہ سند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپؐ کے زمانے میں نو مسجدیں تھیں، جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں، ان کے نام یہ ہیں: مسجد بنی عمرو، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی رائح، مسجد بنی زریق، مسجد غفار، مسجد اسلم، مسجد جہینہ (۲) ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے، مسجد بنی فزارہ، مسجد بنی امیہ، (انصار کا ایک قبیلہ تھا) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی فیصلی، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلحارث بن خزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد الفضیح، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبدالاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معاویہ، مسجد عاتکہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وایل، مسجد الشجرہ۔) (۳)

روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعتِ اسلام کے ساتھ مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ

---

(۱) اضافہ تا ختم باب ''مؤذنین'' (۲) مراسیل ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی الصلوۃ ص ۵ (سنن ابی داؤد مطبوعہ کلکتہ کے ساتھ آخر میں منسلک ہے) (۳) یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۸ سے ماخوذ ہے۔

گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں، جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے غزوات میں معمول کرلیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے، چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپؐ کے کانوں میں ایک طرف سے اللّٰہ اکبر کی آواز آئی، تو آپؐ نے فرمایا ''یہ تو فطری شہادت ہے'' اس کے بعد آپ نے اشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ کی آواز سنی تو فرمایا ''آگ سے نجات ہوگی'' صحابہ نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چرواہے کی آواز ہے(۱) تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا، چنانچہ ایک بار آپؐ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی:

اذا رایتم مسجدا او سمعتم مؤذنا فلا تقتلوا احداً. (۲) اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہدِ نبوت میں اشاعتِ اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے، انھوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کرلی تھیں اور ان میں پنج وقتہ غلغلۂ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا۔

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں، وہ ایک زمانۂ ممتد تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں، اس لیے ان باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں، ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔(۳)

عرب کے عام قبائل سے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا، اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی، چنانچہ اسلام میں مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی، بخاری کتاب الجمعہ میں ہے۔(۴)

عن ابن عباس انه قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثیٰ من البحرین	حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد میں پڑھا گیا، جو بحرین کے ایک گاؤں جواثی نامی میں واقع تھی۔

(۱) صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۱ کتاب الاذان باب الامساک عن الاغارة علیٰ قوم فی دار الکفر اذا سمع فیھم الاذان (۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین ج ۱ ص ۲۶۰، (ص ۳۵۴ مطبوعہ کلکتہ) (۳) نسائی کتاب المساجد ص ۱۱۸ (۴) باب الجمعة فی القریٰ والمدن ج ۱ ص ۱۲۲۔

اہل طائف جب اسلام لائے تو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائیں جہاں ان کا بت نصب تھا (۱) حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپؐ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہاں یہ پانی چھڑک کر مسجد بنالو، چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی۔(۲)

اس قسم کی مسجدیں اگرچہ عرب کے گوشہ گوشہ میں تعمیر ہوئی ہوں گی لیکن عموماً احادیث کی کتابوں سے صرف ان مسجدوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے جو مدینہ اور حوالیِ مدینہ میں تعمیر ہوئیں، صحیح مسلم میں ہے کہ حوالیِ مدینہ میں انصار کے جو گاؤں آباد تھے، عاشورا کے دن آنحضرت ﷺ نے ایک دن ان میں منادی کرادی کہ جو لوگ روزہ دار ہیں وہ اپنے روزے کو پورا کرلیں اور جو لوگ افطار کر چکے ہیں وہ بقیہ دن روزہ رکھیں اس اعلان کے بعد صحابہؓ نے اس پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ خود روزے رکھتے تھے اور اپنے بچوں سے روزہ رکھواتے تھے، یہاں تک کہ ان کو گھر سے باہر مسجد میں لے جا کر رکھتے تھے اور جب وہ کھانے کے لیے روتے تھے تو ان کو ان کے بنے ہوئے کھلونوں سے بہلاتے تھے۔(۳)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب باندھا ہے کہ ''مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے یا نہیں''؟ اور اس باب کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنی زریق کا نام لیا ہے (۴) حضرت انسؓ بن مالک آنحضرت ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے محلہ میں آتے تھے یہاں لوگ مسجد میں منتظر رہتے تھے، وہ آکر کہتے تھے کہ مسجد نبویؐ میں نماز ہو چکی، تب لوگ یہاں نماز پڑھتے تھے (۵) ان روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائل کی مسجدیں الگ الگ تھیں، صحاح کی روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جماعت ہوتے تھے اور پھر اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے،

---

(۱) زاد المعاد ج ۱ ص ۴۸۵ بروایت ابوداؤد الطیالسی مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۸ھ و ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ

(۲) سنن نسائی کتاب المساجد ص ۱۱۸ (۳) صحیح مسلم کتاب الصیام باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیۃ یومہ ج ۱ ص ۴۲۳

(۴) کتاب الصلوٰۃ باب ھل یقال مسجد بنی زریق ج ۱ ص ۵۹ (۵) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۲۳۲۔

چنانچہ حضرت معاذؓ بن جبل کا اسی پر عمل تھا، مدینہ میں جو قبائل آباد تھے، ان کے علاوہ جو قبائل ہجرت کر کے آتے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کر لیتے تھے، چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے:

ولجهينة مسجد بالمدينة. (۱) مدینہ میں جہینہ کی ایک مسجد ہے۔

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ راہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے وہاں صحابہ کرام تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے تھے، امام بخاری نے صحیح بخاری میں مستقل باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے: باب المساجد التي علىٰ طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ (۲) یعنی وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں اور ان مقامات میں واقع ہیں جہاں آپؐ نے نماز پڑھی ہے اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے ان کے حسب ذیل نام گنائے ہیں:

مسجد قبا، مسجد الفضیح، مسجد بنی قریظہ، مشربہ اُم ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد بغلہ، مسجد بنی معاویہ، مسجد فتح، مسجد قبلتین (۳) حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں جو مسجدیں منقش پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں، ان سب میں آنحضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے (۴) کیوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی۔ (۵)

ائمہ نماز کا تقرر: مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لیے الگ الگ امام مقرر کر دیے جائیں، عموماً عادت شریف یہ جاری تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہو جاتا، اس میں جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا، وہی امام مقرر کر دیا جاتا اور اس شرف میں چھوٹے بڑے غلام اور آقا سب برابر تھے، آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آ چکے تھے، ان کے امام حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ تھے (۶) جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا تو عمرو بن سلمہ جرمی اس وقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچہ تھے لیکن چونکہ اپنے قبیلہ میں قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے، اس لیے وہی امام قرار پائے۔ (۷)

---

(۱) طبقات ابن سعد جزء رابع ص ۱۷ (۲) صحیح بخاری ج ا ص ۶۹ (۳) فتح الباری ج ا ص ۴۷۲ (۴) ایضاً ص ۴۷۱ (۵) ایضاً ج ا ص ۴۷۲ (۶) طبقات ابن سعد جزء ثالث قسم اول فی البدریین ص ۶۱ (۷) طبقات ابن سعد جزء اول قسم ثانی وفد جرم ص ۶۹ و ۷۰۔

امامت کے انتخاب کے لیے آنحضرت ﷺ نے چند اصول مقرر فرمادیے تھے:

عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یؤم القوم أقرؤھم لکتاب اللّٰہ فان کانوا فی القرادۃ سواء فأعلمھم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا۔ (۱)

ابو مسعود الانصاریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر سب سے زیادہ ہو۔

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ پوچھتے کہ تم میں سب سے زیادہ حافظ قرآن کون ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپؐ اس کو اس عہدے پر خود ممتاز فرماتے، چنانچہ اہلِ طائف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا، تم میں جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے، مالک ابن حویرث جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، تو آنحضرت ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا۔ (۲)

مدینہ میں، مدینہ سے باہر اطراف میں، عرب کے مختلف صوبوں میں جہاں جہاں مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں، ظاہر ہے کہ وہاں ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہوں گے، جن قبائل میں عمال مقرر ہوتے تھے وہی ان کے امام بھی ہوتے تھے (۳) بڑے بڑے مقامات میں یہ دونوں عہدے الگ الگ ہوتے تھے، عمان میں حضرت عمرو بن العاصؓ عامل تھے اور ابوزید انصاریؓ امام (۴) لیکن افسوس ہے کہ احادیث وسیر کی کتابوں میں نام بہ نام ان کی یک جا تفصیل مذکور نہیں ہے، ضمنی واقعات میں جہاں تک سراغ لگ سکا ہے وہ حسب ذیل ہے:

نام	مقام تقرر	کیفیت
مصعبؓ بن عمیر	مدینہ منورہ، مسجد نبویؐ	ہجرت نبوی سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے (ابن ہشام ذکر بیعتِ عقبہ ج ۱ ص ۲۶۱)

(۱) صحیح مسلم کتاب المساجد ومواعظ الصلوٰۃ باب من احق بالامامۃ ج ۱ ص ۲۵۰، ۲۵۱ (۲) صحیح مسلم کتاب المساجد باب من احق بالامامۃ ج ۱ ص ۲۵۱ (۳) مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸ (۴) فتوح البلدان بلاذری ذکر عمان ص ۸۳۔

نام	مقام تقرر	کیفیت
سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	مسجد نبوی مدینہ منورہ	آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے۔ (بخاری وابوداؤد)
ابن ام مکتومؓ	//	جب آپؐ مدینہ سے باہر غزوات میں تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہ بھی ہم رکاب ہوتے، لیکن چوں کہ یہ آنکھوں سے معذور تھے، اس لیے مدینہ ہی میں رہتے تھے، اس سبب سے اس موقع پر انھیں کو آپؐ امام مقرر فرما جاتے (ابوداؤد)
ابوبکر صدیقؓ	//	آنحضرت ﷺ کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبویؐ میں امام ہوتے تھے (صحیح بخاری وابوداؤد)
عتبانؓ بن مالک	بنو سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد ونسائی)
معاذؓ بن جبل	بنو سلمہ	// (بخاری وغیرہ)
ایک انصاری	مسجد قُبا	// (بخاری)
عمرو بن سلمہ	بنو جرم	// (ابوداؤد ونسائی)
اسیدؓ بن حضیر	//	// (ابوداؤد)
انس بن مالکؓ (یا کوئی دوسرے صحابی)	بنو نجار	(امام کا نام مشکوک ہے) (مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۲)
مالک بن حویرث	//	(ابوداؤد)
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	(نسائی) (۱)
عثمان بن ابی العاص	طائف	اپنے قبیلہ کے امام تھے (۲)
ابوزید انصاریؓ	عمان	// (بلاذری ذکر عمان ص ۸۳)

(۱) کتب مذکورہ کی کتاب الصلوٰۃ سے یہ نام ملتقط ہیں۔ (۲) زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ مصر۔

موذنین: عام طور پر اذان کے لیے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا، تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپؐ نے قائم فرمایا تھا، چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدہ پر آنحضرت ﷺ نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا:

بلال بن رباح	مدینہ منورہ	موذن مسجد نبوی
عمرو بن ام مکتوم قرشیؓ	//	// //
سعد القرظ	عوالی مدینہ	موذنِ مسجد قبا
ابو محذورہؓ جمحی قرشی	مکہ مکرمہ	موذنِ مسجد حرام (۱)

☆☆☆

(۱) نسائی ص ۱۸۰

تاسیس و تکمیلِ شریعت

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ ۵:۳)

''آج ہم نے تمہارا مذہب کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے مذہب پسند کیا۔''

(یہ تمام انتظامات اور نظم ونسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا، بلکہ جیسا کہ بہ تفصیل اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یہ اس لیے تھا کہ ملک میں امن وامان پیدا ہو اور ایک منتظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو، تاکہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکیں، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ. (انفال ۸:۳۹) ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب تمام تر خدا کے لیے ہو جائے۔

انھوں نے فرمایا کہ ''یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھا، جب اسلام کم تھا، آدمی اپنے مذہب کی بنا پر فتنہ میں مبتلا ہو جاتا تھا، لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے، اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہیں رہا۔)''(۱)

ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمام تر (ان ہی فتنوں کی دارو گیر، مخالفوں کی شورشوں اور ہنگاموں کی مدافعت اور ملک میں امن وامان قائم کرنے میں گذرا، اسی لیے) آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائض اسلام سے پہلے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایاں نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایک ایک غزوہ کی تفصیل سیکڑوں صفحات میں ہے لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق دو دو چار سطروں سے زیادہ واقعات نہیں ہیں، وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تو اس قدر لکھ دیتے ہیں کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتیں دو سے چار ہو گئیں۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدانخواستہ ارباب سیر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہیں رکھتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر

(۱) بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ انفال ج ۲ ص ۶۷۰۔

میں فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے، ان کی تکمیل بھی بہ تدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی، جس کے لیل ونہار زیادہ تر مخالفین کے تیر باراں کے روکنے میں بسر ہو گئے۔

(جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا، وہ اس وجہ سے نازل نہ ہو سکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمراں طاقت نہ تھا، خالص مذہبی فرائض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اسی زمانہ میں نازل ہوتے رہے اور بہ تدریج جیسے جیسے ان کے مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے، وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے، سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصود محض عربوں کو ان کا بتا دینا نہیں تھا، بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کار بند بنا دینا تھا، اس لیے نہایت آہستہ آہستہ بہ تدریج ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا، اسی نکتہ کو حضرت عائشہؓ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ ''پہلے عذاب وثواب کی آیتیں نازل ہوئیں، جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہو گئی تو احکام نازل ہوئے ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو (۱) تو کون مانتا۔''

الغرض ان مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اس وقت تکمیل کو پہنچے جب تمام ملک میں امن وامان قائم ہو گیا) مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں ہوا، مدینہ منورہ میں روزے فرض ہوئے لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی، اس کی وجہ یہی تھی کہ رات دن کی معرکہ آرائیوں سے مالی حالت اس حد تک پہنچنے کہاں پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے، فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس میں قدم نہیں رکھ سکتے تھے، اس لیے اس وقت تک حج بھی فرض نہ ہوا، نماز روزانہ کا فرض ہے اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اس کی تکمیل بہ تدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی، ۵ھ ہجری تک نماز میں بات چیت کرنا جائز تھا اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز میں جواب دیتے تھے، جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں متعدد روایتیں (۲) مذکور ہیں۔

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا اور تمام ملک میں امن وامان قائم ہو گیا تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظام شریعت کی تکمیل کا موقع آیا، احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے

(۱) صحیح بخاری باب تالیف القرآن ج ۲ ص ۷۴۷ (۲) ابوداؤد، باب ردّ السلام فی الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۲۔

ابھی شروع ہی نہیں ہوئے تھے، مثلاً زکوۃ، حج، حرمتِ ربا وغیرہ، بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی ارکان قائم ہو گئے تھے لیکن تکمیل نہیں ہوئی تھی۔(۱)

﴿☆﴾

(۱) (اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی تکمیل کی تاریخ جلد اول کے واقعات متفرقہ کے تحت میں بھی ضمناً گذر چکی ہے، ناظرین ایک دو جگہ احکام کی تاریخ اور سنین میں یہاں سے اختلاف پائیں گے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جلد اول میں تمام مورخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہاں احادیث اور کتب شانِ نزول سے استقراء کر کے جو امر محقق نظر آیا ہے اس کی تفصیل کی گئی ہے اور اصل یہ ہے کہ احکام کے سنین اور تاریخیں کتب حدیث میں بالتصریح مذکور نہیں ہیں، محدثین اور ارباب روایت کے قیاسات اور استنباطات ہیں اور اسی بناء پر باہم ان میں اختلافات ہیں، ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح اور معتبر دلائل کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کریں، والعصمة بيدالله.) ”س“

عقائد اور اسلام کے اصول اولین (۱)

(اسلام کے فرائض اولین عقائد ہیں، یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر ونشر وغیرہ پر ایمان لانا، آنحضرت ﷺ پر اول اول جو وحی نازل ہوئی، یعنی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (العلق ۹۶:۱) اس میں خدا کی بڑائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی لیکن دوسری بار جو وحی نازل ہوئی (۲) وہ یہ تھی:

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ. (مدثر ۷۴: ۱ تا ۵)

اے چادر اوڑھنے والے اٹھ، لوگوں کو ڈرا، اپنے پروردگار کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک کر اور بتوں کو چھوڑ دے۔

اس کے بعد مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں، وہ بیش تر عقائد کے متعلق تھیں، شرک اور بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت وجلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سماں اور جنت ودوزخ کا پر اثر بیان، رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل، مکہ میں تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے۔ (۳)

غرض عقائد کے تمام اجزا اگرچہ آغازِ اسلام ہی میں لوگوں کو سنائے جا چکے تھے لیکن مکی آیتوں کے استقصا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان الگ الگ ہوتا تھا، عقائد کا مسلسل بیان سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں، مکی سورتوں میں زیادہ تر زور توحید، قیامت کے اعتقاد اور رسول کی صداقت پر صرف ہوا ہے لیکن مدینہ میں آکر اسلام کے تمام عقائد اور اصول اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ایمان اور اسلام کے اصولِ اولین کے متعلق سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت یہ ہے:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ

جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، نماز کھڑی کرتے ہیں، ہم نے جو روزی دی ہے اس سے خرچ کرتے ہیں اور جو ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو (اے محمدؐ) تجھ پر اتاری گئیں اور جو تجھ سے

---

(۱) اضافہ تا ختم باب ''تیم''۔ (۲) صحیح بخاری تفسیر سورۂ مدثر ج ۲ ص ۷۳۲ (۳) صحیح بخاری باب تالیف القرآن ج ۲ ص ۷۴۷۔

يُوْقِنُوْنَ. (البقرہ۲: ۳و۴) پہلے نازل ہوئیں، اوران کو آخرت پر بھی یقین ہے۔

وسطِ سورہ میں یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہیں:

لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ. (بقرہ۲: ۱۷۷) لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی خدا پر، روزِ قیامت پر، فرشتوں پر، کتاب پر، پیغمبروں پر ایمان لائے۔

اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہیں، یہ آیتیں تحویل قبلہ کی آیت کے ساتھ ۱ہجری میں نازل ہوئیں۔

اسی کی تفصیل سورہ کے آخر میں کی گئی ہے، یہ آیتیں ہجرت کے چند سال بعد غالباً نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ (۱) اور ابن عباسؓ (۲) کی روایتوں سے ثابت ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ. (بقرہ۲: ۲۸۵) پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اترا اور تمام مسلمان خدا پر، خدا کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔

سورۂ نساء کی آیت یہ ہے جس میں بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، ان کے کیا عقائد ہونے چاہئیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا. (نساء۴: ۱۳۶) اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور روزِ آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔

احادیثِ کتاب الایمان میں بہت سے ایسے واقعات ہیں، جن میں لوگوں نے آپؐ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کیے ہیں اور آپؐ نے سائل کی یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ''مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لڑوں جب تک لوگ یہ گواہی نہ دیں کہ خدا ایک ہے، محمدؐ خدا کا پیغمبر ہے، نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں''۔ (۳)

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضر خدمت ہوا اور دریافت کیا کہ اسلام کی

(۱) صحیح بخاری تفسیر یمحق اللہ الربوا ج ۲ص ۶۵۲ (۲) اسباب النزول سیوطی بر حاشیہ جلالین ج ۱ص ۵۱، مطبع میمنیہ مصر ۱۳۲۱ بحوالہ صحیح مسلم ومسند احمد (۳) بخاری کتاب الایمان باب فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ج ۱ص ۸۔

حقیقت کیا ہے؟ آپؐ نے تین چیزیں بتائیں "رات دن میں پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ" (۱) عبدالقیس کے وفد نے ۵ھ ہجری میں حاضر ہوکر عرض کی کہ ہم دشمنوں کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ نہیں حاضر ہو سکتے، اس لیے ایسے احکام بتادیے جائیں، جو ان لوگوں کو بھی سنادیے جائیں جو شرفِ حضوری حاصل نہیں کر سکتے، آپ نے فرمایا:

شهادة ان لااله الاالله وان محمدا رسول الله، واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وصيام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس. (۲)	اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہی ہے، محمد خدا کے پیغمبر ہیں، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ دینا۔

ایک دفعہ آپؐ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، اس اثنا میں ایک شخص نے آکر سوال کیا، ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتوں پر، خدا کی ملاقات پر، اس کے پیغمبروں پر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہو۔" اس نے پوچھا اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا "اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو" اس نے پھر دریافت کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ "خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیوں کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے، تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔" (۳)

یہ اصولِ اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے، غالباً یہ سوال و جواب فتح مکہ یعنی ۷ھ ہجری سے پہلے کا واقعہ ہے، کیوں کہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے، تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا، کہ تکمیل عبادت کے لیے خضوع و خشوع کی قید بھی اضافہ کی جا سکی، اصولِ اسلام کا آخری اعلان یہ ہے:

بنى الاسلام على خمس شهادة ان لااله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة والحج وصوم رمضان. (۴)	اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے، اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں، محمدؐ اس کا پیغمبر ہے، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصولِ کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی، آپؐ نے فرمایا کہ "ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں، جن میں ایک شاخ حیاء ہے" (۵) ایک دفعہ فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔" (۶)

---

(۱) کتاب الایمان باب الزكوٰة من الاسلام ج ا ص ۱۱ (۲) بخاری کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان ج ا ص ۱۳ (۳) ایضاً باب سوال جبریل ج ا ص ۱۲ (۴) بخاری کتاب الایمان باب قول النبیؐ بنى الاسلام على خمس ج ا ص ۶ (۵) ایضاً باب امور الایمان ج ا ص ۶ (۶) ایضاً باب ای الاسلام افضل ج ا، ص ۶۔

ایک اور صاحب کے جواب میں فرمایا کہ ''بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو۔'' یہ بھی فرمایا کہ ''اس وقت تک تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔'' (۱)

غرض اسلام کے تمام اصول وفروع کی تعلیم اسی طرح بہ تدریج تکمیل کو پہنچتی گئی اور آخر ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا: (۲)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ. (المائدہ ۵:۳)

آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

عبادات

اوپر یہ حدیث گذر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے، ان میں سے توحید ورسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عبادت میں داخل ہیں، ان میں سب سے اول شے نماز ہے، نماز کی صحت کے لیے متعدد شرطیں ہیں، سب سے اول اور ضروری شرط طہارت ہے۔

طہارت: طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو، طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا:

یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ. (مدثر ۷۴: ۱تا۵)

اے چادر اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک کر اور ناپاکی کو چھوڑ دے۔

اگرچہ مفسرین نے عموماً کپڑے کی طہارت سے ''دل کی طہارت'' اور ''ناپاکی'' سے بت پرستی مراد لی ہے تاہم اس سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے، نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے، اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے، تاریخ وسیر اور بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ وضو کا طریقہ آغازِ وحی ہی میں حضرت جبرئیل نے آپ کو سکھایا

(۱) یہ تمام حدیثیں صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہیں (۲) صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور ج ۲ ص ۶۲۶۔

تھا۔(۱) حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ ہجرت سے پہلے بھی وضوفرماتے تھے (۲) لیکن قرآن میں وضو کا حکم باتفاق محدثین مدینہ میں نازل ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ. (مائدہ ۵:۶)	مسلمانو! جب نماز کے لیے کھڑے ہوتو منھ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو، سر پر مسح کرو اور گھٹنوں تک پاؤں دھولو۔

یہ آیت سورۂ مائدہ میں ہے اور اس سورہ کی اکثر آیتیں ہجرت کے چار پانچ سال بعد کی ہیں، اس آیت کے متعلق بخاری میں تصریح ہے کہ وہ آیت تیمّم کے ساتھ اتری ہے (۳) آیتِ تیمّم ۵/ہجری میں نازل ہوئی، اسی بنا پر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو پر عمل تو پہلے سے تھا لیکن قرآن مجید میں اس کی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد نازل ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کرلیتے تھے، کچھ حصہ بھیگتا تھا، کچھ نہیں بھیگتا تھا، ۶/ہجری میں یا اس کے بعد کے کسی سفر میں آپؐ مکہ سے واپس آرہے تھے، کچھ لوگ جھپٹ کر تالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی ہاتھ منھ دھولیا، ایڑیاں کچھ بھیگیں، کچھ خشک رہیں، آپؐ نے فرمایا: (۴)

ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء	ان ایڑیوں پر دوزخ کی پھٹکار ہے، وضو کو کامل کرو۔

اس وقت سے ''اسباغِ وضو'' یعنی سکون وطمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار دیا گیا، اسباغِ وضو کے فضائل آپؐ نے بیان فرمائے، ابتداءً وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے لیکن آخر عام مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت ضروری نہ رہا (۵) اور اس کا اعلان آپؐ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا۔(۶)

تیمّم: وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہے لیکن ہر وقت سفر میں اس کا ملنا مشکل ہے، نیز بیماری

(۱) ابن ہشام ج ۱ ص ۱۵۵ و فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۵ بحوالہ مغازی ابن لہیعہ و مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۶۱، وابن ماجہ ابواب الطهارة وسننها باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء ص ۳۶ مطبع فاروقی دہلی ۱۳۹۴/ہجری (۲) فتح الباری، ج ۱ ص ۲۰۵ وطبرانی فی الاوسط (۳) بخاری کتاب التفسیر سورۂ مائدہ ج ۲ ص ۶۶۳ ''ک،ص'' (۴) صحیح مسلم باب وجوب غسل الرجلین بکمالهما ج ۱ ص ۱۱۲ (۵) فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۴ کتاب الوضو، باب ماجاء فی قول اللّٰہ تعالیٰ اذاقمتم الیٰ الصلوٰۃ ...... بحوالہ ابوداؤد واحمد (۶) صحیح مسلم کتاب الطهارة باب جواز الصلوات کلها بوضوء واحد. ج ۱ ص ۱۲۲۔

کی حالت میں پانی کا استعمال کبھی مضر ہے، اس لیے ۵ ہجری میں تیمم کی آیت نازل ہوئی:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْعَلٰى سَفَرٍ اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَايُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (مائدہ ۵:۶)

اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پانی میسر نہ آئے تو طاہر مٹی لے کر تیمم یعنی منھ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرلو، اللہ تم پر کسی طرح تنگی کرنا نہیں چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک وصاف کردے اور اپنا احسان تم پر پورا کردے، تاکہ تم شکرگزار بنو۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق ۵ ہجری سے آپؐ واپس آرہے تھے، ام المومنین حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں، مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً اُم المومنینؓ کا ہار کہیں گر گیا، سارا قافلہ وہیں اتر پڑا، نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا، تمام صحابہؓ پریشانِ خاطر تھے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی مسلمانوں کو اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی، اسیدؓ ابن حضیر ایک صحابی نے کہا ''اے آلِ ابی بکر! تم لوگوں کے لیے سرمایۂ برکت ہو۔''(۱)

نماز: (آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی (۲) چنانچہ دوسری ہی وحی میں حکم ہوا،

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. (مدثر ۷۴:۳) اپنے پروردگار کی بڑائی (تکبیر) بیان کر۔

اس تکبیر سے مقصود بہ جز نماز کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن چوں کہ تین برس تک دعوتِ اسلام مخفی رہی اور کفار کے ڈر سے علانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا، اس لیے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا، دن میں کوئی نماز فرض نہیں ہوئی، چنانچہ سورۂ مزمل میں جو ابتدائی سورتوں میں سے ہے، یہ حکم بہ تصریح مذکور ہے:

(۱) صحیح بخاری کتاب التیمم وقول اللہ عزوجل فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً ...... ج ۱ ص ۴۷ و ۴۸ و کتاب التفسیر باب قولہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا ...... ج ۲ ص ۶۶۳ (۲) نماز کے بیانِ تاریخ میں محدثین مختلف الرائے ہیں، ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۱ ص ۳۹۳) میں جو خلاصۂ مباحث نقل کیا ہے، اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے ''ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ معراج سے پہلے رات کی غیر موقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہ تھی، حربی کی رائے ہے کہ صبح وشام دو دو رکعتیں فرض تھیں، امام شافعی نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی (دیر تک) نماز فرض تھی، بعد ازیں فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگیا اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی، اس کے بعد نماز پنج گانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کردیا'' ہم نے نماز کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ ان ہی چند سطروں کی تفصیل ہے، جس کی تطبیق قرآن مجید کی چند آیتوں سے کردی گئی ہے، اس تفصیل سے یہ گرہ بھی کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید میں اوقات نماز کے مختلف بیانات کیوں ہیں) ''س''

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ . قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا . نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا . اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا . اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا . اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا . اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا . وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا. (مزمل ۷۳:۱تا۸)

اے کملی اوڑھ کر سونے والے، رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات، یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ ہم تجھ پر عن قریب ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں، رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور یہ وقت دعا کے لیے مناسب بھی زیادہ ہے، دن کو تجھ کو زیادہ شغل رہتا ہے، اپنے پروردگار کا نام لے، سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہ۔

اس کے بعد صبح وشام کی دو دو رکعتیں اور فرض ہوئیں:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا. (دہر ۷۶:۲۵،۲۶)

صبح وشام خدا کا نام لیا کرو اور رات کے وقت دیر تک اس کو سجدہ کیا کرو اور اس کی تسبیح بیان کر۔

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا ایک سال تک قائم رہا، چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ کا اور اکثر صحابہؓ کا ایک سال تک اسی پر عمل رہا، نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے، ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ (۱) ہوگئی اور حکم ہوا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

(مزمل ۷۳:۲۰)

تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے اس نے جان لیا کہ تم اس کو گن نہیں سکتے، تم پر اس نے مہربانی کی، اب جتنا ہو سکے اتنا ہی قرآن نماز میں پڑھو، اس نے جان لیا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے، مسافر بھی ہوں گے جو خدا کی روزی ڈھونڈنے کو سفر کریں گے اور لوگ خدا کی راہ میں سفر جہاد کریں گے، بس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو۔

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے، نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد، فجر، مغرب اور عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ.

(ہود ۱۱:۱۱۴)

(دن کے دونوں ابتدائی اور انتہائی کناروں میں (یعنی فجر ومغرب) اور رات تھوڑی گذرنے کے بعد نماز پڑھا کرو۔)

معراج میں جو نبوت کے پانچویں (۲) سال ہوئی، پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں (۳)

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل ج ۱ ص ۱۸۹ مطبع قادری ۱۲۷۲ھ و مسند احمد جلد ۶ ص ۵۴۔ (۲) ہماری تحقیق میں معراج نبوت کے نویں سال ہوئی "س"۔ (۳) فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۵۔

(اور سورۂ اسراء میں جو معراج کے بیان پر مشتمل ہے، یہ آیت اتری:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۸،۷۹)	نماز کے اوقات زوالِ آفتاب سے لے کر ظلمتِ شب تک ہیں، (ظہر، عصر، مغرب، عشاء) اور صبح کی نماز کہ صبح کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور رات کو تہجد پڑھ، یہ تیرے لیے مزید ہے۔)

لیکن رکعتیں دو ہی رہیں، مدینہ منورہ میں آکر جب نسبتاً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہوگئیں۔(۱)

بایں ہمہ نماز میں خضوع وخشوع اور تمکین ووقار کے جو ارکان ضروری ہیں، ان کے لیے جس اطمینان کی ضرورت تھی، وہ مدت تک نصیب نہیں ہوا، اس لیے فوراً وہ ارکان اور آداب لازمی نہیں قرار پائے، بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تکمیل کی گئی، پہلے لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے، بالآخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مابال اقوام یرفعون البصر الی السماء فی صلواتھم (۲)	یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں۔

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آجاتا تو کسی سے کہہ دیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے، پاس پاس کے آدمی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے، جب مہاجرین حبش ۶ ؁ہجری میں واپس آکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے، معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا لیکن جواب نہیں ملا، نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو (۳)" اس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہوگیا۔

معاویہ بن حکم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی، ایک صاحب کو چھینک آئی، میں نے یرحمک اللہ کہا، لوگوں نے تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا، میں نے کہا "آپ لوگ کیا دیکھتے ہیں"؟ لوگوں نے زانو پر ہاتھ مارے اس وقت میں سمجھا

(۱) صحیح بخاری باب بنیان الکعبۃ باب مقدم النبیؐ واصحابہ الی المدینۃ ج ۱ص ۵۶۰ (۲) بخاری کتاب الاذان باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ ج ۱ص ۱۰۴ (۳) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ردّ السلام فی الصلوٰۃ ج ۱ص ۹۲ مطبع کستلیہ مصر ۱۲۸۰ھ۔

کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہیں، میں چپ ہوگیا، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہوکر (خلق احمدی) سے مجھ کو نہ سزا دی، نہ ڈانٹا، نہ برا کہا، صرف یہ فرمایا کہ ''نماز تسبیح وتکبیر اور قرأت کا نام ہے، اس میں بات چیت جائز نہیں۔'' (۱)

تشہد کا جو طریقہ اب ہے، پہلے نہ تھا، مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے، السلام علیٰ فلاں و فلاں، بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جو اَب نماز میں معمول بہا ہیں۔ (۲)

حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ چھوٹے بچوں کو نماز میں کندھے پر چڑھا لیتے، سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے، دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے، حضرت عائشہؓ باہر سے آتیں اور دروازہ کھٹکھٹاتیں، آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے ہوئے عین اسی حالت میں جاکر دروازہ کھول دیتے (۳) ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے فقہا کی رائے یہ ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل میں جائز ہیں، نفل کی تخصیص اس لیے کہ جن نمازوں میں آنحضرت ﷺ نے افعال کیے وہ فرض نہ تھیں، بلکہ نفل تھیں، لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں، ایک حدیث میں صاف موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ امامہ بنت ابوالعاص کو کاندھے پر چڑھائے مسجد میں آئے اور نماز ادا کی (۴) ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں اسی زمانہ کی ہیں، جب کہ نماز میں بات چیت اور اس قسم کے حرکات ممنوع نہیں قرار پائے تھے۔

رفتہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حد کو پہنچی کہ وہ تمام تر خضوع وخشوع ومراقبہ ومحویت بن گئی۔

قرآن مجید میں آیت اتری قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ. (مومنون ۲۳: ۱،۲) ''یعنی فلاح پانے والے مسلمان وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں'' اس بنا پر نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع وخشوع کے خلاف کرنا منع ہوگیا، نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا، یہاں تک کہ ایک شخص نے آکر آنحضرت ﷺ کے سامنے نماز ادا کی اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہیں ادا کیے، تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ ''تم نے نماز نہیں پڑھی، جاکر پھر پڑھو'' اس نے دوبارہ اسی طرح ادا کی، آپؐ نے پھر فرمایا کہ ''نماز نہیں ہوئی'' تیسری دفعہ اس نے پوچھا کہ ''کیوں کر پڑھوں''

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تشمیت العاطس ج۱ص۹۳ (۲) ایضاً باب التشہد ج۱ص۹۷ (۳) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ ج۱ص۹۲ (۴) ایضاً۔

آپ ؐ نے رکوع، سجدہ، قیام، سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کیے جائیں، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ (۱) میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاقاً شام سے تجارت کا قافلہ آیا، بارہ آدمیوں کے سوا جس قدر لوگ نماز میں شریک تھے، اٹھ کر قافلہ کی طرف دوڑے، اس پر یہ آیت اتری۔ (۲)

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا اِنْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَاعِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ (جمعہ ۶۲: ۱۱)	اور جب لوگ تجارت یا کھیل تماشا دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں اور تجھ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں، کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے۔

اور یا آنحضرت ﷺ کی تربیت وتعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ (ایک انصاری نماز کی حالت میں تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہیں لیکن نماز نہیں توڑتے، کہ جو سورہ انھوں نے شروع کیا تھا، اس کی لذتِ معنوی اس درد وزخم سے زیادہ تھی (۳) اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمرؓ فاروق نماز میں زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہیں (۴) یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑ کر نہیں دیکھتا، کیوں کہ خشیت الٰہی اور محویت کا عالم جو دلوں پر طاری ہے، وہ اور کسی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا۔

نماز جمعہ اور عیدین: مکہ میں چار شخصوں کا یک جا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا، اس لیے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی، (کیوں کہ) جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے (لیکن مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی اور کوئی شخص ادائے نماز میں خلل انداز نہیں ہو سکتا تھا) اس لیے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ میں آچکے تھے، اسعد بن زرارہ کی تحریک سے بنی بیاضہ کے محلّہ میں انھوں نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا کی (۵) مصعبؓ بن عمیر امام تھے (۶) اور کل چالیس مسلمان نمازی تھے (۷) اس کے بعد آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو

(۱) صحیح بخاری باب امر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعه بالاعادة ج ۱ ص ۱۰۹ (۲) صحیح بخاری کتاب البیوع تفسیر آیت مذکور ج ۱ ص ۲۷۴ (۳) بخاری کتاب الوضومن لم یر الوضوء ج ۱ ص ۲۹ وابن ہشام ج ۲ ص ۱۵۳ ''ک،ص'' (۴) طبری ج ۵ ص ۲۷۲۳ ''ک،ص'' (۵) ابوداؤد، ابن ماجہ ودار قطنی کتاب الجمعہ نیز عبدالرزاق واحمد وخزیمہ حسب حوالہ فتح الباری کتاب الجمعہ باب فرض الجمعة ج ۲ ص ۲۹۴ (۶) ابن اسحاق بحوالہ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۲ (۷) ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۷ وابن ماجہ باب فرض الجمعہ ص ۷۳ وغیرہ کتاب الجمعہ۔

پہلے قبا میں قیام فرمایا، یہاں سے روانگی کے لیے آپؐ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا، بنی سالم کے محلہ میں پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی، یہ اواخر ربیع الاول ۱ ہجری کا واقعہ ہے (۱) مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی یکجا تعداد سب سے زیادہ جواثی میں تھی، جو بحرین میں واقع تھا، حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں قائم ہوئی۔ (۲)

لیکن بہ ظاہر نماز جمعہ کا اہتمام مسلمانوں میں پہلے اتنا نہ تھا، جتنا کہ ہونا چاہیے، ابھی اوپر گذر چکا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلہ کے بیوپاری آ گئے، سب لوگ اٹھ کر چلے گئے، جماعت میں صرف بارہ آدمی (۳) اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی (۴) رہ گئے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ. فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ. (جمعہ ۶۲: ۹ تا ۱۱)

ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے پکارا جائے تو یاد الٰہی کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم کو علم ہو، جب نماز سے فراغت ہو جائے تو زمین میں چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو تا کہ فلاح پاؤ، جب لوگ تجارت اور کھیل تماشہ دیکھ پاتے ہیں، تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں اور تجھ کو اے پیغمبر کھڑا چھوڑ دیتے ہیں، کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے، وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔

اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کی دولت کا خزانہ بھی ان کے آگے ہیچ ہو گیا، خدا نے ان کی مدح فرمائی:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ. (نور ۲۴: ۳۷)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

عید کی نماز بھی مدینہ ہی میں آ کر قائم ہوئی لیکن جس سال آپؐ تشریف لائے، اس سال

(۱) طبری جلد ۳ ص ۱۲۵۶ (۲) صحیح بخاری باب الجمعة فی القریٰ والمدن ج ۱ ص ۱۲۲ (۳) صحیح بخاری باب اذا نفر الناس عن الامام الخ ج ۱ ص ۱۲۸ (۴) دار قطنی ج اول کتاب الجمعہ باب ذکر العدد فی الجمعة ص ۱۶۲۔

عید کی نماز نہیں ہوئی، بلکہ ۲ ہجری میں مسنون (۱) ہوئی، جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز، روزۂ رمضان کے تابع ہے اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے۔)

صلوٰۃ خوف: نماز کسی حالت میں قضا نہیں کی جا سکتی، خوف کی حالت میں مثلاً جنگ میں یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں، پہلے ایک جماعت ہتھیاروں سے مسلح ہو کر امام کے پیچھے کھڑی ہو اور نماز قصر ادا کرے، پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ میں تھی وہ پیچھے ہٹے اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے، امام اپنی جگہ پر قیام کرے، روایتوں میں اختلاف ہے کہ ہر جماعت دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے، یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت علاحدہ علاحدہ پڑھے، یا صرف ایک ہی رکعت اس حالت میں فرض ہے، ابوداؤد نے صلوٰۃ الخوف کی تمام صورتیں بروایتِ صحابہؓ الگ الگ لکھ دی ہیں (۲) ہمارے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہے، امام جس وقت جو مناسب سمجھے کرے، اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا، سورۂ نساء میں صلوٰۃ الخوف کی صورت بہ تفصیل مذکور ہے۔ (۳)

صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوۂ ذات الرقاع ۵ ہجری میں نازل ہوا، اسی غزوہ کا نام بعض راویوں نے غزوۂ نجد بتایا ہے، ابوداؤد میں ابو عیاش زرقی کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی آیت صلحِ حدیبیہ کے موقع پر مقام عسفان میں نازل ہوئی، یعنی ۶ ہجری میں لیکن زیادہ تر رواتِ حدیث اور اہلِ سیر غزوۂ ذات الرقاع ہی کو اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہیں۔ (۴)

روزہ: (اسلام سے پہلے قریش عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے) اس دن خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا (۵) آنحضرت ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اور عجب نہیں کہ آپؐ کی تبعیت میں دوسرے صحابہؓ بھی روزہ رکھتے ہوں، ۵ نبوی میں یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفرؓ نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس میں روزہ کا ذکر بھی موجود ہے، وہ غالباً

---

(۱) طبری ج ۳ ص ۱۲۸۱ یورپ (۲) کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الخوف ص ۱۷۳ (۳) دیکھو آیات (۱۰۱ تا ۱۰۳) (۴) دیکھو کتاب احادیث ابوداؤد صلوٰۃ الخوف ج ۱ ص ۱۷۳ اور طبری جلد ۳ ص ۱۴۵۴ واقعات ۴ ہجری، ابن سعد جلد ۲ ص ۴۳ (۵) مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۲۴۴، معجم کبیر طبرانی۔

اسی دن کا روزہ ہوگا، اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، آپؐ نے لوگوں سے وجہ پوچھی، لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ نے اسی روز فرعون کے ہاتھ سے نجات پائی تھی، آپ نے فرمایا ''تو ہم کو موسیٰؑ کی تقلید کا زیادہ حق ہے'' چنانچہ آپؐ نے (یہاں بھی) عاشورہ کا روزہ رکھا، (اور صحابہؓ کو بھی رکھنے کا حکم دیا) پھر ۲ ہجری میں رمضان کے روزے فرض ہوئے، تو عاشورا کا روزہ مستحب ہوگیا، یعنی جس کا جی چاہتا تھا رکھتا تھا اور جو نہیں چاہتا تھا نہیں رکھتا تھا (۱) لیکن آپؐ نے بہ نفس نفیس اس دن کا روزہ برابر رکھا، ۱۱ ہجری میں لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہیں، فرمایا ''آئندہ سال ۱۰ کے بجائے ۹ کو روزہ رکھوں گا لیکن افسوس کہ آپؐ نے اسی سال وفات پائی۔ (۲)

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نماز عشاء کے بعد پھر نہیں کھاتے تھے اور اس کو حرام سمجھتے تھے، عورت کے ساتھ ہم بستری بھی منع تھی، ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے، اسلام کے تمام احکام میں سب سے مقدم یہ اصول ملحوظ رہتے تھے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ.
(بقرہ۲:۱۸۵)

خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔

لاصرورۃ فی الاسلام۔ (ابوداؤد کتاب المناسک باب لاصرورۃ ج۱ص۲۷۳ اواحمد ج۱ص۳۱۲)

اسلام میں جوگی پن نہیں ہے۔

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى (۳) نِسَآئِكُمْ ...... وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ.
(بقرہ۲: ۱۸۷)

روزے کی راتوں میں تمہارے لیے عورتوں سے لطف اٹھانا حلال کردیا گیا ہے (جب تک صبح کی سپید لکیر (رات کی) سیاہ لکیر سے الگ نہ ہوجائے تم کھاتے پیتے رہو۔)

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے، اول اول روزہ ان پر شاق ہوا (۴) اس لیے

(۱) ابوداؤد کتاب الصوم باب فی صوم یوم عاشوراء ج۱ص۳۴۳ (۲) یہ تمام واقعات صحیح بخاری کتاب الصوم باب صیام یوم عاشوراء ج۱ص۲۶۸، صحیح مسلم باب ای یوم یصام فی عاشوراء ج۱ص۳۲۳، اور ابوداؤد کتاب الصوم باب ماروی ان عاشوراء الیوم التاسع ج۱ص۳۴۳ میں بہ تفصیل مذکور ہیں (۳) ابوداؤد کتاب الصوم باب مبدء فرض الصیام ج۱ص۲۳۱ واسباب النزول للسیوطی ص۲۷ (۴) صحیح بخاری میں ہے: نزل رمضان فشق علیھم ج۱ص۲۶۱۔

نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی، اول اول آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی، تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلادے، رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اتری:

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ. (۱) (بقرہ۲:۱۸۵) جو رمضان کا مہینہ پائے وہ ضرور روزہ رکھے۔

اب بالتعین روزہ فرض ہوگیا اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی، البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس کے لیے یہ حکم ہوا کہ اس وقت روزہ توڑ دے اور ان کے بدلے کسی اور وقت قضا کر دے، چونکہ اور تمام قوموں میں خصوصاً عیسائیوں میں رہبانیت بڑی فضیلت کی بات سمجھی جاتی تھی، اس لیے جو لوگ زیادہ خدا پرست تھے، وہ روزہ میں زیادہ سختی برداشت کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً اس سے روکتے رہتے تھے، ایک دفعہ آں حضرت ﷺ سفر میں تھے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے اور اس پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے، سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ گرمی میں اس شخص نے روزہ رکھا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ''سفر میں روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہیں۔'' (۲)

بعض لوگوں نے صومِ وصال رکھنا چاہا، یعنی رات دن روزہ رکھیں، بیچ میں افطار نہ کریں، آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔ (۳)

روزہ کا مقصد عام طور پر صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا ثواب کی بات ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ہر طرح کی آسانیوں کا حکم دیا، سفر اور بیماری میں روزہ رکھنا فرض نہ تھا۔

راتوں کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی، سحر کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے (۴) تاکہ دن بھر قوت باقی رہے۔ (۵)

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان ج۱ص۵۳ (۲) صحیح بخاری کتاب الصوم باب قول النبیؐ لمن ظلل علیہ ...... الخ ج۱ص۲۶۱ (۳) ایضاً، باب الوصال جلد۱ص۲۶۳ (۴) مسلم کتاب الصیام باب بیان ان الدخول فی الصوم الخ ج۱ص۴۰۷ (۵) بخاری کی شرح فتح الباری میں تاخیر سحر کی وجہ یہی بتائی گئی ہے۔ کتاب الصوم باب قدر کم بین السحور ج۴ص۱۱۹۔ ''ک،ص''

روزہ کا مقصد صرف معاصی سے کفِ نفس تھا اور روزہ اس کا معین تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص روزہ میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا، خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہیں۔(۱)

زکوٰۃ : خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام میں ابتدا ہی سے معمول بہ تھی، مکہ میں جو سورتیں اتریں، ان میں زکوٰۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے اور خیرات نہ دینے والے پر عتاب ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ. فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ. وَلَایَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ. (ماعون ۱۰۷: ۱ تا ۳)	تم نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھلاتا ہے یہی شخص وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں کرتا۔

مدینہ منورہ میں زیادہ تاکیدی آیتیں نازل ہوئیں، ۲ھ ہجری میں عید کے دن صدقۂ فطر دینا واجب قرار پایا(۲) ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقروفاقہ میں مبتلا تھے، حدیثوں میں صحابہؓ کے فقروتنگ دستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں، اسی زمانہ کے ہیں، اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیے، ورنہ عذاب ہوگا، چنانچہ خاص آیت نازل ہوئی:(۳)

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. (توبہ۹: ۳۴)	جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خیرات نہیں کرتے۔

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ. (بقرہ۲: ۲۱۹)	لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات دیں کہہ دو کہ جو کچھ مصارفِ ضروری سے بچ رہے۔

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے لیکن عمدہ مال کو محفوظ رکھتے تھے، بے کار یا ردی چیزیں خیرات میں دیتے تھے، اس پر حکم ہوا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ. (بقرہ۲: ۲۶۷)	مسلمانو! اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا اچھا حصہ خیرات دو۔

مزید تاکید کے لیے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا، اس کو ثواب نہ ملے گا۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور ج۱ص۲۵۵ (۲) طبری جلد۳ص۱۲۸۱ (۳) صحیح بخاری مقولہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الخ ج۲ص۶۷۲۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (آل عمران ۳:۹۲)
تم لوگ ثواب نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیز خیرات نہ کرو جو تم کو عزیز ہو۔

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے، وہ صرف اس لیے بازار میں جا کر مزدوری کرتے اور کندھوں پر بوجھ لاد کر لوگوں کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کریں۔(۱)

بایں ہمہ ۸ رہجری تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی، فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کیے گئے اور آں حضرت ﷺ نے تمام ممالک مقبوضہ میں زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے (محرم ۹ رہجری میں) محصلین مقرر (۲) کیے، زکوٰۃ کے مصارف حسب ذیل تھے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (توبہ ۹: ۶۰)
زکوٰۃ ان مصارف کے لیے ہے، فقراء، مساکین، زکوٰۃ کے وصول کرنے والے، مؤلفۃ القلوب، غلام، جن کو آزاد کرانا ہے، مقروض، مسافر اور خدا کی راہ میں، یہ خدا کا فرض ہے اور خدا علیم و حکیم ہے۔

زکوٰۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرامینِ نبویؐ میں منقول ہے، فقہ میں کتاب الزکوٰۃ ان ہی فرامین سے ماخوذ ہے

حج: دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا پرستی کے لیے عبادت گاہ عام بنایا اور تمام دنیا کو وہاں آ کر عبادت کرنے کی دعوت دی:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ. وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ. لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ. (حج ۲۲:۲۶ تا ۲۸)
اور جب کہ ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھ اور حج کی منادی کر دے تو لوگ ہر طرف سے دوڑے آئیں گے کچھ پیدل اور کچھ دبلی اونٹنیوں پر سوار تا کہ فائدہ اٹھائیں اور تا کہ ایام مقررہ میں خدا کا ذکر کریں۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعوتِ عام پر دنیا نے لبیک کہا اور ہر سال عرب کے دور دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے لیکن ایک طرف تو یہ افسوس ناک انقلاب ہوا کہ جو گھر خالص

---

(۱) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ ج ۱ ص ۱۹۰ (۲) طبری مطبوعہ یورپ جلد ۴ ص ۱۷۲۲ (ابن سعد قسم اول جزء ثانی مغازی ص ۱۱۵)۔

توحید کے لیے تعمیر ہوا تھا، وہ تین سو ساٹھ بتوں کا تماشا گاہ بن گیا، دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا، وہ یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا اور پورے آٹھ برس تک ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔

بالآخر ظہورِ حق کا وقت آیا، مکہ فتح ہوا اور جانشینِ ابراہیمؑ اور ان کے متبعین کو موقع ملا کہ شعارِ ابراہیمیؑ کو پھر زندہ کیا جائے، چنانچہ ۹ ہجری میں حج فرض ہوا (۱) تاہم آنحضرت ﷺ نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کہ عرب ننگے ہو کر طوافِ کعبہ کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہیں فرما سکتے تھے، اس لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ایامِ حج میں روانہ کیے گئے کہ کعبہ میں جا کر منادی کر دیں کہ آئندہ سے کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔ (۲)

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذوقعدہ میں آ گیا تھا، چنانچہ ۹ ہجری کا حج اسی مہینہ میں ادا ہوا لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا، جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آ گیا۔ (۳)

حج کے اصلاحات: حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم کر رکھی تھی لیکن اس کی صورت بالکل بدل دی تھی اور اس میں اس قدر بدعات اضافہ کر دیئے تھے کہ وہ ثواب کے بجائے عذاب کا کام بن گیا تھا، سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے لیکن اہلِ عرب حج میں جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجائے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے اسی بنا پر یہ آیت اتری:

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْاَشَدَّ ذِکْرًا. (۴) (بقرہ۲:۲۰۰)	پھر جب حج کے ارکان پورے پورے کر لو تو خدا کا ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر۔

---

(۱) زاد المعاد جلد۱ ص۱۸۰ (۲) صحیح مسلم کتاب الحج باب لا یحج البیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان ج۱ ص۵۱۷ (۳) آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ الفاظ فرمائے تھے، "الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض السنۃ اثناعشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان" اس سے اسی طرف اشارہ تھا، بخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع ج۲ ص۶۳۲ (۴) اسباب النزول للواحدی۔

خاص اہلِ مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا منات جو بت تھا، اس کا طواف کرتے تھے اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے، تب بھی صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے، حالانکہ حج کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگاریں قائم رکھی جائیں اور صفا و مروہ کا طواف اسی عہد کی یادگار ہے، اسی بنا پر یہ آیت اتری:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا. (بقرہ ۲: ۱۵۸)

صفا اور مروہ خدا کی یادگاریں ہیں، اس لیے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دونوں مقاموں کا بھی طواف کرنا چاہیے۔(۱)

ایک طرف یہ جاری ہو گیا تھا کہ اکثر لوگ (آج کل کی طرح) جن کے پاس زادِ سفر نہیں ہوتا تھا، یوں ہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں، ان لوگوں کو اکثر راہ میں گداگری اور دوستوں کی دست گیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا، اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (۲) (بقرہ ۲: ۱۹۷)

اور گھر سے زادِ سفر لے کر چلو، کیوں کہ اچھا زادِ سفر تقویٰ ہے۔

احرامِ حج میں سر کے بالوں کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے لیکن اس میں اہلِ جاہلیت نے بہت سختی کر دی تھی، یہاں تک کہ بعض صاحبوں کے بالوں میں اس قدر جوئیں پڑ گئیں کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہو گیا، تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے، اسلام میں چوں کہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اس کی عبادات اور احکام تکلیف مالا یطاق نہ بن جائیں، اس لیے حکم ہوا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ. (بقرہ ۲: ۱۹۶)

تو جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال منڈائے) تو فدیہ ادا کر دے یعنی روزہ یا خیرات یا قربانی۔

قربانی جو کرتے تھے، اس کا خون لے کر کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب

(۱) قرآن مجید میں جناح کا لفظ ہے اس کا عام ترجمہ "حرج" یا نقصان ہے، اس بنا پر ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کچھ حرج نہیں، لیکن لا جناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنوں میں بھی آیا ہے (۲) بخاری کتاب الحج باب تزودوا فان خیر الزاد التقوی ج ۱ ص ۲۰۶۔

سمجھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: (۱)

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآءُهَا وَلٰكِنۡ یَّنَالُهُ التَّقۡوٰی مِنۡكُمۡ. (حج ۲۲:۳۷)

خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔

اس آیت میں صرف اس فعل سے نہیں روکا گیا، بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا کہ قربانی کوئی مقصود بالذات چیز نہیں، بلکہ اصل چیز جس کو خدا قبول کرتا ہے، وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

رسومِ حج میں ایک بڑی چیز جو قریش نے اصولِ اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی، یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہِ عام تھا نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہلِ حرم ہیں، ہم حدودِ حرم سے باہر نہیں جا سکتے، یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے، اس لیے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے، باقی تمام عرب عرفات میں جمع ہوتے تھے اور وہاں سے چل کر مزدلفہ اور منیٰ میں آتے تھے، چوں کہ اسلام کا اصولِ اصلی مساواتِ عامہ ہے اور عبادات میں سب یکساں ہیں، اس لیے حکم آیا کہ: (۲)

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰىكُمۡ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ. ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ. (بقرہ ۲:۱۹۸، ۱۹۹)

پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو، جس طریقہ سے اس نے تم کو ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے بے شک تم گمراہ تھے، پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو، وہ غفور اور رحیم ہے۔

قربانی کے جانور کو چوں کہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے، اس لیے اس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے، یہ رسم اسلام کے زمانہ تک قائم رہی، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو سفرِ حج میں دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کے ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جا رہے ہیں، آپؐ نے ان سے فرمایا کہ "سوار ہو لو" بولے "یہ قربانی کے اونٹ ہیں" آپؐ نے دوبارہ فرمایا، انھوں نے دوبارہ وہی عذر کیا، آپؐ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ "بیٹھ لو" (۳)

قریش نے ایک قسم کا حج ایجاد کر لیا تھا، جس کو حج مُصۡمِت کہتے تھے، یعنی جو شخص حج کرتا تھا، وہ آغازِ حج سے اخیر تک منھ سے کچھ بولتا نہ تھا، اسلام نے اس تکلیفِ مالایطاق سے منع کیا، صحیح بخاری میں ہے، کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے احمس کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا، دیکھا کہ کسی سے

---

(۱) تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۵۲ مطبع نول کشور ۱۲۸۲ھ (یہ رسم یہودیوں سے آئی تھی، لاویین ۱۷۔۱۶ تاریخ دوم ۲۹، ۲۲) (۲) صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الحج ص ۲۲۶ (۳) بخاری کتاب الحج باب رکوب البدن ج ۱ ص ۲۲۹۔

بات چیت نہیں کرتی، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مصمت کی نیت کی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کہا کہ "یہ جائز نہیں، یہ زمانۂ جاہلیت کی بات ہے۔" (۱)

(سب سے بڑی بے حیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (احمس) کے سوا عام عرب مرد وزن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے، حدودِ حرم میں آکر تمام لوگ اپنے کپڑے اتار ڈالتے تھے اور عاریتاً کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے، اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے، عورتیں بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھیں اور یہ شعر گاتی جاتی تھیں:

الیوم یبدو بعضہ او کلہ	وما بدا منہ فلا احلہ
آج کچھ حصہ اس کا یا پورا کھلے گا	اور جو کھلا ہے اس کو میں حلال نہیں کرتی

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: (۲)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (اعراف ۷: ۳۱)	اے آدم کے بیٹو! مسجدوں میں کپڑے پہن لیا کرو۔

اس بنا پر ۹ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو بھیجا، انھوں نے عین موسم حج میں اعلان کیا کہ آئندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے گا۔) (۳)

معاملات

شریعت کی تکمیل میں جو تدریج ملحوظ رہی، اس کے لحاظ سے (وراثت، نکاح وطلاق) قصاص وتعزیرات (وغیرہ) کے احکام بعثت کے بہت بعد آئے، (سبب یہ ہے کہ ان احکام کے اجرا کے لیے ایک نافذ الامر قوت کی ضرورت تھی، جو اَب تک اسلام کو حاصل نہیں ہوئی تھی، غزوۂ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشو ونما شروع ہوا) ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں جو احکام نازل ہوئے وہ تحویلِ قبلہ، فرضیتِ روزہ، زکوٰۃِ فطر، نماز عید اور قربانی تھی، تیسرے سال سے جب اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریث کا قانون قرآن مجید میں نازل ہوا۔

---

(۱) بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ باب ایام الجاھلیۃ ج ۱ ص ۵۴۱ (۲) یہ پورا واقعہ اور شانِ نزول نسائی، کتاب مناسک الحج میں ہے، ج ۲ ص ۴۰ مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۲ھ (۳) صحیح مسلم کتاب الحج (ج ۱ ص ۵۱۷) وصحیح بخاری کتاب المناسک (ج ۱ ص ۲۲۰) اور تمام حدیث کی کتابوں میں باب لایطوف بالبیت عریان میں مذکور ہے۔

وراثت: (مسلمان جب ابتداءً مدینہ آئے ہیں تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے، ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے، اس حالت میں اقرباء اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیوں کر نافذ ہوسکتا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، تو آپؐ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات (برادری) قائم کردی، جس کے رو سے یہ قاعدہ مقرر ہوگیا کہ کوئی انصاری مرتا تو اس کی وراثت مہاجرین کو ملتی (۱) عرب میں پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں عہد کرلیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، ان میں سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا لیکن ۳ رہجری میں قرآن کی اس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کردیا۔)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (انفال ۸: ۷۵) قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔

اس کے رو سے مواخات کی بنا پر وراثت موقوف ہوگئی اور خاندان اور ذوی الارحام میں وراثت محدود ہوگئی۔

(آیتِ توریث کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا، یعنی مرنے والا اپنے مال وجائداد کی نسبت یہ وصیت کرجاتا کہ اس میں سے اتنا اس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے، مرنے کے بعد اسی طریقہ سے اس کی جائداد تقسیم کردی جاتی، مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کرجانا فرض تھا:)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ. (بقرہ ۲: ۱۸۰)

مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے بہ طریق مناسب وصیت کرجائے، متقی لوگوں پر یہ فرض ہے۔

جو لوگ حالتِ مسافرت میں مرجاتے ہیں، ان کے لیے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن میں مقرر کیا گیا ہے، گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا، چنانچہ سورۃ البقرہ اور مائدہ میں اس کی پوری تفصیل ہے، غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کافی ترقی ہوتی گئی، خاندان کے خاندان مسلمان ہوگئے، اس لیے وارثت کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی، پھر وصیت کے قاعدہ میں

(۱) یہ مفسرین کا بیان ہے لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ حکم حسب ذیل آیت کریمہ سے منسوخ ہوا: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ (نساء ۴: ۳۳) دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیتِ مذکور ج ۲ ص ۶۵۹۔

بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیمِ جائداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا، مثلاً جہاد میں سیکڑوں مسلمان شریک ہوئے، اب کس کو معلوم ہے کس کو شہادت ہوگی، اس حالت میں وصیت نہ کر جانے سے رشتہ داروں میں جس کا قابو چل جاتا وہ جائداد پر قبضہ کر لیتا، چنانچہ غزوۂ احد میں یہی موقع پیش آیا، سعد بن الربیعؓ جو بہت دولت مند صحابی تھے، (اس جنگ میں) شہید ہوئے، ان کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں کہ سعد آپؐ کی خدمت میں شہید ہوئے، انھوں نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائداد پر قبضہ کر لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''خدا فیصلہ کرے گا'' پھر (غالباً ۴ ہجری میں) یہ آیت نازل ہوئی (۱) جس میں وراثت کے تمام احکام مذکور ہیں۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ. الخ (نساء ۴:۱۱) خدا تم کو تمہاری اولاد کی نسبت حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔

آنحضرت ﷺ نے سعد کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ سعد کے متروکہ میں سے دو تہائی ان کی بیٹیوں اور آٹھواں حصہ ان کی بیوی کو دو، اس کے بعد جو بچ رہے، وہ تمہارا حق ہے۔ (۲)

اہلِ عرب عورتوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے، دنیا کی اور اکثر قوموں میں بھی یہی دستور تھا، یہ پہلا دن ہے کہ اس صنفِ ضعیف کی دادرسی کی گئی۔

وصیت: احکامِ وراثت کے بعد بھی وصیت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقینِ وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا، اس لیے وصیت کی تجدید کی ضرورت تھی، ۱۰ ہجری میں حضرت سعدؓ

---

(۱) آیتِ میراث کے شانِ نزول میں احادیث میں تین واقعے مروی ہیں، اول یہ کہ حضرت جابرؓ ۱۰ ہجری میں بیمار پڑے تو آیت اتری، یہ روایت تمام صحاح ستہ میں ہے لیکن درحقیقت اس روایت میں راویوں سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے، کیوں کہ وراثت ۱۰ ہجری سے پہلے جاری ہو چکی تھی اور دوسرے یہ کہ حضرت جابرؓ اس وقت تک لاولد تھے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کا واقعہ وراثت کی ایک خاص صورت لاولدیت (یعنی کلالہ) سے متعلق ہے، جیسا کہ مسلم کی دوسری روایتوں میں (کتاب الفرائض باب میراث الکلالۃ ج ۲ ص ۲،۳) اس کی تصریح ہے، دوسرا شانِ نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسانؓ کے بھائی عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کحہ کی فریاد پر یہ آیت اتری، یہ روایت طبری وغیرہ کی ہے (تفسیر ابن جریر ج ۴ ص ۱۷۱ مطبع میمنیہ مصر) جو گو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن ربیع کے علاوہ اور واقعے بھی اس قسم کے پیش آئے ہوں، تیسرا شانِ نزول یہی سعد بن ربیع کا واقعہ ہے جو ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲ کتاب الوصایا باب ماجاء فی الثلاث، ترمذی حاکم اور مسند احمد میں مذکور ہے) ''س'' (۲) اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۷۸۔

(عامر کے والد) بیمار ہوئے، آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو گئے، انھوں نے عرض کی کہ میں مر رہا ہوں اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے، چاہتا ہوں کہ صرف دو تہائی مال خیرات کردوں، آنحضرت ﷺ نے اجازت نہیں دی، انھوں نے کہا تو نصف، آپ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا، انھوں نے کہا ایک تہائی، آپ نے فرمایا یہ بھی بہت ہے "وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھریں" (۱) تاہم یہ مقدار آپؐ نے جائز رکھی، اس وقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہوگئی۔

وقف: (وقف شریعت کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا، اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شائبہ تک موجود نہیں، اس بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقۂ وقف کا موجد ہے (۲) اسلام میں وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے، آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں مسجد نبویؐ کی بنیاد جس زمین میں رکھی تھی وہ دو یتیموں کی ملکیت تھی، آپؐ نے قیمت دینی چاہی لیکن انھوں نے کہا:

لا واللہ لانطلب ثمنہ الا الی اللہ. (۳) — نہیں ہم خدا کی قسم قیمت نہ لیں گے ہم اس کی قیمت خدا ہی سے لیں گے۔

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت میں تھا، چنانچہ امام بخاریؒ اس حدیث کو وقفِ مشاع (مشترکہ جائداد کا وقف) کے ثبوت میں لائے ہیں، اس کے بعد ۴ھ ہجری یا ۵ھ ہجری میں جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (آل عمران ۳:۹۲) — تم نیکی اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک وہ خدا کی راہ میں نہ دے دو جو تم کو سب سے محبوب ہے۔

تو ابوطلحہؓ صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی "یارسول اللہ ﷺ بیرحا (۴) مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہوں، آپؐ جس مصرف میں چاہیں اس کو رکھیں" چنانچہ آپ کے مشورہ سے انھوں نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔

---

(۱) بخاری ج ۱ کتاب الوصایا باب ان یترک ورثۃ اغنیاء الخ ج ۱ ص ۳۸۳ (۲) الوصیۃ والوقف ص ۳۰۴ ۔ "ک، ص"
(۳) بخاری کتاب الوصایا باب وقف الأرض للمسجد ج ۱ ص ۳۸۹ ۔ "ک، ص" (۴) ایک زمین کا نام ہے، جو مدینہ میں واقع تھی۔

اب تک وقف کے لیے جوالفاظ استعمال ہوئے تھے، وہ صرف یہ تھے کہ ''وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دیا گیا لیکن ۷ ؍ہجری میں غزوۂ خیبر کے بعد اس کی حقیقت بالکل واضح کردی گئی، خیبر میں حضرت عمرؓ کو ایک زمین ملی تھی، حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کرنا چاہا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا:

ان شئت حبست اصلها و تصدقت بها　　اگر چاہو اصل جائداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کرو۔

چنانچہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائداد وقف ہوئی:

انه لا يباع اصلها و لا يوهب و لا يورث. (۱)　　اصل جائداد نہ بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں بانٹی جائے۔)

نکاح وطلاق:　　نکاح کے متعلق جو اصلاحی احکام آئے ان کی تفصیل اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی، یہاں اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کئی قسم کے نکاح کے طریقے جاری تھے، جن میں سے ایک کے سوا سب زنا کے مشابہ تھے، سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا، متعہ (۲) جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آتا تھا، بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا، یہاں تک کہ ۷ ؍ہجری غزوۂ خیبر میں قطعاً حرام ہوگیا، اگرچہ اس پر بھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں منبر پر کہا کہ ''میں متعہ کو حرام کرتا ہوں یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک میں شائع نہ ہوسکی میں آج اس کا اعلان کرتا ہوں۔'' (۳)

نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً محرماتِ شرعی کا بیان، منھ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا، کثرتِ ازدواج کی تحدید، تعدادِ طلاق کی تعیین، زمانۂ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقۂ طلاق جس میں اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغ گوئی کا دعویٰ کرنا، یہ تمام تفصیلیں اصلاحات کے تحت میں آئیں گی، یہاں صرف اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ یہ تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور ان کے نزول کا زمانہ ۴ ؍ہجری اور ۵ ؍ہجری ہے۔

حدود وتعزیرات:　　دنیا (۴) کے مادی خزانہ میں انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں،

---

(۱) یہ تمام حدیثیں بخاری کتاب الوصایا باب الوقف ج ا ص ۳۸۹ میں ہیں (۲) محدود الوقت نکاح (۳) صحیح مسلم کتاب النکاح، باب نکاح المتعة ج ا ص ۵۳۵ (۴) اضافہ تا ختم باب حلال وحرام)

حدود اور تعزیرات کے اکثر قوانین ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی میں اتر چکا تھا، معراج کے سلسلہ میں جو اخلاقی احکام بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳)

خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے، اس کو ناحق نہ مارو اور جو ناحق مارا جائے اس کے وارث کو ہم نے اختیار دیا، چاہیے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے، اس کی مدد کی جائے۔

عرب میں اسلام سے پہلے بھی قتل وقصاص کے کچھ قوانین موجود تھے، یہود جو اس ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، تورات کے حدود وتعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب میں چوں کہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی، اس لیے وہ ان احکام کا نفاذ نہیں کر سکتے تھے، مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصلِ مقدمات کے لیے بارگاہِ نبوت کی طرف رجوع کیا، آپؐ ان کے مقدمات عموماً تورات کے احکام کے مطابق فیصل کر دیتے تھے۔

عرب میں ایک شخص کا قتل صدہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا، اس لیے غزوۂ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤں میں حاکمانہ زور آچلا تھا، قصاص کا حکم نازل ہوا، یاد ہوگا کہ اطرافِ مدینہ میں بنوقریظہ اور بنونضیر دو یہودی قبائل رہتے تھے، ان دونوں میں بنونضیر معزز سمجھے جاتے تھے، اس لیے کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کر ڈالتا، تو اس کو بنونضیر مار ڈالتے تھے اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قریظی قتل ہو جاتا تو چھوہاروں کے سو وسق خوں بہا دیتے، مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، لوگوں نے اس کا مرافعہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا، اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتیں اتریں، ان میں سے ایک آیت یہ ہے: (۱)

وَكَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔ (مائدہ ۵: ۴۵)

ہم نے ان کو تورات میں حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم۔

یہ حکم گو یہودیوں کے لیے تھا لیکن ایک اور آیت نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی الخ (بقرہ ۲: ۱۷۸)

مسلمانو! تم پر مقتولین میں مساوات اور برابری کا حکم دیا جاتا ہے۔

---

(۱) ابوداؤد کتاب الدیات باب النفس بالنفس، ج ۲ ص ۱۵۷۔

اس حکم نے مساوات اور عدل کے پلے کو دنیا میں ہمیشہ کے لیے برابر کر دیا۔

یہودیوں میں خوں بہا (دیت) کا قانون (۱) نہ تھا، لیکن عرب میں یہ قانون تھا اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ. (بقرہ۲:۱۷۸)

اس کے بھائی (یعنی اولیائے مقتول) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اس کی پابندی خوبی کے ساتھ کرنا اور بطور احسن اس کو ادا کر دینا چاہیے۔

اب تک قتل عمد اور قتل شبہ (یعنی غلطی سے قتل) میں کوئی تفریق نہ تھی، ۶ ر ہجری میں ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا اور ایک مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی کا قتل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے مقتول کے بھائی کو خوں بہا دے کر راضی کر لیا، اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا اور غداری سے انصاری کو قتل کر کے قریش میں جا کر مل گیا، ان واقعات کی بنا پر قتل شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا. (نساء۴:۹۲،۹۳)

کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو مار ڈالے لیکن غلطی سے، اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا تو ایک مسلمان غلام آزاد اور خوں بہا اس کے وارثوں کو ادا کرنا چاہیے لیکن یہ کہ وہ معاف کریں تو خیر، اگر مقتول خود مسلمان اور کسی دشمن قوم سے ہو تو صرف ایک غلام آزاد کرو، اور اگر ایسی قوم سے ہو جس سے تم سے معاہدہ ہو تو خوں بہا دینا اور ایک غلام آزاد کرنا چاہیے اگر قاتل کو یہ مقدور نہ ہو تو پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں کہ خدا اس کی طرف رجوع ہو، خدا علم و حکمت والا ہے اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے، ہمیشہ اس میں رہے گا، خدا اس پر اپنا غضب اور لعنت بھیجے گا اور اس کے لیے بڑا عذاب اس نے مہیا کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ قصاص وقتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم تھا، حفاظتِ جان کا اعلان فتحِ مکہ کے موقع پر ہوا، جب آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''زمانۂ جاہلیت کے تمام خون میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں'' اس کے بعد قتل خطا مشابہ بہ قتل عمد کے خوں بہا کی

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ الخ ج۲ ص۶۴۲۔

تحدید (۱) فرمائی، قتل خطا کا خوں بہا اہل قریہ کے لیے ۴۰۰ دینار مقرر کیا (۲)

۶ ہجری تک رہزنوں کے لیے کوئی حد مقرر نہ تھی، ۶ ہجری میں عکل و عرینہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آ کر مسلمان ہوئے، یہاں کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی، آنحضرت ﷺ نے شہر سے باہر چراگاہ میں ان کو قیام کی اجازت دی، ایک موقع پر مسلمان چرواہوں کو طرح طرح سے عذاب دے کر بڑی بے رحمی سے مار ڈالا اور مویشی لوٹ کر لے گئے، وہ گرفتار ہو کر آئے، آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا، گو یہ برابر کا انتقام تھا، تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی، اس لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور ڈاکوؤں کے لیے علاحدہ احکام نازل ہوئے۔ (۳)

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ. (مائدہ ۵:۳۳)	ان لوگوں کی سزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑائی لڑتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا پھانسی دیے جائیں یا ان کے ادھر کے ہاتھ اور ادھر کے پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے الگ کر دیے جائیں یعنی قید ہوں یا جلاوطن کیے جائیں۔

جان کے بعد مال کا درجہ ہے، اسلام سے پہلے عرب میں چوروں کے لیے قطع ید کی سزا جاری تھی، اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (مائدہ ۵:۳۸)، ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا، چوں کہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی، اس لیے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا، حضرت اسامہؓ بن زید آنحضرت ﷺ کے بہت چہیتے تھے، ان سے سفارش کرائی گئی، آپؐ بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ "تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا، کہ وہ نیچے طبقہ کے لوگوں پر تو احکام جاری کرتے لیکن اوپر درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگذر کرتے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا" اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے بے چوں وچرا اس حکم کی تعمیل کی۔ (۴)

عربوں میں زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی، یہودیوں میں توراۃ کی رو سے زانی کی سزا "رجم" یعنی (سنگسار کرنا) مقرر تھی لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس حکم کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے، اطراف

(۱) ابوداؤد کتاب الدیات، باب فی دیۃ الخطا شبہ العمد ج ۲ ص ۱۶۳ (۲) ابوداؤد دیات الاعضاء ج ۲ ص ۱۶۵
(۳) ابوداؤد کتاب الحدود باب المحاربہ ج ۲ ص ۱۴۴ (۴) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح ج ۲ ص ۶۱۶۔

مدینہ میں جو یہود آتے تھے، رجم کے بجائے انھوں نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منہ میں کالک لگا کر کوچہ وبازار میں اس کی تشہیر کرتے تھے، جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انھوں نے ایک مجرم کا مقدمہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا، غالباً یہ ۳ رہجری کے اندر کا واقعہ ہے، آپؐ نے استفسار فرمایا کہ تمہاری شریعت میں اس جرم کی کیا سزا ہے، انھوں نے اپنا رواج بتایا، آپ نے توراۃ منگوا کر ان سے پڑھوایا، انھوں نے رجم کی آیت پر انگلی رکھ کر چھپادی، آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی، آپؐ نے فرمایا ''خداوندا! یہ تیرا حکم ہے، جس کو ان لوگوں نے مردہ کر دیا ہے، میں سب سے پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں گا'' (۱) چنانچہ آپؐ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگ سار کیا گیا۔

۵ رہجری میں سورۂ نور نازل ہوئی، جس میں زنا کی سزا سو (۱۰۰) درّے قرار دی گئی، حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رجم کی سزا بھی قرآن نے باقی رکھی تھی لیکن اس کی تلاوت (۲) منسوخ ہوگئی، بہرحال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے سو (۱۰۰) درّے اور بیاہوں کے لیے رجم کا حکم ہے (۳) چنانچہ ۷ رہجری میں ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور گو لوگوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب پر اس نے ترجیح دی اور مجمع عام میں آکر بارگاہِ نبوت میں عرض پرداز ہوا کہ یارسول اللہ میں گنہ گار ہوں، مجھے پاک کیجیے'' آپ نے تحقیق فرمائی اور اس کے رجم کا حکم دیا۔ (۴)

شراب ۴ رہجری میں حرام ہوئی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شراب خواری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی، چالیس (۴۰) درّے تک لوگوں کو اس جرم میں مارے گئے ہیں، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اسّی (۸۰) درّے کر دیئے تھے (۵) قذف یعنی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا ۵ رہجری میں نازل ہوئی: (۶)

---

(۱) ابوداؤد باب فی رجم الیہودیین ج ۲ ص ۱۵۲ (۲) صحیح بخاری کتاب المحاربین باب رجم الحبلیٰ من الزنا اذا احصنت ج ۲ ص ۱۰۰۹ (۳) تمام کتب حدیث میں یہ مذکور ہے (۴) صحیح بخاری، کتاب المحاربین باب رجم المحصین ج ۲ ص ۱۰۰۶، ۷ رہجری کی تحدید میں کہیں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے، یہ سنہ اس قیاس سے شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابوہریرہؓ مدینہ میں موجود تھے اور یہ ثابت ہے کہ وہ اسی سال بہ زمانہ فتح خیبر مدینہ میں آئے تھے (۵) ابوداؤد اذا تتابع فی شرب الخمر ج ۲ ص ۱۵۶ (۶) واقعۂ افک اسی سال ہوا تھا اور یہ آیت اسی تعلق سے نازل ہوئی ہے، اس لیے اس کے لیے ۵ رہجری کا زمانہ متعین کیا گیا۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا. (نور۲۴:۴)

جولوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی درّے مارو اور پھر کبھی ان کی گواہی نہ قبول کرو۔

دنیا میں تین چیزیں ہیں، جان، مال اور آبرو، جن حدود وتعزیرات کا اوپر ذکر ہوا، وہ ان ہی تین چیزوں کے تحفظ کے لیے ہیں، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ان قوانین کے نزول کے بعد ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر حرم کے اندر ماہ حرام کی تاریخوں میں فرمایا:

"مسلمانو! ہر مسلمان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قابل حرمت ہے، جس طرح اس محترم شہر میں، اس احاطہ حرم کے اندر یہ مقدس دن قابل حرمت ہے" (۱)

حلال وحرام

ماکولات میں حلال وحرام: عرب میں کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی شے حلال یا حرام تھی، مردار اور حشرات الارض تک کھاتے تھے، البتہ بعض بعض جانور جن کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے، ان کا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے، بعض جانوروں میں یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھاسکتے ہیں، عورتیں نہیں، اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد عورت دونوں کھاسکتے ہیں اور زندہ ہو تو صرف مرد کھائیں، اسی قسم کے اور بعض بت پرستانہ رسوم تھے، سورۂ انعام میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی، ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے، اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ میں اترے لیکن ماکولات کی حلت وحرمت کے احکام مکہ ہی میں اترنے شروع ہو چکے تھے، چنانچہ سورۂ انعام میں مشرکین کے ان رسوم کی تردید کے بعد حکم آیا:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.

(انعام۶: ۱۴۶)

کہہ دے کہ مجھ پر جو وحی اتری ہے، اس میں کسی کھانے والے پر کوئی شے حرام نہیں، ہاں اگر حرام ہے تو مردار یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت، کیوں کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں، یا وہ گناہ (کا جانور) جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا جائے وہ بھی حرام ہے لیکن جو بھوک سے لاچار ہو کر نافرمانی اور گناہ کے ارادے سے نہیں ان میں سے کچھ کھالے تو تیرا پروردگار معاف کرنے والا اور رحم والا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع ج۲ص ۷۳۲۔

مشرکین کو سب سے زیادہ تعجب اس پر ہوا کہ جو آپ سے مرجائے اس کو حرام کہتے ہیں اور جس کو خود اپنے ہاتھ سے ماریں اس کو حلال جانتے ہیں حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں اس پر یہ آیت اتری:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ. وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ. (انعام ۶: ۱۱۹، ۱۲۰)	جو جانور خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ کھاؤ اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہو، جو خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ کیوں نہ کھاؤ، خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے، اس کو تو وہ بیان ہی کر چکا۔

اس کے بعد مکہ معظمہ ہی میں سورۂ نحل کی آیت فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ الخ (نحل ۱۶: ۱۱۴) نازل ہوئی، جس میں اسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا اور یہی چار چیزیں مردار، خون، سور اور بتوں پر چڑھاوے حرام بیان کی گئیں، مدینہ طیبہ میں آ کر پہلے سورۂ بقرہ میں اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ (بقرہ ۲: ۱۷۳) میں تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کیے گئے، عرب میں حلال وحرام کی تمیز کم تھی، وحشت وجہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب عام غربت اور افلاس تھی، اس لیے مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی، حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی، لوگ عموماً مردار اسی کو سمجھتے تھے، جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مرجائے اس لیے اگر اور کسی سبب سے جانور مرجاتا تو اس کو حرام نہیں سمجھتے، ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورۂ مائدہ میں مردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی یعنی یہ کہ وہ گلا گھٹنے سے مرا ہو، وَالْمُنْخَنِقَةُ یا گردن ٹوٹنے سے مرا ہو، وَالْمَوْقُوْذَةُ یا اوپر سے گر کے مرا ہو، وَالْمُتَرَدِّيَةُ یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مر گیا ہو، وَالنَّطِيْحَةُ یا کسی جانور نے اس کو پھاڑ ڈالا ہو وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ صرف وہ جانور حلال ہے، جس کو تم نے ذبح کیا، اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ۔

۷ھ ہجری میں جب مسلمانوں کو خیبر کی فتوحات اور جاگیریں ہاتھ آئیں تو جانوروں میں بھی حلال وحرام کی تفریق کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدہا، درندہ جانور اور پنجہ دار پرند حرام ہیں، ۸ھ ہجری میں فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا، اسلام قبول کیا اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے، یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے اور ان سے شکار کرتے تھے، اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہیں، انھوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا حال عرض کیا، اس پر یہ آیت اتری: (۱)

(۱) یہ واقعہ لباب النقول فی اسباب النزول، علامہ جلال الدین سیوطی، برحاشیہ تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۱۰۰ پر درج ہے۔ مطبعہ میمنیہ، مصر۔ ''ک، ص''

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ. (مائدہ ۵:۴)

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا کہہ دے کہ تمام ستھری چیزیں۔

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہوں اور خدا کا نام لے کر چھوڑے جائیں تو ان کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے۔)(۱)

شراب کی حرمت: مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً تعدد ازواج وغیرہ) نفس پرستی کے مؤید تھے، اس لیے عرب کو اس کے قبول کرنے میں کوئی ایثار درکار نہ تھا، بلکہ اسلام وہی کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے، اس بحث کی تحقیق آگے آئے گی، یہاں صرف تاریخی حیثیت سے شراب کی حرمت کا واقعہ ذکر کرنا مقصود ہے۔

عرب کو شراب سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی، تمام ملک اس مرض میں مبتلا تھا، عرب کی شاعری کا موضوع اعظم شراب ہے، مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بہ تدریج آئے ہیں، اس لیے شراب بھی بہ تدریج حرام کی گئی۔

مدینہ میں شراب خواری کا رواج کسی قدر زیادہ تھا، بڑے بڑے شرفا علانیہ شراب پیتے تھے، عرب میں ایسے بھی نیک لوگ تھے، جنھوں نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتقا سمجھتے تھے، ابھی تک اسلام نے اس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہیں سنایا تھا، لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے حضرت عمرؓ نے کہا:

اللّٰھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا. (۲)

اے خدا شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی بیان کردے۔

اس پر یہ آیت اتری:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا.

(بقرہ ۲:۲۱۹)

لوگ تم سے شراب اور جوے کی بابت دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لیکن فائدے سے گناہ بڑھ کر ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے، ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کی دعوت کی جس میں شراب بھی تھی، کھانے کے بعد مغرب کا وقت آگیا اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی، لیکن نشہ کے خمار میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے

(۱) حوالوں کے لیے ان آیتوں کے شان نزول تفسیروں میں دیکھو (۲) فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۰ ''ک ،ص''

(حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی کہ خدایا شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کردے) اس پر یہ آیت اتری:

لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ. (نساء۴:۴۳)

نشہ کی حالت میں تم نماز نہ پڑھو، یہاں تک کہ جو تم کہو اس کو سمجھ بھی سکو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا، کہ "کوئی مخمور نماز میں نہ شامل ہونے پائے" (۱) لیکن چوں کہ عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے سوا باقی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے، حضرت عمرؓ نے پھر وہی دعا کی، اسی زمانہ میں کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوئے کہ آپس میں مار پیٹ تک نوبت (۲) پہنچ گئی، اس پر (۳) یہ آیت اتری:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. (مائدہ۵:۹۰۔۹۱)

مسلمانو! بے شبہہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں، تو تم ان سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو بولو، تم باز آتے ہو۔

(ان آیتوں کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی) اسی وقت آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی گلی کوچوں میں منادی کرادی کہ آج سے شراب حرام ہے لیکن بااین ہمہ شراب کی تجارت اور خرید وفروخت جاری تھی، ۸ھ ہجری میں یہ بھی حرام ہوگئی، آپؐ نے مسجد نبویؐ میں لوگوں کو جمع کر کے اس کا اسی وقت اعلان کیا (۴) اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپؐ نے علی الاعلان ان چیزوں کی تجارت کی ممانعت فرمائی، جن کا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے، آپؐ نے فرمایا:

ان اللّٰہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام. (۵)

خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سور، اور بتوں کی خرید وفروخت حرام کردی۔

---

(۱) یہ پورا واقعہ ابوداؤد کتاب الاشربہ باب فی تحریم الخمر ج۲ص۸۳ میں مذکور ہے (۲) صحیح مسلم ج۲ص۳۲۸ کتاب الفضائل ذکر سعد وقاصؓ (۳) ابوداؤد میں پوری آیتیں نہیں مذکور ہیں بلکہ چند الفاظ نقل کر کے پوری آیت کی طرف اشارہ کردیا ہے، ج۲ص۸۳ (۴) صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا ج۲ص۶۹۱ تفسیر آیت الربوا وصحیح مسلم کتاب البیوع باب تحریم بیع الخمر ج۱ص۶۲۹ میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اواخر سورہ بقرہ کے نزول کے بعد جس میں حرمت ربوا کا حکم ہے یہ اعلان فرمایا، یہ آیتیں ۸ھ ہجری میں نازل ہوئی ہیں "س" (۵) صحیح بخاری کتاب البیوع باب بیع المیتة والاصنام ج۱ص۲۵۸ وصحیح مسلم کتاب البیوع باب تحریم بیع الخمر والمیتة والاصنام ج۱ص۶۲۹۔

غور کرو! شراب کی حرمت کس طرح اعلان عام کے ساتھ عمل میں آئی بااین ہمہ ابھی تک یہ نہیں متعین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے، محدثین اورارباب روایت اس امر میں نہایت مختلف الآراء ہیں۔(۱)

حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب التفسیر سورۂ مائدہ باب لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الخ (جلد ۸ص ۲۰۹) میں لکھتے ہیں:

وَالذی یظهر ان تحریمها کان عام الفتح سنة ثمان کما روی احمد من طریق عبدالرحمن بن وعلة قال سالت ابن عباس عن بیع الخمر فقال کان لرسول الله ﷺ صدیق من ثقیف او دوس فلقیه یوم الفتح بروایة خمر یهدیها الیه فقال یافلان اما علمت ان الله حرمها، الخ

اور بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت فتح مکہ کے زمانہ ۸/ہجری میں ہوئی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام احمدؒ نے عبدالرحمٰن بن وعلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ شراب کا بیچنا کیسا ہے تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے ایک دوست تھے، جو ثقیف یا دوس کے قبیلہ سے تھے، وہ آنحضرت ﷺ سے فتح مکہ میں ملے اور ایک مشک شراب تحفہ میں پیش کی، آپؐ نے فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے۔

ہماری رائے میں حافظ ابن حجر کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہیں، اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہیں معلوم ہوا تھا (۲) یہ

---

(۱) سیرۃ النبی جلد اول میں حرمت شراب کی دو تاریخیں دو مختلف مقامات پر لکھی گئی ہیں، ص ۲۷۲ میں ۴ھ اور ص ۳۶۲ میں ۸ھ لکھا گیا ہے، پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہے، دوسرا علامہ ابن حجر کی تحقیق ہے لیکن مصنفین سیرۃ النبی کی اصلی تحقیق یہاں مذکور ہوئی ہے اور وہ اس باب میں عام محدثین کے ساتھ ہیں، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ''س'' (۲) مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہے، جن صاحب کا یہ واقعہ ہے وہ قبیلہ ثقیف یا دوس سے تھے، ثقیف کا قبیلہ ۸/ہجری میں مسلمان ہوا اور دوس گو بہت پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے، اس کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی ہے جس کی طرف ہمارے محدثین نے توجہ نہیں کی ہے، وہ یہ ہے جیسا کہ ہم متن میں پہلے لکھ آئے ہیں کہ شراب کا پینا گو ۴ھ میں حرام ہو چکا تھا لیکن شراب کی تجارت بند نہیں ہوئی تھی، چنانچہ یہ صاحب بھی مے فروش تھے، شراب کی خرید و فروخت، ممانعتِ ربا کی حرمت کے ساتھ عمل میں آئی اور ربا کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی، یعنی ۸ھ میں شراب فروشی کی ممانعت مدینہ میں اسی وقت کر دی گئی لیکن اس کا عام اعلان آپؐ نے فتح مکہ کے زمانہ میں فرمایا، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں بہ تصریح مذکور ہے (دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت ربا، باب بیع المیتة والاصنام ج ۲ص ۶۶۴ اور صحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر ج ۱ص ۶۲۹) حافظ ابن حجر جو اس بات کے قائل ہیں کہ شراب کی حرمت ۸/ہجری میں نازل ہوئی، وہ خود جلد اول ص ۴۶۱ میں قاضی عیاض کے جواب میں لکھتے ہیں، قلت ویحتمل ان یکون تحریم التجارة فیها تاخر عن وقت تحریمها واللّٰه اعلم ''یعنی ممکن ہے کہ شراب پینے کی حرمت کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی ہو'' صحیح مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے (کتاب البیوع باب تحریم بیع الخمر ج ۱ص ۶۲۸) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے اور اس کی خرید و فروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی لیکن اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور جابر بن عبداللہؓ سے جو روایتیں ہیں۔ (حاشیہ صفحہ ۱۱۳ پر)

کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت حرمت نازل بھی نہیں ہوئی تھی، بہت سے احکام ہیں جن کی خبر دور کے رہنے والوں کو بہت دیر کے بعد ہوئی۔

علاوہ اس کے خود بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی، یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ شراب جیسی ناپاک چیز ۸/ہجری تک حلال رہتی اور آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی، حقیقت میں شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہو چکی تھی۔(۱)

سودخواری کی حرمت: سودخواری (۲) بھی ان اخلاق ذمیمہ میں سے ہے، جو اہل عرب کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئے تھے، اسی لیے نہایت تدریج کے ساتھ اس کی حرمت کے احکام بھی اترے، قریش عموماً تجارت پیشہ تھے، ان میں جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے، وہ غریبوں اور کاشت کاروں کو بھی شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا، اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے (۳) خود آنحضرت ﷺ کے چچا عباس (اسلام سے پہلے) بہت

(حاشیہ صفحہ ۱۱۲) ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں ابوسعید خدریؓ یا ان کے بعد کے راویوں سے کسی قدر تسامح ہوا ہے، وھذا ھو الحق علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے امام احمد کی جس حدیث سے فتح مکہ میں شراب نوشی کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے، وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحریم بیع الخمر ج ۱ ص ۶۲۸) میں بھی ہے لیکن اس میں فتح مکہ کی تعیین نہیں۔

(۱) سب سے بڑی دلیل اس کی یہ ہے کہ "جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر جنگ احد میں شریک ہوئے اور اسی حالت میں مارے گئے، ان کا کیا حال ہوگا، اس پر یہ آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا، نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا واقعہ جنگ احد سے بالکل متصل تھا اور جنگ احد کا زمانہ یہی ہے، بخاری تفسیر آیت مذکور ج ۲ ص ۶۶۴ میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے:

صبح اناس غداۃ احد الخمر فقتلوا من یومھم جمیعا شھداء وذلک قبل تحریمھا.	غزوۂ احد کی صبح کو کچھ لوگوں نے شراب پی اور یہ سب اسی دن شہید ہوئے، یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا۔

اس روایت کے ساتھ حضرت انسؓ کی اس روایت کو ملاؤ جو اس کے بعد ہی واقع ہے:

فقال بعض القوم قتل قوم وھی فی بطونھم قال فانزل اللّٰہ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا الخ (بخاری ج ۲ ص ۶۶۴)	حرمتِ شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال میں مارے گئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی، اس پر یہ آیت اتری کہ مومنوں پر کچھ حرج نہیں "س"

(۲) اضافہ تا ختم سود (۳) مؤطا امام مالک کتاب البیوع باب ماجاء فی الربوا فی الدین ص ۲۷۹ مطبع (احمدی) دہلی ۱۲۶۶ھ

بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک تھے (۱) آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجروں کے سبب سے یہاں مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا، سب سے پہلے آپؐ نے چاندی اور سونے کے ادھار خرید وفروخت کو سود قرار دیا۔(۲)

پھر دوگنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اتری:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (آل عمران ۳:۱۳۰)

مسلمانو! دُگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو اور خدا سے ڈرا کرو تا کہ فلاح پاؤ۔

اس کے بعد آپؐ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ (۳) منع فرمایا، ۷؍ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا، اس وقت آپؐ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے (۴) سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸؍ہجری میں نازل ہوئے، آل عمران کے بعد سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے یہ آیت اتری:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ. (بقرہ ۲: ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان کسی کو چھو کر مخبوط بنا دیتا ہے، اس لیے کہ وہ یہ کہتے ہیں بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے، خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا، پس جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کو وہی لینا چاہیے جو پہلے دیا۔

لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہے، جب تجارت جائز ہے تو سود کیوں حرام ہے، اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گا، یہاں صرف سود کی تاریخِ حرمت سے بحث ہے، بہرحال اس آیت میں بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہ ہوا، آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸؍ہجری میں یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ. (بقرہ ۲:۲۷۸،۲۷۹)

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو اگر تم سچے مومن ہو، اگر یہ نہ کرو تو خدا اور رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

---

(۱) ابن جریر طبری آیتِ ربوا ج۳ ص۶۵ (۲) صحیح مسلم کتاب البیوع باب الصرف وبیع الذہب والورق نقدا ج۱ ص۶۳۲
(۳) صحاح کتاب البیوع صحیح مسلم کتاب البیوع باب بیع الطعام مثلا بمثل ج۱ ص۶۳۳ (۴) صحیح مسلم کتاب البیوع باب بیع القلادۃ فیھا خرز ج۱ ص۶۳۳۔

یہ آیت جب اتری تو آپؐ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا(۱) ۹ رہجری میں اہل نجران سے جو معاہداتِ صلح ہوئے، ان میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ''سود نہ لیں گے (۲) ذی الحجہ ۱۰ رہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب میں جس قدر سودی معاملات تھے آپؐ نے سب کو کالعدم قرار دیا۔(۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلۂ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔(۴)

⟨☆⟩

---

(۱) صحیح بخاری کتاب البیوع باب تحریم التجارۃ فی الخمر ج ۱ ص ۲۹۷ و مسلم باب تحریم بیع الخمر ج ۱ ص ۶۲۸ حوالہ مذکور (۲) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب اخذ الجزیۃ ج ۲ ص ۳۰ (۳) ابن ہشام ج ۲ ص ۳۹۰ ''ک، ص'' (۴) صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا الخ (بقرہ ۲ ص ۲۸۱) جلد ۲ ص ۶۵۲۔

سالِ اخیر حجۃ الوداع اختتام فرضِ نبوت

ذی الحجہ ۱۰ ؁ھ ہجری مطابق فروری ۶۳۲ ؁ء

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ. وَرَاَیْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا. (نصر ۱۱۰: ۱ تا ۳)

جب خدا کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل ہو رہے ہیں، تو خدا کے حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر، خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بہ ظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہیے تھی، تسبیح اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے؟ اس بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے اس آیت کے معنی پوچھے، لوگوں نے مختلف معنی بتائے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا، وہ کم سن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی ڈھارس بندھائی تو انھوں نے کہا کہ ”یہ آیت آنحضرت ﷺ کے قربِ وفات کا اعلان ہے(۱) کہ استغفار موت کے لیے مخصوص ہے۔“

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپؐ کو معلوم ہو گیا تھا (۲) کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا، اس لیے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصولِ اساسی کا

---

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ اذا جاء ج ۲ ص ۷۴۳ (۲) واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ یہ سورہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے دو برس پہلے اتری لیکن ابن قیم نے زاد المعاد ج ۱ ص ۲۴۵ میں لکھا ہے کہ ۱۰ ھ ہجری میں عین ایامِ تشریق میں اتری (یہ دوسری روایت اصل میں بیہقی کی ہے اور ابن حجر (کتاب التفسیر تفسیر اذا جاء ج ۸ ص ۵۶۶) اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے ج ۳ ص ۱۱۹، اس لیے واحدی کی روایت صحیح ہے، سیوطی نے بھی اسباب النزول میں مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی ہے کہ یہ سورہ فتحِ مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی ج ۲ ص ۱۳۳، تصریحات ائمہ واشارات حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کا طرز بیان ظاہر کر رہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہے، یعنی حجۃ الوداع سے تقریباً دو پونے دو برس پہلے، جن روایتوں میں وفات سے چند روز پہلے اس سورہ کا نازل ہونا بیان ہوا ہے، وہ روایت و درایت دونوں حیثیتوں سے ضعیف ہیں۔)“س“

مجمعِ عام میں اعلان کر دیا جائے، آنحضرت ﷺ نے ہجرت (۱) کے زمانہ سے اب تک فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔

ایک مدت تک تو قریش سدِّ راہ رہے، صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔

بہرحال (۲) ذوقعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت ﷺ حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہیں، یہ خبر دفعتاً پھیل گئی اور شرف ہم رکابی کے لیے تمام عرب امنڈ آیا، (سنیچر کے دن) ذوقعدہ کی ۲۶/تاریخ کو آپؐ نے غسل فرمایا (۳) اور چادر اور تہمد باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواجِ مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا، مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے، جو مدینہ کی میقات ہے، یہاں پہنچ کر (شب بھر اقامت فرمائی، دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کے جسم مبارک میں عطر ملا) (۴) اس کے بعد آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر قصوا پر سوار ہو کر احرام باندھا، اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے:

لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک	اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، اے خدا تیرا کوئی شریک
لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لک	نہیں، ہم حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے
لاشریک لک۔	اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ میں ہے (المناسک باب حجۃ رسول اللہ ﷺ ص ۲۲۹) کہ ہجرت سے پہلے آپؐ نے دو حج فرمائے، بعض حدیثوں میں جو یہ ہے کہ آپؐ نے ایک ہی حج کیا تھا، ترمذی ابواب الحج باب کم حج النبیؐ ص ۱۴۲، اور ابوداؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام ج ۱ ص ۱۷۷، اس سے مقصود ہجرت ہے (۲) ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۹ اور صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۴۶۷ میں حجۃ الوداع کا واقعہ نہایت تفصیل سے مذکور ہے، جس کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقر نے حضرت جابرؓ سے جب وہ نابینا ہو گئے تھے، آنحضرت ﷺ کے حج کا حال پوچھا، حضرت جابرؓ نے آلِ رسول کی محبت سے امام باقر کے گریبان کے تکمے کھولے اور ان کے سینہ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر کہا بھتیجے پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ پھر نہایت تفصیل سے حج نبویؐ کے تمام حالات بیان کیے (کتاب الحج باب حجۃ النبیؐ ج ۱ ص ۴۶۷) (اوقات کی تعیین بھی بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباسؓ، انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں میں ہے اور امام نسائی نے کتاب المناسک میں آنحضرت ﷺ کے وقت و تاریخ کے لیے خاص باب باندھا ہے، باب الوقت الذی خرج فیه النبی ﷺ ص ۴۲۳ (۳) غسل کا ذکر طبقات ابن سعد ذکر حجۃ الوداع میں ہے (جز ثانی قسم اول ص ۱۲۴) (۴) صحیح بخاری کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام ج ۱ ص ۲۰۸ و صحیح مسلم کتاب الحج باب الطیب للمحرم ج ۱ ص ۴۴۷۔

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا(۱) آنحضرت ﷺ جب لبیک فرماتے تھے، تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آوازِ بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح مکہ میں آپؐ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی، وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں، آنحضرت ﷺ ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے، سرف پہنچ کر غسل فرمایا، دوسرے دن اتوار کے روز ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا، خاندانِ ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے، آپؐ نے فرطِ محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا(۲) کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ ''اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے'' پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (بقرہ۲:۱۲۵)	اور مقامِ ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔

صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ. (بقرہ۲:۱۵۸)	صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں۔

(یہاں سے) کعبہ نظر آیا، تو یہ الفاظ فرمائے:

لاالٰه الاالله وحده لاشريک له له الملک وله الحمد يحيى ويميت وهو على كل شيء قدير لااله الاالله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده. (۳)	خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے سلطنت اور ملک اور حمد ہے، وہ مارتا ہے اور جلاتا ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے، کوئی خدا نہیں، مگر وہ اکیلا خدا، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔

صفا سے اتر کر مروہ تشریف لائے، یہاں بھی دعا وتہلیل کی، اہلِ عرب ایامِ حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے، صفا ومروہ کے طواف وسعی سے فارغ ہو کر آپؐ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، عمرہ تمام کر کے احرام اتار دینے کا حکم دیا، بعض صحابہؓ نے گذشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر

(۱) کم وبیش ایک لاکھ مسلمان شریکِ حج تھے (۲) نسائی میں کتاب المناسک باب استقبال الحج ص۴۵۵ (۳) ابوداؤد کتاب المناسک باب صفة حجة النبی ﷺ ج۱ص۱۹۰ وسنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب حجة رسول الله ﷺ ص۲۲۸۔

اس حکم کی بجا آوری میں معذرت کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا'' (۱) حضرت علیؓ حجۃ الوداع سے کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے، اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے، چوں کہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، اس لیے انھوں نے احرام نہیں اتارا، جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپؐ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا، دوسرے دن نویں ذی حجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔ (۲)

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے، تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں مقام کرتے تھے، جو حرم کے حدود میں تھا، ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسک حج ادا کیے، تو ان کی شانِ یکتائی میں فرق آجائے گا لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی، اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی، اس لیے (خدا نے حکم دیا ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (بقرہ۲:۱۹۹) آپؐ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے (۳) اور یہ اعلان کرا دیا۔ (۴)

قفوا علیٰ مشاعر کم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم.	اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت پر رہو۔

یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے اور ان ہی نے اس مقام کو اس غرضِ خاص کے لیے وہاں متعین کیا ہے، عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے، وہاں آپ نے ایک کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا، دو پہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصوا تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔

(آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا، اس لیے آپؐ نے فرمایا:

الاکل شیءٍ من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع.	ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔

(۵) (صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبیؐ ج ۱ ص ۳۹۹ وابوداؤد کتاب المناسک باب صفۃ حج النبیؐ ج ۱ ص ۲۶۳)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الحج باب من اھل فی زمن النبی ﷺ ج ۱ ص ۲۱۱ (۲) ابوداؤد حوالہ سابق (۳) صحیح بخاری کتاب الحج باب الوقوف بعرفۃ ج ۱ ص ۲۲۶ (۴) ابوداؤد کتاب المناسک موضع الوقوف بعرفۃ ج ۱ ص ۱۹۲ (۵) (حاشیہ ص ۱۲۰ پر)

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگِ راہ امتیازِ مراتب تھا جو دنیا کی قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے، مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا، سلاطین سایۂ یزدانی تھے، جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی، ائمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفا رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہم سر نہیں ہو سکتے تھے، آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں:

یٰایھا الناس ! الاان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لافضل لعربی علی عجمی ولاعجمی علی عربی ولااحمر علی اسود ولااسود علی احمر الابالتقویٰ. (۱) مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱	لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔

ان کل مسلم اخ المسلم وان المسلمین اخوۃ (ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے) اور مسلمان باہم

(حاشیہ صفحہ ۱۱۹) یہ اور اس کے بعد کے تمام عربی جملے آنحضرت ﷺ کے خطبہ کے ٹکڑے ہیں، (یہ جملے کسی حدیث میں یک جا نہیں ہوئے ہیں، اس لیے ان کو مختلف ماخذوں سے جمع کرنا پڑا ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم (باب حجۃ النبیؐ و باب الدیات) اور ابوداود (باب الاشہر الحرم و حجۃ النبیؐ) وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوامامہؓ باہلی، حضرت جابرؓ، حضرت ابوبکرؓ وغیرہ صحابہؓ کی روایتوں سے مذکور ہے، ان روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں، مثلاً ان دماءکم واموالکم حرام علیکم کحرمۃ الخ اور بعض باتیں الگ ہیں، مغازی و سیر کی کتابوں میں کچھ اور باتیں بھی مذکور ہیں، اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا، ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا، اسی کی اس نے روایت کر دی، اس بنا پر مختلف ماخذوں سے ان ٹکڑوں کو جمع کرلیا گیا ہے اور اس کے جا بجا حوالے دیئے گئے ہیں، خطبہ کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے چھوڑ دیئے ہیں، روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے، حضرت جابرؓ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹رذی الحجہ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰رذی الحجہ بتاتے ہیں، بعض روایتیں ایام التشریق کے خطبہ کی ہیں، ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے، ابن ماجہ، ترمذی اور مسند احمد میں خطبہ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہیں، جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبہ میں آپؐ نے یہ فرمایا، بہر حال صحاحِ ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یک جا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا، ۹رذی حجہ یوم عرفہ کو، ۱۰رذی الحجہ یوم النحر کو، اور تیسرا خطبہ ایام تشریق میں ۱۱ریا۱۲رذی حجہ کو، ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض مختص المقام ہیں، یہ بہت ممکن ہے، جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چوں کہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپؐ جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے، وہ نہایت اہم تھا، اس لیے آپؐ نے اپنی تقریر کے بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے) ''س'' (۱) امام احمد نے مسند میں ابونضرہ تابعی کے واسطہ سے اور تابعی مذکور نے ایک صحابی سے جنھوں نے آنحضرت ﷺ کو حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے سنا تھا، یہ فقرہ نقل کیا۔

(بحوالہ منتقی الاخبار ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۸۶ مطبع حجازی ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء)

(مستدرک حاکم ج ۱ص ۹۳ طبری ج ۴ ص ۱۷۵۴ وابن اسحاق) بھائی بھائی ہیں۔

ارقائکم ارقائکم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون.
(ابن سعد بہ سند زید بن خطاب قسم اول جزء ثانی ص ۱۳۳)

تمہارے غلام، تمہارے غلام! جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ۔

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا، تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ سیکڑوں برس گذر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی، آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پر فخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے (اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے)

ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعۃ ابن الحارث
(صحیح بخاری و مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ ج ۱ ص ۳۶۹ وابوداؤد بہ روایت جابرؓ کتاب المناسک باب صفۃ النبیؐ حجۃ ج ۱ص ۱۹۰۔

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے (۱) کا خون باطل کر دیتا ہوں۔

(تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، جس سے غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے، اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلمِ حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے:

وربا الجاھلیۃ موضوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب.
(صحیح مسلم حوالہ سابق وابوداؤد حوالہ سابق)

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب (۲) کا سود باطل کرتا ہوں۔

آج تک عورتیں ایک جائداد منقولہ تھیں، جو قمار بازی میں دانوں پر چڑھا دی جا سکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہِ مظلوم، یہ صنفِ لطیف، یہ جوہرِ نازک قدردانی کا تاج پہنتا ہے:

---

(۱) ربیعہ قریش کے خاندان سے تھے اور ان کے خون کا انتقام لینا میراث کے طور پر ایک فرضِ خاندانی چلا آتا تھا، (ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور بعض روایتوں میں خود ان کے قتل کا ذکر ہے لیکن یہ صحیح نہیں، ربیعہ خلافتِ فاروقی تک زندہ تھے اور ۲۳ ھجری میں وفات پائی، صحیح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایاس نام ایک بیٹا تھا، وہ قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا، دیکھو ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰ و صحیح مسلم باب حجۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۳۶۹ اور زرقانی جلد ۸ ص ۲۰۱۔) (۲) آنحضرت ﷺ کے چچا عباسؓ اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے، بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا (دیکھو تفسیر آیتِ ربوا)

فاتقوا اللّٰہ فی النساء (۱) — عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔

(صحیح مسلم حوالہ سابق وابوداؤد حوالہ سابق)

ان لکم علی نسائکم حقًا ولھن علیکم حقًا. — تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

(طبری ج ۴ ص ۱۷۵۴ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۹۰ وغیرہ)

عرب میں جان ومال کی کچھ قیمت نہ تھی، جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا (آج امن وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے):

ان دمائکم واموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الی یوم تلقون ربکم (۲) — تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے، جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

(اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن اس کی بنیاد خود صاحبِ شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی، ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں، بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی، ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایاتِ ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے:

وانی قد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللّٰہ. (صحاح دیکھئے سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب صفة حجة النبیؐ ج ۱ ص ۱۹۰ و ۱۹۱) — میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا، تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ۔

اس کے بعد آپ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا (۳):

ان اللّٰہ عزوجل قد اعطی کل ذی حق حقه فلاوصیة لوارث. — خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا، اب کسی کو وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

الولد للفراش وللعاھر الحجر وحسابھم علی اللّٰہ. — لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا، زنا کار کے لیے پتھر ہے، اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔

من ادعی الی غیر ابیه وانتمی الی غیر موالیه فعلیه لعنة اللّٰہ. — جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولا کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

---

(۱) اس کے بعد آپؐ نے زن وشو کے فرائض کی تفصیل فرمائی (۲) صحیح بخاری کتاب الحج باب الخطبة ایام منیٰ ج ۱ ص ۲۳۴ ومسلم کتاب القسامہ والمحاربین باب تغلیظ تحریم الدماء ج ۲ ص ۳۸ وغیرہ (۳) سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا، باب لاوصیة لوارث ص ۱۹۹، ومسند ابوداؤد طیالسی بہ روایت ابی امامہ الباہلی الجزء الخامس ص ۱۵۴ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۲۱ھ ابوداؤد کتاب الوصایا میں مختصراً ہے ج ۲ ص ۹، ابن سعد (جزء ۲ قسم اول ص ۱۳۱) اور ابن اسحاق نے بھی اس کی بہ سند روایت کی ہے کہ یہ عرفہ کے خطبہ میں آپؐ نے فرمایا۔

الالایحل لامراۃ ان تعطی من مال زوجھا شیئا الاباذنہ الدین مقضی والعاریۃمؤداۃ والمنحۃ مردودۃ والزعیم غارم (مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۵۴)

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔)

یہ فرما کر آپؐ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا:

انتم مسئولون عنی فماانتم قائلون (صحیح مسلم وابوداؤد کتاب المناسک باب صفۃ حجۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۹۱)

تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دوگے۔

صحابہؓ نے عرض کی ''ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔''

آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

اَللّٰھُم اشْھَدْ. (صحیح مسلم، وابوداؤد حوالہ سابق)

اے خدا تو گواہ رہنا۔

عین اس وقت جب آپؐ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے، یہ آیت اتری: (۱)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (مائدہ ۵:۳)

آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شاہنشاہِ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمانِ ربانی کا اعلان کر رہا تھا، اس کے تختِ شاہنشاہی کا مسند و بالیں (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ (۲)

(خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو دعا میں مصروف رہے، جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپؐ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی، حضرت اسامہؓ ابن زید کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا، آپؐ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آکر لگتی تھی، لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا، لوگوں کو دستِ راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑہ سے آپؐ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ آہستہ اور زبانِ مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے:

---

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ آیت مذکور ج ۲ ص ۶۶۲ و صحیح مسلم کتاب التفسیر ج ۲ ص ۵۴۵ وابوداؤد وحوالہ سابق وغیرہ، ابن سعد (جز ۲ قسم اول ص ۱۳۵) میں تصریح خاص ہے، (۲) طبقات ابن سعد جز ۲ قسم اول ص ۱۲۷ (کتاب الشمائل للترمذی وابن ماجہ)۔

السکینة یایها الناس السکینة یایها الناس. (۱) لوگو! سکون کے ساتھ، لوگو! سکون کے ساتھ۔

اثنائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی، اسامہؓ نے کہا یا رسول اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے، فرمایا نماز کا موقع آگے آتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد آپؐ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے، یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سواریوں کو بٹھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشا کی تکبیر ہوئی، نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا، بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادتِ شبانہ کے لیے بیدار نہ ہوئے، محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپؐ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی، صبح سویرے اٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی (۲) کفار قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے، جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی، اس وقت بہ آواز بلند کہتے تھے "کوہِ ثبیر دھوپ سے چمک جا" آنحضرت ﷺ نے اس رسم کے ابطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ کیا (۳) یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور سنیچر کا دن تھا۔

فضل بن عباسؓ آپؐ کے برادر عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے، اہلِ حاجت داہنے بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیے آ رہے تھے، آپؐ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسکِ حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے (۴) وادیِ محسر کے راستہ سے آپؐ جمرہ کے پاس آئے، ابن عباسؓ سے جو اس وقت کم سن تھے، فرمایا، مجھے کنکریاں چن کر دو، آپؐ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا: (۵)

ایاکم والغلو فی الدین فانما اهلک من قبلکم الغلو فی الدین. مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیوں کہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔

اسی اثنا میں آپؐ یہ بھی فرماتے:

لتاخذوا مناسککم فانی لاادری لعلی لااحج حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا، شاید کہ اس کے بعد مجھے

---

(۱) بخاری کتاب الحج باب امر النبیؐ بالسکینة ج ۱ ص ۲۲۷ و مسلم کتاب الحج باب حجة النبی ﷺ ج ۱ ص ۴۷۰ و ابوداؤد کتاب المناسک باب صفة حجة النبیؐ ج ۱ ص ۱۹۱ (۲) ابن ماجہ میں ہے کہ آپؐ نے مزدلفہ میں مغرب و عشا کی نماز ایک اذان اور اقامت میں ادا کی اور لیٹ گئے اور طلوع فجر تک بیدار نہ ہوئے۔ ۲۲۸ "ک ص" (۳) صحیح بخاری کتاب الحج باب الجمع بین الصلوتین بالمزدلفة ج ۱ ص ۲۲۷ و ابوداؤد حوالہ سابق و سنن نسائی ص ۴۷۵ (۴) ابوداؤد حوالہ سابق (۵) سنن نسائی، کتاب المناسک، باب التقاط الحصی ص ۴۷۶ و ابن ماجہ، ابواب المناسک باب قدر حصی الرمی ص ۲۲۴۔

بعد حجتی ھذہ. دوسرے حج کی نوبت آئے۔

(مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ ج ۱ ص ۴۹۷ و ابوداؤد کتاب المناسک باب فی رمی الجمار ج ۱ ص ۱۹۶)

یہاں سے فارغ ہوکر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، داہنے، بائیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا، مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں، آنحضرت ﷺ ناقہ پر سوار تھے، حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہؓ ابن زیدؓ پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کیے ہوئے تھے، آپؐ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائضِ نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول و اعترافِ حق کا نور ضوفشاں تھا، دیوانِ قضا میں انبیائے سابقین کے فرائضِ تبلیغ کے کارناموں پر ختمِ رسالت کی مہر ثبت ہورہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی، عین اسی عالم میں زبانِ حق محمد رسول اللہ ﷺ کے کام و دہن میں زمزمہ پرداز ہوئی۔

اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا، اس بنا پر ارشاد فرمایا:

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السمٰوت والأرض (ابوداؤد کتاب المناسک باب الاشھر الحرم بہ روایت ابوبکرہ ج ۱ ص ۱۹۴)

ابتدا میں جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پر آ گیا۔

ابراہیم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا، اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خوں ریزی جائز نہیں تھی (۱) اس لیے عربوں کے خون آشام جذبات حیلۂ جنگ کے لیے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے، آج وہ دن آیا کہ اس اجتماعِ عظیم کے اشہرِ حرم کی تعیین کر دی جائے، آپؐ نے فرمایا:

---

(۱) (حج کے ان مہینوں کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب میں نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا اور عرب کے تمام فرقے خواہ یہودی یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیرو ہوں سب برابر ان کی عزت کرتے تھے، ان مہینوں میں جنگ وجدال اور لڑائی بھڑائی حرام جانتے تھے، قدیم اشعارِ عرب میں اس کا بیان نہایت کثرت سے ہے، رومیوں کی تاریخ میں بھی عربوں کے اس عقیدہ کا ذکر ہے، ۵۴۱ء میں رومیوں کو شام اور فلسطین میں کوئی جنگی کارروائی کرنی تھی اور ساتھ ہی عربوں کے حملہ کا خوف لگا تھا، سپہ سالار روم جو عربوں کے اندرونی حالات سے واقف تھا، اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں عربوں سے کوئی خوف نہیں، کیوں کہ عن قریب وہ دو مہینے آرہے ہیں جن میں اہلِ عرب عبادتوں میں مشغول رہتے ہیں اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لگاتے، نتائج الافہام محمود پاشا فلکی ص ۳۵ بحوالہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل اپریل ۱۸۴۳ء) ''س''

السنة اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم ثلاث متواليات ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم و رجب شهر مضر الذى بين جمادى وشعبان.

سال کے بارہ مہینے ہیں، جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں، تین تو متواتر مہینے ہیں، ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔

(ابوداؤد حوالہ سابق بہ روایت ابوبکرہ)

دنیا میں عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں جان، مال اور آبرو، آنحضرت ﷺ کل کے خطبہ میں گوان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی، (آج آپؐ نے اس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا): لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا "کچھ معلوم ہے، آج کون سا دن ہے؟" لوگوں نے عرض کی کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، آپؐ دیر تک چپ رہے، لوگ سمجھے کہ شاید آپؐ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، دیر تک سکوت کے بعد فرمایا کیا "آج قربانی کا دن نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے، پھر ارشاد ہوا "یہ کون سا مہینہ ہے؟" لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپؐ نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا "کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا "ہاں بے شک ہے" پھر پوچھا "یہ کون سا شہر ہے؟" لوگوں نے بہ دستور جواب دیا، آپؐ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا "کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا "ہاں بے شک ہے" جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے، یعنی اس دن، اس مقام میں جنگ اور خوں ریزی، جائز نہیں، تب فرمایا:

فان دماء كم واموالكم واعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا.

تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الحج باب الخطبة ایام منیٰ، ج ۱ ص ۲۳۴ و ۲۳۵ بہ روایت ابوبکرہ وابن عمر)

(قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ وجدال اور باہمی خوں ریزیوں کا نتیجہ رہی ہے، وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا، اس نے اپنے پیروؤں سے بہ آواز بلند کہا:

وستلقون ربكم فيسئلكم عن اعمالكم الا فلا ترجعوا بعدى ضلالا يضرب بعضكم رقاب بعض. (صحیح بخاری کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع ج ۲ ص ۶۳۲ بہ روایت ابوبکرہ)

تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا، ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

ظلم وستم کا ایک عالم گیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا

تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہو جانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا، باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا، یہ سخت ظالمانہ قانون تھا، جو مدت سے دنیا میں حکم راں تھا، اگرچہ قرآن مجید نے لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۵) کے وسیع قانون کے رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی تھی لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظامِ سیاست ترتیب دے رہا تھا، اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا، آپؐ نے فرمایا:

الالایجنی جان الاعلی نفسه ولا یجنی والد علی ولده ولامولود علی والده. (ابن ماجہ ابواب المناسک، باب الخطبة یوم النحر ص ۲۲۵ و ترمذی ج ۲ ص ۳۹)	ہاں، مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

عرب کی بدامنی اور نظامِ ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرماں برداری کو اپنے لیے ننگ اور عار جانتا تھا، ارشاد ہوا:

ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب الله فاسمعوا له واطیعوا. (صحیح مسلم کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرة العقبة ج ۱ ص ۴۹۷)	اگر کوئی حبشی بنی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانۂ کعبہ ہمیشہ کے لیے ملتِ ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پردازانہ قوتیں پامال ہو چکی تھیں، اس بنا پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

الاان الشیطان قد أیس ان یعبد فی بلدکم هذا ابدا ولکن سیکون له طاعة فی بعض ما تحتقرون من اعمالکم فیرضی بها. (ابن ماجہ حوالہ سابق و ترمذی ج ۲ ص ۳۹)	ہاں، شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔

سب سے آخر میں آپؐ نے اسلام کے فرض اولین یاد دلائے:

اعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شهرکم واطیعوا اذا آمرکم تدخلوا جنة ربکم (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۱ و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۹۸ و ۳۹۹ و ۴۷۳)	اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کا روزہ رکھا کرو اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

یہ فرما کر آپؐ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

الاهل بلغت	کیوں، میں نے پیغامِ خداوندی سنا دیا۔

سب بول اٹھے، ہاں! فرمایا:

اللھم اشھد. اے خدا تو گواہ رہنا۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

فلیبلغ الشاھد الغائب جو لوگ اس وقت موجود ہیں، وہ ان کو سنادیں جو موجود نہیں۔

خطبہ (۱) کے اختتام پر آپؐ نے تمام مسلمانوں کو الوداع (۲) کہا۔

اس کے بعد آپؐ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ''قربانی کے لیے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں ہے، بلکہ منیٰ اور مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے'' آپؐ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے، کچھ تو آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو سب خیرات کر دیا جائے، یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے، الگ (۳) سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپؐ نے معمر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے ابوطلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی ام سلیم اور بعض ان لوگوں کو جو پاس (۴) بیٹھے تھے، عنایت فرمائے اور باقی ابوطلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے، اس کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لائے، خانہ کعبہ کا طواف کیا، اس سے فارغ ہو کر چاہِ زمزم کے پاس آئے۔

چاہِ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندانِ عبدالمطلب سے متعلق تھی، چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا ''یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پییں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔ (۵)

---

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا صحیح مسلم کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ ج ۱ ص ۵۹۷ میں روایت ہے کہ قال قولا کثیرا، آپؐ نے بہت سی باتیں فرمائیں، صحیح بخاری (کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع ج ۲ ص ۶۳۲) میں ہے کہ آپؐ نے اس میں دجال کا بھی ذکر فرمایا تھا لیکن یہ تعیین نہیں کہ کس دن کے خطبہ میں یہ فرمایا (۲) صحیح بخاری کتاب الحج باب الخطبۃ ایام منی ج ۱ ص ۲۳۵ (۳) بخاری کتاب الحج باب لایعطی للجزار الخ ج ۱ ص ۲۳۲ (۴) صحیح مسلم کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ یوم النحر ان یرمی الخ ج ۱ ص ۴۹۹ و ابوداؤد، کتاب المناسک، باب الحلق والتقصیر ج ۱ ص ۱۹۷ (۵) صحیح مسلم، کتاب الحج صفۃ حجۃ النبیؐ ج ۱ ص ۴۷۰۔

حضرت عباسؓ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا، آپؐ نے قبلہ رخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا، پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔(۱)

بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲؍ذی الحجہ تک آپؐ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی، ہر روز زوال کے بعد رمیِ جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آجاتے، ابوداؤد (باب ای یوم یخطب بمنیٰ ص ۲۶۹) میں ایک حدیث ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ۱۲؍ذی الحجہ کو بھی منیٰ میں ایک خطبہ دیا تھا، جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں، جو پہلے خطبہ میں گذر چکے، ۱۳؍ذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپؐ نے یہاں سے نکل کر وادیِ محصب (۲) میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا، پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی، اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا اور آپؐ نے مہاجرین وانصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی، راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے، یہاں ایک تالاب ہے، عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیرِ خم آتا ہے، آپؐ نے یہاں تمام صحابہؓ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

امابعد! الاایھاالناس فانما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللّٰہ فیہ الھدیٰ والنور فخذوا کتاب اللّٰہ واستمسکوا بہ واھل بیتی اذکرکم اللّٰہ فی اھل بیتی۔	حمد وثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں، ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

آخری جملہ کو آپؐ نے تین دفعہ مکرر فرمایا، یہ صحیح مسلم (کتاب فضائل الصحابہ باب مناقب حضرت علیؓ ج ۲ ص ۳۲۵) کی روایت ہے، نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بخاری باب این یصلی الظھر الخ ج۱ص ۲۲۴ ومسلم ج۱ص ۵۰۱ دونوں میں ہے کہ آپؐ نے ظہر کی نماز حسب دستور اس دن منیٰ میں پڑھی لیکن حضرت جابرؓ کی جو طویل حدیث قصہ حجۃ الوداع میں ہے اس میں تعیین ہے کہ آپؐ نے مکہ میں نماز ظہر پڑھی، حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اس بنا پر محدثین میں ان دونوں قولوں کی باہمی ترجیح اور وجوہ ترجیح میں اختلاف ہے، علامہ ابن حزم نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں پہلے قول کو مرجح ثابت کیا ہے ج۱ص ۲۴۳، فریقین کے موازنۂ دلائل کے بعد ہم نے ابن قیم کا فیصلہ قبول کیا ہے "س"(۲) (اسی کا دوسرا نام ابطح اور خیفِ بنی کنانہ ہے۔)

میں کچھ اور فقرے بھی ہیں، جن میں حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے، ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللّٰھم وال من ولاہ وعاد من عاداہ.

جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے، الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی، بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علیؓ یمن بھیجے گئے، جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے، یمن میں انھوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا، جس کو ان کے بعض ہم راہیوں نے پسند نہیں کیا، ان میں سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپؐ نے فرمایا ''علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا'' (۱) عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی، صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسری طرف کوکبۂ نبویؐ مدینہ منورہ میں داخل ہوا، سوادِ مدینہ پر نظر پڑی، تو یہ الفاظ فرمائے:

اللّٰہ اکبر لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللّٰہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ. (۲)

خدا بزرگ و برتر ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لیے مدح وستائش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آرہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، فرماں بردارانہ، زمین پر پیشانی رکھ کر اپنے پروردگار کی مدح وستائش میں مصروف ہو کر، خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی، باب بعث علی الی الیمن ج۲ص۶۲۳ والترمذی مناقب حضرت علیؓ ج۲ص۲۱۲

(۲) حجۃ الوداع کے تمام تر واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد ونسائی سے لیے گئے ہیں، ہر واقعہ کے لیے ان کتابوں میں کتاب الحج کے مختلف ابواب دیکھو، دعا کے الفاظ صحیح بخاری کتاب الحج باب مایقول اذا رجع عن الحج الخ ج۱ص۲۴۲ اور صحیح مسلم کتاب الحج باب مایقول اذا قفل من سفر الحج وغیرہ ج۱ص۵۱۶ میں مذکور ہیں۔

وفات

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ. (زمر،۳۹:۳۰)

ربیع الاول ۱۱ ھجری مطابق مئی ۶۳۲ء

روحِ قدسی کو عالمِ جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیلِ شریعت اور تزکیۂ نفوس کا عظیم الشان کام درجۂ کمال تک پہنچ جائے، حجۃ الوداع میں یہ فرضِ اہم ادا ہو چکا، توحیدِ کامل اور مکارمِ اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمعِ عام میں اعلان کر دیا گیا کہ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ. (مائدہ۵:۳) — آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔

(سورۂ فتح (۱) کا نزول خاص خاص صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ کے قربِ وفات کی اطلاع دے چکا تھا (۲) اور آپ حکمِ ربانی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ (نصر۱۱۰:۳) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح و تہلیل میں بسر (۳) فرماتے تھے، آپ عموماً ہر سال رمضان مبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے لیکن رمضان ۱۰ ھجری میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھے (۴) سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ پورا قرآن ناموس اکبر (۵) کی زبانی سنتے تھے لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا (۶) حجۃ الوداع کے موقع پر مناسکِ حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ ''مجھے امید نہیں کہ آیندہ سال تم سے مل سکوں''، بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں ''شاید میں اس کے بعد حج نہ کر سکوں'' (۷) غدیرِ خم کے خطبوں میں بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے۔

---

(۱) اس سے سورہ (اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ) مراد ہے ''ض'' (۲) صحیح بخاری تفسیر اذا جآء ج ۲ ص ۷۴۷ (۳) اس قسم کی روایتیں گو طبری، ابن خزیمہ اور ابنِ مردویہ میں ہیں لیکن مختصراً صحیح بخاری تفسیر اِذَا جَآءَ (حوالہ سابق) میں بھی مذکور ہیں۔ (۴) صحیح بخاری باب الاعتکاف فی العشر الاوسط عند اللہ ج ۱ ص ۲۷۴ و کتاب فضائل القرآن باب تالیف القرآن ج ۲ ص ۷۴۷ (۵) اس سے مراد حضرت جبرئیلؑ ہیں ''ک، ص'' (۶) صحیح بخاری (حوالہ مذکور) (۷) مسلم ج ۱ ص ۴۹۷ و ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۶ و نسائی، کتاب الحج باب الرکوب الی الجمار الخ ص ۷۷۴۔

غزوۂ احد کے بیان میں گذر چکا ہے کہ شہدائے احد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی، تمام غزوات میں صرف غزوۂ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ بے کسی کے ساتھ جان دی، اس لیے ان کی یاد آپؐ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی، حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیضِ دیدار سے مشرف فرمایا اوران کو حسرت کے ساتھ وداع کیا، شہدائے احد جو بَلْ ھُمْ اَحْیَآءٌ کے مژدۂ جانفزا سے فیض یاب تھے، آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپؐ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی زمانہ میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اوران کے لیے دعائے خیر فرمائی، اوراس رقت انگیز طریقہ سے ان کو وداع کیا کہ ''جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے'' اس کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا ''میں تم سے پہلے حوض پر جارہاہوں، اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے، مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کروگے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہوجاؤ اوراس کے لیے آپس میں کشت وخون نہ کروتو پھراسی طرح ہلاک ہوجاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں'' راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔(۱)

غزوات میں گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ کو حدود شام کے عربوں نے شہید کرڈالا تھا، آنحضرت ﷺ ان سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے، آغازِ علالت سے ایک روز پہلے آپؐ نے اسامہؓ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اوران شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔)(۲)

(۱۸ یا ۱۹) صفر (۳) ۱۱ھ ہجری میں آدھی رات کو آپؐ جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا

(۱) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید ج ۱ص ۱۷۹ وصحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاتہ ج ۲ص ۲۸۵ (۲) (واقدی اورابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو بھی جانے کا حکم دیا تھا لیکن یہ روایتیں بے سند ہیں، اس لیے علامہ ابن تیمیہ نے اس سے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے، حضرت عمرؓ کے متعلق تو نہیں کہا جاسکتا لیکن حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ نے ایامِ علالت میں امام نماز مقرر فرمایا اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے، اس بناپر اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپؐ نے ان کو مستثنیٰ کرلیا) (۳) آنحضرت ﷺ کی ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں، امرِ مختلف فیہ سے پہلے ان امور کو بتادینا چاہیے، جن پر تمام روایات کا اتفاق ہے اورجن پر گویا تمام محدثین اورارباب سیر کا اجماع عام ہے اوروہ یہ ہیں: (۱) سال وفات ۱۱ھ ہجری ہے (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا (بقیہ حاشیہ ص ۱۳۳ پر)

کا قبرستان تھا، تشریف لے گئے، وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا (یہ حضرت

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۲) (۳) یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی (۴) دوشنبہ کا دن تھا۔ (صحیح بخاری ذکر وفات کتاب الجنائز بـاب موت یـوم الاثـنـیـن ج ا ص ۱۸۶) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کل ۱۳ دن بیمار رہے، اس بنا پر اگر یہ تحقیقی طور سے متعین ہو جائے کہ آپؐ نے کس تاریخ کو وفات پائی تو تاریخِ آغازِ مرض بھی متعین کی جاسکتی ہے، حضرت عائشہؓ کے گھر بروایت صحیح ۸ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے شنبہ تک) بیمار رہے اور یہیں وفات فرمائی، اس لیے ایامِ علالت کی مدت ۸ روز تو یقینی ہے، عام روایات کے رو سے پانچ دن اور چاہئیں اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے، اس لیے ۱۳ دن مدتِ علالت صحیح ہے، علالت کے ۵ دن آپؐ نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز چہار شنبہ سے ہوتا ہے۔

تاریخِ وفات کی تعیین میں راویوں کا اختلاف ہے، کتبِ حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی مجھ کو کوئی روایت احادیث میں نہیں مل سکی، ارباب سیر کے ہاں تین روایتیں ہیں، یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول اور ۱۲ ربیع الاول، ان تینوں روایتوں میں باہم ترجیح دینے کے لیے اصولِ روایت و درایت دونوں سے کام لینا ہے، روایتِ دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابومخنف کے واسطہ سے مروی ہے، (طبری ج ۴ ص 1815) اس روایت کو گو اکثر قدیم مورخوں (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں مشہور دروغ گو اور غیر معتبر ہیں، یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد و طبری نے نقل کی ہے (طبقات ابن سعد جز ۲ قسم ۲ ص ۵۷ جز وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے، وہ ۱۲ ربیع الاول کی ہے (ایضاً ص ۵۸) البتہ بیہقی نے دلائل میں بہ سند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے، (نور النبر اس ابن سید الناس ذکر وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے (فتح الباری ج ۸ ص ۹۸ ذکر وفات) امام سہیلی نے روض الانف میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہے (جلد دوم ص ۳۷۲ ذکرِ وفات مطبع جمالیہ مصر ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایتاً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے، کیوں کہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں، روزِ وفات دوشنبہ کا دن تھا، (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استخلاف الامام الخ ج ا ص ۱۶۵) اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ کی نویں تاریخ کو جمعہ کا دن تھا، (صحاح قصہ حجۃ الوداع، صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) ۹ ذی حجہ ۱۰ ہجری روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری تک حساب لگاؤ، ذی حجہ، محرم، صفر ان تینوں کو خواہ ۲۹/۲۹ لو، خواہ ۳۰/۳۰، خواہ بعض ۲۹ اور بعض ۳۰، کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا، اس لیے درایتاً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے، دوم ربیع الاول کو حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑ سکتا ہے جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں۔

جب دو پہلی صورتیں صحیح نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ تیس کا لیا جائے، اس حالت میں ۲۹ ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے، ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ۹ ذی حجہ کو جمعہ ہو تو اوائلِ ربیع الاول میں اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہو سکتا ہے۔ (بقیہ ۱۳۴ پر)

میمونہؓ (۱) کی باری کا دن تھا اور روز چہارشنبہ تھا، پانچ دن تک آپؐ اس حالت میں بھی از راہ عدل و کرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے، دوشنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی تو ازواجِ مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں، خلق عمیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہیں طلب کی، بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا، دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمانے کا تھا، ازواجِ مطہرات نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپؐ جہاں چاہیں قیام فرمائیں (۲) ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا، حضرت علیؓ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۳)

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ، محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۶	۱۳	
۲	ذی الحجہ، محرم اور صفر سب ۲۹ دن کے ہوں	۲	۹	۱۶
۳	ذی الحجہ، ۲۹ محرم اور صفر ۳۰ کا ہو	۱	۸	۱۵
۴	ذی الحجہ، ۳۰ محرم ۲۹، اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذی الحجہ، ۲۹ محرم ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹، اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	
۷	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۷	۱۴	
۸	ذی الحجہ ۲۹ کا اور محرم و صفر ۳۰ کے ہوں	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخوں میں سے ۶، ۷، ۸، ۱۳، ۹، ۱۴، ۱۵ خارج از بحث ہیں، کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں رہ گئی، یکم اور دوم تاریخیں، دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑ سکتی ہے، جو خلافِ اصول ہے، یکم تاریخ تین صورتوں میں واقع ہو سکتی ہے اور تینوں کثیر الوقوع ہیں اور روایاتِ ثقات ان کی تائید میں ہیں، اس لیے وفاتِ نبویؐ کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہجری ہے، اس حساب میں فقط رویتِ ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جس پر اسلامی قمری مہینوں کی بنیاد ہے، اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اس پر خدشات وارد ہو سکتے ہوں۔

کتب تفسیر میں تحت آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے یومِ نزول (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ) سے روز وفات تک کے ۸۱ دن ہیں، (دیکھو ابن جریر ج ۶ ص ۴۴، ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳ مطبعہ مصطفیٰ محمد ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء و بغوی وغیرہ) ہمارے حساب سے ۹/ذی الحجہ ۱۰ھ سے لے کر یکم ربیع الاول تک دو ۲۹ اور ایک مہینہ ۳۰ لے کر جو ہماری مفروضہ صورت ہے، پورے ۸۱ دن ہوتے ہیں، ابو نعیم نے بھی دلائل میں بہ سند یکم ربیع الاول تک تاریخ وفات نقل کی ہے (ص ۱۴۶ ادارۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۲۰ھ "س")

(۱) طبقات ابن سعد جز ۲ قسم ۲ ص ۴۴ و عبدالرزاق بہ سند صحیح و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الامام الخ جلد ۱ ص ۱۶۵
(۲) صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ و وفاتہ ج ۲ ص ۶۳۹، ابن سعد نے بروایت صحیحہ نقل (بقیہ ص ۱۳۵ پر)

اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے۔

(آمد و رفت کی قوت جب تک رہی، آپؐ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی، وہ مغرب کی نماز تھی، سر میں درد تھا، اس لیے سر میں رومال باندھ کر آپؐ تشریف لائے اور نماز ادا کی، جس میں سورۂ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا (المرسلات ۷۷:۱) قرأت (۱) فرمائی، عشا کا وقت آیا (۲) تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضورؐ کا انتظار ہے لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا کہ غش آگیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی، لوگوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا آپؐ نے پھر غسل فرمایا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آگیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا، تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا، پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں (حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ! ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں، آپؐ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا، آپؐ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں، چنانچہ) کئی دن (۳) تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۴) کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے اجازت طلب کی تھی، طبقات ابن سعد جز ۲ قسم ۲ ص ۲۹۔

(۱) (یہ حدیث بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ و مسلم ج ۱ ص ۱۸۰ و ابوداؤد ج ۱ ص ۸۲ و ترمذی ص ۵۸ اور نسائی کتاب الصلوٰۃ باب القرأۃ فی المغرب ص ۱۶۴ میں مذکور ہے، آیندہ حضرت عائشہؓ کی روایت آئے گی جس میں مذکور ہوگا کہ آخری نماز مسجد میں ظہر کی آپؐ نے پڑھائی، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ مغرب کا واقعہ اندرونِ حجرہ نبویؐ کا واقعہ ہے جیسا کہ نسائی میں ہے (جلد ۲ ص ۱۴۵) لیکن آگے چل کر حافظ موصوف کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑی جس میں مذکور ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے باہر نکل کر نماز پڑھائی" اس کی تاویل ان کو یہ کرنی پڑی کہ "اس سے مقصود ہے کہ خواب گاہ سے باہر آکر" (ج ۸ ص ۲۰۴) لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں کہ اول تو حجرۂ نبویؐ میں اتنی جگہ نہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہو سکے، دوسرے یہ کہ خواب گاہ کے علاوہ حجرۂ نبویؐ میں اور جگہ کہاں تھی، علاوہ ازیں احادیث میں صلی بنا کے یہی معنی ہر جگہ آئے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے امام بن کر نماز پڑھائی، گھر کی نماز پر یہ لفظ صادق نہیں آتا، اس لیے صحیح یہ ہے کہ نماز مسجد نبویؐ میں پڑھی گئی، جیسا کہ عام روایت کا اشارہ ہے، آخری نماز مغرب تھی، یا ظہر، اس کی تطبیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مسلسل امامت کا انقطاع مغرب کی نمازِ مذکورہ پر ہوا جیسا کہ آگے عشا کی نماز کے ذکر میں آئے گا، ظہر کی نماز جو آنحضرت ﷺ نے مسجد میں آکر ادا فرمائی، وہ اتفاقی تھی، اصل میں امام پہلے سے حضرت ابوبکرؓ تھے، آنحضرت ﷺ آکر بعد کو شریک ہوگئے تھے، یہ نماز مسجد میں آپؐ کی آخری نماز تھی، بعض صحابہؓ سے یہ مذکور ہے کہ (بقیہ ص ۱۳۶ پر)

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) کو آپؐ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ، میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے، بعض صحابہؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، جو ہمارے لیے کافی ہے'' اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ تعمیلِ ارشاد کی جائے، بعض کچھ اور کہتے تھے، اختلاف اور شور وغل زیادہ ہوا، تو بعض نے کہا اھجر استفھموہ خود آپؐ سے دریافت کرلو، لوگ جب پوچھنے لگے تو آپؐ نے فرمایا ''مجھے چھوڑ دو، میں جس مقام میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔'' (۱)

(باقی حاشیہ ص ۱۳۵) آخری نماز صبح کی تھی، یہ درحقیقت ان کا اپنا واقعہ ہے، یعنی ان کو آخری بار یہی موقع ملا) ''س''

(۲) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ج ۱ ص ۹۵ و مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الامام النخ ج ۱ ص ۱۶۴ میں بہ روایت حضرت عائشہؓ یہ تخصیص ہے۔ (۳) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اھل العلم والفضل احق بالامامۃ ج ۱ ص ۹۴) میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تین دن آنحضرت ﷺ نے نماز نہیں پڑھائی اور حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کی قائم مقامی کی، اس قائم مقامی کا آغاز شب جمعہ کی نمازِ عشا سے ہے (بخاری و مسلم کتاب الصلوٰۃ) اور اختتام دوشنبہ کی صبح کی نماز پر ہوا، (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من رجع القھقریٰ فی الصلوٰۃ ج ۱ ص ۶۰) کل یہ تین دن میں ۱۷ وقت کی نمازیں ہوئیں، ابن سعد نے واقدی سے بعینہٖ یہی روایتیں کی ہیں، ایک میں ہے کہ ۳ دن امامت کی، دوسرے میں ہے کہ ۱۷ وقت کی، جز ۲ قسم ثانی ص ۲۳ ''س''

(۱) یہ روایت صحیح بخاری کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاتہ ج ۱ ص ۶۳۸ کی ہے، صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے، (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ میں یہ روایتیں یک جا ہیں، جن صحابیؓ نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی، بخاری میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں (مثلاً صحیح مسلم) بہ تصریح حضرت عمرؓ کا نام ہے، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ، باب ترک الوصیۃ ج ۲ ص ۱۴ میں (ان کے) یہ الفاظ ہیں:

قدغلب علیہ الوجع وعندکم القرآن وحسبنا کتاب اللہ تعالیٰ — آپ کو مرض کی شدت ہے، ہمارے پاس قرآن موجود ہے خدا کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔

(صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں:)

(۱) فقالوا ان رسول اللہ ﷺ یھجر — تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بے حواسی (ھجر) کی باتیں کرتے ہیں۔

(۲) وقالوا ماشانہ اھجر استفھموہ (حوالہ سابق) — (تو لوگوں نے کہا کیا آپؐ بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں، آپؐ سے خود پوچھو)۔

اس بنا پر یہ روایت شیعہ وسنی کا بڑا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے، شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو واقعی تکلیف تھی اور (بقیہ حاشیہ ص ۱۳۷ پر)

(اس کے بعد آپؐ نے تین) وصیتیں فرمائیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے، دوسری یہ کہ سفرا کا اسی طرح احترام کیا جائے، جس طرح آپؐ کے زمانہ میں دستور تھا، تیسری وصیت راوی کو یاد نہیں رہی۔(۱)

(اسی دن (۲) ظہر کی نماز کے وقت آپؐ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی) آپؐ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپؐ پر ڈالی جائیں، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد میں لائے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے، آپؐ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی، یعنی آپؐ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔

(نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ دیا، جو آپؐ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا، آپؐ نے فرمایا:

''خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت میں) جو کچھ ہے اس کو قبول کرے لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول

(باقی حاشیہ ص ۱۳۶) یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا، خود قرآن مجید میں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ نازل ہو چکی تھی، اس لیے حضرت عمرؓ نے آپؐ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت ﷺ کسی کے روکنے سے کیوں کر رک سکتے تھے، اس واقعہ کے بعد چار دن آپؐ زندہ رہے، اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا (اور یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ آپؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے، بخاری میں ہے کہ آپؐ عبداللہ بن ابی بکرؓ کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپؐ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے، اس اختلاف کے بعد آپ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں، جو ضروری بات آپؐ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے، ممکن ہے، وہ یہی ہوں، یا اگر وہ اس کے علاوہ تھی تو آپؐ اس کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے، اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا، اس میں اس کا اظہار فرما سکتے تھے) ''س'' مجھ کو احتیاط کرنی چاہیے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ میں نہ آ جائے تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفارق میں لکھ چکا ہوں۔

(۱) صحیح بخاری ذکر وفات حوالہ سابق (وصحیح مسلم کتاب الوصیۃ حوالہ سابق) (۲) روایتوں میں بالتصریح یہ مذکور نہیں ہے کہ یہ کس دن کے ظہر کا واقعہ ہے لیکن صحیح مسلم کتاب المساجد باب النھی عن بناء المساجد علی القبور ج ۱ ص ۲۰۱ میں حضرت جندبؓ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی شان میں جو الفاظ آپؐ نے فرمائے تھے جن کا بیان آگے آتا ہے وہ وفات سے پانچ روز پیش تر فرمائے تھے اور چوں کہ مرض الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے بعد آپؐ نے فرمایا تھا جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، اس لیے یہ وفات سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا، حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۸ میں یہی فیصلہ کیا ہے) ''س''

کیں'' یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے، لوگوں نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپؐ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں، یہ رونے کی کون سی بات ہے لیکن رازدارِ نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپؐ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں ابوبکرؓ ہیں، اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے، مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا، میں منع کر جاتا ہوں۔ (۱)

زمانۂ علالت میں انصار آپؐ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے، ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گذر ہوا، انھوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی انھوں نے بیان کیا کہ ''حضور کی صحبتیں یاد آتی ہیں'' ان میں سے ایک صاحب نے جا کر آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آج اس کی تلافی کا موقع تھا، اس لیے اس کے بعد آپؐ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''یٰایھا الناس!'' ''میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمھیں ان کا فرض ادا کرنا ہے، وہ میرے (جسم میں بہ منزلہ) معدہ کے ہیں، جو تمہارے نفع و نقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہے، ان کو معاف کرے۔'' (۲)

اوپر گذر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرت ﷺ نے تجویز کیا تھا، اس کی سرداری اسامہ بن زیدؓ کو تفویض فرمائی تھی، اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو یہ منصب کیوں عطا ہوا، آنحضرت ﷺ نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:

''اگر اسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ زیدؓ کی سرداری پر بھی تم معترض تھے، خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس

(۱) صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، مناقب ابوبکرؓ ج ۱ ص ۵۱۶ و مسلم مناقب ابی بکر ج ۲ ص ۱۳۱۵ اخیر تکڑہ صحیح مسلم باب النھی عن بناء المساجد علی القبور ج ۱ ص ۲۰۱ میں ہے۔ (۲) صحیح بخاری مناقب انصار ج ۱ ص ۵۳۶۔

کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' (۱)

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے، پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکامِ الٰہی کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچادے، چوں کہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک و کفر تک منجر ہو چکی تھی اور اس کے نتائج پیش نظر تھے، اس لیے ارشاد فرمایا:

''حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔''

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے، آپؐ نے فرمایا:

اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؓ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لیے کچھ کرلو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔'' (۲)

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ حجرۂ عائشہؓ میں واپس تشریف لائے۔

آپؐ کو حضرت فاطمہ زہراؓ سے بے حد محبت تھی (اثنائے علالت میں) ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا ''پہلی دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا'' جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ ''میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آکر ملو گی۔'' (۳) تو ہنسنے لگی۔

یہود و نصاریٰ نے انبیا کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراط کی تھی، وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی، اسلام کا فرض اولین بت پرستی کی رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا، اس لیے

---

(۱) صحیح بخاری بعث اسامۃ ج ۲ ص ۶۴۱ و مناقب زیدؓ بن حارثہ ج ۱ ص ۵۲۸ (۲) یہ اور اس کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی باب استقبال القبلۃ ص ۱۶ مطبع خلیلی آرہ۔ کتاب الام امام شافعی اور ابن سعد جزء الوفات جز ۲ قسم ثانی ص ۴۶ میں بہ سند حسن مروی ہے لیکن ان روایتوں میں مذکور ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ نے یہ فرمایا لیکن بخاری کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ آپؐ نے ظہر کی نماز میں شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد خطبہ دیا تھا، دوسری غلطی مسند اور ابن سعد کی روایتوں میں یہ ہے کہ وہ دوشنبہ کی صبح یعنی روز وفات کا واقعہ اس کو بیان کرتے ہیں، حالانکہ بہ روایت صحیحہ ثابت ہے کہ دوشنبہ کی صبح کو آپؐ نے صرف پردہ اٹھا کر جھانکا تھا، نہ باہر تشریف لائے اور نہ نماز میں شرکت فرمائی۔ ''س'' (۳) صحیح بخاری ذکر وفات ج ۲ ص ۶۳۸۔

حالتِ مرض میں جو چیز سب سے زیادہ آپؐ کے پیش نظر تھی یہی تھی، (اتفاق سے بعض ازواجِ مطہرات نے جوحبشہ ہو آئی تھیں، اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبدوں (۱) کا اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا، آپؐ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی (۲) مرجاتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنالیتے ہیں) اوراس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے (۳) عین کرب کی شدت میں جب کہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے، حضرت عائشہؓ نے زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنے:

لعنة اللّٰه علیٰ الیهود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائهم مساجد. (۴) — یہود ونصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔

(اسی کرب و بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ عائشہؓ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ (۵) میں خیرات کردو۔")

(وفات سے ایک دن (۶) پہلے اتوار) لوگوں نے دوا پلانی چاہی، چوں کہ گوارا نہ تھی، آپؐ نے انکار فرمایا، اسی حالت میں غشی طاری ہوگئی، لوگوں نے منھ کھول کر دوا پلادی، افاقہ کے بعد آپؐ کو احساس ہوا، تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے، معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی، ان میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے، اس لیے وہ اس حکم سے (۷) مستثنیٰ رہے، محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضا تھا، یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آجاتی ہے آپؐ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنگ مزاجی نہیں، بلکہ لطفِ طبع تھا۔

مرض میں اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی، جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز)

---

(۱) (کوئی رومن کیتھولک گرجا ہوگا، جس میں حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ اور ولیوں اور شہیدوں کے مجسمے اور تصویریں ہوتی ہیں)

(۲) جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہیں (۳) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی البیعة ج ۱ ص ۶۲ و صحیح مسلم کتاب المساجد باب النهی عن بناء المساجد علی القبور ج ۱ ص ۲۰۰ (۴) صحیح بخاری ذکر وفات ج ۲ ص ۶۳۹ و صحیح مسلم باب مذکور سابق) (۵) مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۴۹ و ابن سعد جزء الوفات بہ روایت متعددہ جزء ثانی قسم ثانی ص ۳۲ (۶) ابن سعد وفات جزء ثانی قسم ثانی ص ۳۱۔ (۷) صحیح بخاری ذکر وفات ج ۲ ص ۶۴۱ و صحیح مسلم باب کراهة التداوی باللدود ج ۲ ص ۲۵۳۔

بہ ظاہر طبیعت کو سکون تھا، حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپؐ نے (صبح کے وقت) پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز میں مشغول تھے، دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے، لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں، فرطِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں، حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے، چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، آپؐ نے اشارہ سے روکا اور حجرۂ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے(۱) (صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپؐ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے (۲) یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہؓ نے جمالِ اقدس کی زیارت کی، حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ آپ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے(۳) یعنی سپید ہو گیا تھا۔)

(دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپؐ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا، حضرت فاطمہؓ زہرا یہ دیکھ کر بولیں "واکرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپؐ نے فرمایا "تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا" (۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ جب تندرست تھے، تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں، یا حیاتِ دنیا کو ترجیح دیں، اس حالت میں اکثر آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. (نساء۴:۶۹) ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔

اور کبھی یہ فرماتے:

اللّٰهم فی الرفیق الأعلیٰ (۵) خداوند! بڑے رفیق ہیں۔

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے)

---

(۱) صحیح بخاری ذکر وفات ج ۲ ص ۶۴۰ وکتب صحاح کتاب الصلوٰۃ (۲) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۷

(۳) حضرت انسؓ بن مالک کی روایت میں جو صحیح مسلم (کتاب الصلوٰۃ ص ۱۶۷) میں ہے، بیان ہے کہ تین دن کے بعد آپؐ اس وقت صبح کی نماز کے وقت برآمد ہوئے تھے لیکن جماعت میں شریک نہ ہو سکے اور واپس گئے، امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اور ابن سعد نے جزء الوفات جزء ثانی قسم ثانی ص ۲۳ میں ابن ابی سبرہ سے روایت کی ہے کہ آپؐ اس نماز میں شریکِ جماعت ہوئے لیکن یہ درحقیقت راوی کا سہو ہے، صحیح بخاری حوالہ سابق و مسلم حوالہ سابق وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے، کہ آپؐ شریکِ جماعت نہ ہو سکے اور واپس گئے، راوی کو گذشتہ نماز ظہر کا التباس ہوا، تین دن کے بعد سے مراد جمعرات کے روز جس دن آپؐ نے خطبہ دیا تھا، اس کے بعد جمعہ، سنیچر اور اتوار کے دن ہیں (۴) صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱

(۵) ایضاً ص ۶۳۸۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحب زادے عبدالرحمٰن خدمت اقدس میں آئے، آپؐ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سرٹیک کر لیٹے تھے، عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمتِ اقدس میں پیش کی، آپؐ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی (۱) آپؐ کی وفات کا وقت قریب آ رہا تھا، سہ پہر تھی (۲) سینہ میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے میں لبِ مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ (۳) سنے:

(الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم) نماز اور غلام

پاس پانی کی لگن تھی، اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے (چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے، اتنے میں) ہاتھ اٹھا کر (انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ) فرمایا:

بل الرفیق الاعلیٰ اور اب کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے، آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں (۴) اور روحِ پاک عالمِ قدس میں پہنچ گئی۔

اللّٰھم صل علیہ وعلیٰ اٰلہٖ وَاصحابہ صلوٰۃً کثیراً کثیرا۔

تجہیز وتکفین: تجہیز وتکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ ۱۲ ربیع الاول کو شروع ہوا، اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے۔

۱- عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا، کہ حضورؐ نے اس دنیا کو الوداع کہا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا (۵) لیکن حضرت ابوبکرؓ آئے اور انھوں نے تمام صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضورؐ کا اس جہان سے

---

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ (۲) ابن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ وفات دوپہر کو ہوئی ج ۲ ص ۴۲۶ لیکن حضرت انسؓ بن مالک سے بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اهل العلم والفضل احق بالامامة ج ۱ ص ۹۴ اور مسلم ج ۱ ص ۱۶۷ میں روایت ہے کہ آخر یوم یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی، حافظ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل چکی تھی اور سہ پہر کا وقت تھا، فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۰ (۳) (ادب المفرد امام بخاری ص ۳۴ مطبع معارف نظارت مصر ۱۳۰۹ھ، سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا ص ۱۹۸، اور ابن سعد جزء الوفات بہ سند صحیح ص ۴۴) (۴) صحیح بخاری، ذکر وفات ج ۲ ص ۶۴۰ (۵) طبری ج ۴ ص ۱۸۱۷۔

تشریف لے جانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔(۱)

۲- اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروبِ آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے۔

۳- قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا، اس لیے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

۴- جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی تھی، وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے، اس لیے بھی بڑی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن گذر کر رات کو فراغت ملی۔(۲)

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی، فضل بن عباسؓ اور اسامہؓ بن زید نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل دیا، حضرت عباسؓ بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان ہی نے پردہ بھی کیا تھا، چوں کہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا، اس لیے حضرت علیؓ نے اندر سے کواڑ بند کر لیے تھے، انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت گذاری میں ہمارا بھی حصہ ہے، حضرت ابوبکرؓ نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میں کسی کا حق نہیں ہے، اس لیے اگر سب کو اجازت دی گئی تو کام رہ جائے گا لیکن (انصار کے اصرار پر) حضرت علیؓ نے اوس بن خولی انصاریؓ جو اصحابِ بدر میں تھے، اندر بلالیا، وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے، حضرت علیؓ نے جسمِ مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا، حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحب زادے قثم اور فضل جسمِ مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہؓ بن زید اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔(۳)

(کفن کے لیے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا، وہ حضرت ابوبکرؓ کے صاحب زادے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ ووفاته ج۲ص۶۴۰ (۲) ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ چہار شنبہ کو تدفین ہوئی لیکن یہ تمام تر کذب اور جھوٹ ہے، خود ابن سعد میں صحیح روایتیں یہ ہیں کہ سہ شنبہ کو تدفین ہوئی، ج۲ص۳۲۔۴۳، البتہ چہار شنبہ کی شام شروع ہو گئی تھی، ابن ماجہ کی روایت ہے (کتاب الجنائز باب ذکر وفاته و دفنه ﷺ ص۱۱۸، فلما فرغوا من جهازه یوم الثلاثاء "جب سہ شنبہ کے تجہیز و تکفین سے فرصت ہوئی۔"

(۳) طبقات ابن سعد ص۶۲ و ۶۳ جزء الوفات وطبری ج۴ص۲۱۳۰ (مختصراً ابوداؤد کتاب الجنائز باب کم یدخل القبر ج۲ص۱۰۴ میں بھی ان صاحبوں کے نام ہیں، نیز ابن ماجہ کتاب الجنائز حوالہ سابق)

عبداللہ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی لیکن بعد کو اتار لی (۱) گئی) اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے کفن میں دیئے گئے، ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ (۲)

(غسل وکفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو دفن کہاں کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا، ''نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے، وہیں دفن بھی ہوتا ہے،'' چنانچہ نعشِ مبارک اٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرۂ عائشہؓ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا (۳) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپؐ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالیں، میدان میں اس کی داروگیر مشکل تھی (۴) اس لیے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا)۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور ابوطلحہؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اہل مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی، لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، حضرت عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہیں، دونوں صاحبوںؓ کے پاس آدمی بھیجا جائے، جو پہلے آجائے، لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ حضرت عباسؓ نے دونوںؓ صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے، اتفاق یہ کہ حضرت ابوعبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے، ابوطلحہؓ آئے ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی، جو لحدی یعنی بغلی تھی (۵) چوں کہ زمین نم تھی اس لیے جس بستر پر آپؐ نے وفات پائی تھی، وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔ (۶)

جنازہ تیار ہوگیا تو لوگ نماز کے لیے ٹوٹے (جنازہ حجرہ کے اندر تھا، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے) پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا۔ (۷)

جسم مبارک کو حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ (اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف) نے قبر میں اتارا (۸)

---

(۱) (صحیح مسلم ج۱ص ۳۴۷ کتاب الجنائز) (۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الکفن بلاعمامة ج۱ص ۱۶۹ و مسلم حوالہ مذکور و ابوداؤد کتاب الجنائز: باب فی الکفن ج۲ص ۱۴۱ (۳) ابن سعد جزء الوفات ص ۷۰ بروایات صحیحہ و ابن ماجہ کتاب الجنائز ذکر وفات نبویؐ باب ذکر وفاته الخ ص ۱۱۸ (۴) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الوفات ج۲ ص ۶۳۹۔ (۵) ابن ماجہ کتاب الجنائز ذکر وفاته ودفنه ص ۱۱۸ (۶) ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی ص ۵۷ (۷) ابن ماجہ حوالہ مذکور وابن سعد بہ روایت صحیحہ جزء الوفات ص ۷۰ (۸) ابوداؤد کتاب الجنائز باب کم یدخل القبر ج۲ ص ۴۶، ابن ماجہ حوالہ مذکور اور ابن سعد ص ۷۷ میں اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بجائے قثم بن عباسؓ اور شقران (غلام خاص) کے نام ہیں، ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دو روایتوں میں ترجیح کس کو ہو سکتی ہے۔)

متروکات

(آنحضرت ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات وجائداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ آپؐ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے، جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے:

لانورث ماترکنا صدقة. (۱) — ہم (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہیں پائیں گے، یعنی نہ ہوگی نہ پائیں گے، چنانچہ یاد ہوگا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عائشہؓ کے پاس امانت تھے، آپ نے اسی وقت نکلوا کر خیرات کرادیے۔

عمرو بن حویرثؓ سے جو ام المومنین جویریہؓ کے بھائی تھے، بخاری میں روایت ہے:

ماترک رسول الله ﷺ عند موته درهما ولا دینارا ولا عبدا ولا امة ولا شیئا الا بغلته البیضاء وسلاحه وأرضا جعلها صدقة. (۲)

آنحضرت ﷺ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا، نہ درہم، نہ دینار، نہ غلام، نہ لونڈی اور نہ کچھ اور صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔

ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

ماترک رسول الله ﷺ دینارا ولا درهما ولا بعیرا ولا شاة. (۳)

آنحضرت ﷺ نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ اونٹ، نہ بکری۔

بہر حال متروکات میں اگر تھیں تو یہی تین چیزیں تھیں، کچھ زمین، سواری کے جانور اور ہتھیار)

زمین: (حضرت عمرو بن حویرثؓ نے جس زمین کا ذکر کیا ہے، وہ مدینہ، خیبر اور فدک کے چند باغ تھے، مدینہ کی جائداد سے بنونضیر کی جائداد مراد ہے یا مخیریق نام ایک یہودی نے ۳ ہجری میں (غزوۂ احد کے موقع پر) آنحضرت ﷺ کو چند باغ وصیتاً ہبہ کئے تھے، وہ مراد ہیں، لیکن صحیح روایتوں سے

---

(۱) یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابوں میں ہے، بخاری میں متعدد مقامات میں ہے، کتاب الجہاد باب فرض الخمس ج ۱ ص ۴۳۵، کتاب الفرائض باب قول النبیؐ لانورث ماترکنا صدقة ج ۲ ص ۹۹۵ (۲) صحیح بخاری کتاب الوصایا ج ۱ ص ۳۸۲ (۳) کتاب الوصایا، باب مایومر به من الوصیة ج ۲ ص ۹۔

ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ باغ اسی وقت مستحقین کو تقسیم کر دیئے تھے۔(۱)

فدک اور خیبر کی نسبت ابتداہی سے شیعہ اور اہل سنت میں اختلاف ہے، شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آپؐ کی ذاتی جائداد تھی اور وراثت کے طور پر اہلِ بیت میں تقسیم ہونی چاہیے تھی، اہلِ سنت کہتے ہیں کہ یہ بطور ولایتِ اسلامی آپؐ کے قبضہ میں تھی اور ذاتی ہو بھی تو آپؐ نے خود فرمایا تھا کہ ''ہمارا جو ترکہ ہو، وہ صدقہ ہے۔'' (۲)

اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہؓ کے وقت میں پیدا ہو چکا تھا، حضرت عباسؓ (آپؐ کے چچا) حضرت فاطمہؓ (صاحب زادی) اور اکثر ازواج مطہرات مدعی تھیں کہ اس جائداد کو بہ طور وراثت تقسیم ہونا چاہیے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے، آنحضرت ﷺ (۳) خود اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی صرف کرتے تھے، اس میں تغیر نہ ہوگا (۴) آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ حیات میں ان تینوں جائدادوں کی آمدنی مختلف مدوں میں متعین کر دی تھی، بنونضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی، فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی، خیبر کی آمدنی کو آپؐ تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے، دو حصے عام مسلمانوں کے لیے تھے، ایک حصہ ازواجِ مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا، اس میں سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت میں کام آتا (۵) آخر میں حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی لیکن حضرت علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، خیبر اور فدک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ تک خلفا کے ہاتھ میں رہے۔) (۶)

جانور: اربابِ سیر نے آپؐ کے اسپ خاصہ اور مویشی اور دواب کی تفصیل اس طرح لکھی ہے، جس سے ایک والیِ ملک کے اصطبل اور دواب خانہ کا دھوکہ ہوتا ہے۔

---

(۱) بخاری کتاب الجہاد باب فرض الخمس ج ۱ ص ۴۳۵ میں ہے وصدقة بالمدينة یہ ان ہی باغوں کے متعلق ہے، تفصیل کے لیے فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۰ دیکھو، نیز صحیح بخاری میں کتاب المغازی ذکر نضیر ج ۲ ص ۵۷۶ (۲) بخاری کتاب الفرائض باب قول النبیؐ لانورث ماتركنا صدقة ج ۲ ص ۹۹۵ (۳) صحیح بخاری کتاب الفرائض حوالہ سابق ۹۹۶ (۴) یہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے، دیکھو کتاب الفرائض حوالہ سابق (۵) سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب صفايا رسول الله ﷺ ج ۲ ص ۲۰۔ (۶) حوالہ مذکورہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے باغ فدک سادات کو دے دیا تھا۔

طبری نے ان تمام جانوروں کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور اگر وہ قابل اعتبار ہوتے تو حقیقت میں نہایت دلچسپ تھے، لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روایتیں ہیں، سب بلا استثنا واقدی سے ماخوذ ہیں، پچھلے مصنفین جن میں بڑے بڑے محدثین ہیں، مثلاً یعمری، مغلطائی، حافظ عراقی وغیرہ نے بھی یہ تفصیل لکھی ہے اور چوں کہ یہ مصنفین اکثر سلسلۂ سند نہیں لکھتے، اس لیے اکثر لوگ ان کے مستند ہونے کی بنا پر اس واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں لیکن جب تفتیش کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تمام روایتوں کا سلسلۂ سند واقدی سے آگے نہیں بڑھتا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گذر چکی ہے:

ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینارا ولا درهما ولابعیرا ولاشاۃ. (ابوداؤد ج۲ ص۹)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ اونٹ نہ بکری۔

صحیح بخاری (کتاب الجہاد) میں عمرو بن حویرث (ام المومنین جویریہؓ کے بھائی تھے) سے روایت ہے:

ماترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم الابغلته البیضاء وسلاحه وارضا ترکها صدقة. (باب بغلة النبیؐ ج۱ ص۴۰۲)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں چھوڑا، بجز اپنے سفید خچر اور ہتھیار اور ایک زمین کے جو وقف عام ہوگئی۔

ان روایتوں سے معلوم ہوگا کہ متروکاتِ خاصہ میں صرف ایک جانور تھا، ان صحیح اور مسلم روایات کے ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب اور دواب کی اتنی بڑی فہرست جو طبری وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاج دار سلطنت کے شایانِ حال ہے، کیوں کر تسلیم کی جاسکتی ہے۔

احادیث صحیحہ کے استقرا سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عمروؓ بن حویرث کی مختصر فہرست سے زائد چیزیں بھی آپؐ کے قبضہ میں آئیں لیکن اس سے عمرو کی روایت پر اثر نہیں پڑ سکتا، کیوں کہ عمرو صرف اس بات کے مدعی ہیں کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا ممکن ہے کہ یہ چیزیں وفات سے پہلے آپؐ نے حسب عادت ہبہ یا خیرات کر دی ہوں، بہر حال (ازروئے روایاتِ صحیحہ مختلف اوقات میں) حسب ذیل جانور آپؐ کے دائرۂ ملک میں آئے۔

لُحَیف: ایک گھوڑا جو اُبی بن عباس کے باغ میں بندھا تھا، بخاری نے کتاب الجہاد باب اسم الفرس والحمار ج۱ ص۴۰۰ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

عُفیر: ایک گدھا تھا، حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنے

ساتھ اس پر بٹھایا تھا (بخاری کتاب الجہاد حوالہ سابق)

عضباوقصوا: نہایت تیز اونٹنی تھی، قصوا بھی اسی کا نام ہے (طبری ج ۴ ص ۱۷۸۴ میں ہے کہ اسی کو آپؐ نے ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ سے خریدا تھا اور اسی پر سوار ہو کر آپؐ نے ہجرت فرمائی تھی اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابوایوبؓ کے مکان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی (۱) حجۃ الوداع کا خطبہ بھی آپؐ نے اسی کی پشت پر دیا تھا) (۲) یہ ہر معرکہ میں بازی لے جاتی تھی، ایک دفعہ ایک بدو باہر سے آیا، اس کی سواری میں ایک اونٹ تھا جو ابھی جوان بھی نہیں ہوا تھا، عضبا کا اس سے مقابلہ ہوا اور وہ آگے نکل گیا، صحابہؓ کو ملال ہوا، آپؐ نے فرمایا کہ ''یہ خدا کا فرض ہے کہ دنیا کی کوئی چیز جب سر اٹھائے تو اس کو پست کردے۔'' (بخاری کتاب الجہاد باب ناقۃ النبیؐ ج ۱ ص ۴۰۲)

دلدل: کا ذکر اکثر روایتوں میں ہے اسی خچر کا نام ہے، جس کا ذکر عمروؓ بن حویرث کی روایت میں ہے، چنانچہ بخاری کے شارحین نے تصریح کی ہے، یہ خچر مقوقس مصری نے آپؐ کو تحفہ میں بھیجا تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن العلما (رئیس ایلہ) نے بھی آپؐ کو ایک سفید خچر (غزوۂ تبوک کے موقع پر تحفۃً بھیجا تھا۔ (۳)

غزوۂ حنین میں جس سفید خچر پر آپؐ سوار تھے، وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیتاً بھیجا تھا، اربابِ سیر نے اس خچر کو دلدل سمجھا ہے لیکن یہ غلط ہے (۴) صحیح مسلم میں اس کی تصریح موجود ہے۔) (۵)

اسلحہ: اس زہد وقناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے توشہ خانہ مبارک میں حسب ذیل سامان تھا، نو عدد تلواریں تھیں، جن کے نام یہ ہیں، ماثور، عصب، ذوالفقار، قلعی، بتار، حتف، مخذم، قضیب۔

ماثور، والد ماجد سے میراث میں ملی تھی، ذوالفقار بدر میں ہاتھ آئی تھی، تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا، فتحِ مکہ میں جو تلوار آپؐ کے ہاتھ میں تھی، اس کا قبضہ زریں تھا، سات زرہیں تھیں، ذات الفضول، ذات الوشاح، ذات الحواشی، سعدیہ، فضہ، تبرا، خرنق، ذات الفضول وہی زرہ تھی جو تیں

---

(۱) صحیح بخاری ذکر ہجرت ج ۱ ص ۵۶۰ (۲) صحیح مسلم کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ ج ۱ ص ۴۶۹ وابوداؤد ذکر حجۃ الوداع ج ۱ ص ۱۹۰ (۳) کتاب الجہاد باب بغلۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۴۰۲، رئیس ایلہ ابن العلما کا نام یوحنا بن رویہ تھا (عمدۃ القاری کتاب الزکوٰۃ باب خرص التمر ج ۴ ص ۴۱۶) (۴) فتح الباری ذکر غزوہ حنین، ج ۸ ص ۲۴ (۵) کتاب الجہاد، باب غزوۂ حنین ج ۲ ص ۸۱۔

صاع پر ایک یہودی کے ہاں سال بھر کے لیے آپؐ نے رہن (۱) رکھی تھی، زرہیں سب لوہے کی تھیں، اگرچہ عرب میں چمڑے کی زرہیں بھی ہوتی تھیں۔

چھ کمانیں تھیں، زورا، روحا، صفرا، بیضا، کتوم، شداد، کتوم وہ کمان تھی جو غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی تھی، اور آپؐ نے قتادہ کو دے دی تھی، ایک ترکش تھا، جس کو کافور کہتے تھے، چمڑے کی ایک پیٹی تھی، جس میں چاندی کے تین حلقے تھے لیکن ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ کسی حدیث سے مجھ کو یہ نہیں پتہ لگا کہ آپؐ نے کبھی پیٹی لگائی بھی تھی، ایک ڈھال تھی، جس کا نام زلوق تھا، پانچ برچھیاں تھیں، لوہے کا ایک مغفر تھا، جس کا نام موشح تھا، ایک اور مغفر تھا، جس کو سبوغ کہتے تھے۔

تین جبے تھے جن کو آپؐ لڑائی میں پہنتے تھے، کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک دیبائے سبز کا تھا، ایک سیاہ علم تھا، جس کا نام عقاب تھا اور بھی زرد و سفید علم تھے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۳۳)

آثار متبرکہ: (ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاریں بھی تھیں، جو لوگوں نے تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑی تھیں، حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے عقیدت مندوں کو موئے مبارک عطا فرمائے تھے، جو زیادہ تر حضرت ابوطلحہؓ انصاری کے ہاتھ آئے تھے (۲) حضرت انسؓ بن مالک کے پاس بھی موئے مبارک (۳) تھے، ان کے پاس دو چیزیں اور تھیں، نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ جو چاندی کے تاروں سے جوڑ دیا گیا تھا (۴) ذوالفقار جو حضرت علیؓ کے پاس تھی، ان کے بعد ان کے خاندان میں یادگار رہی، امام حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ حضرت علیؓ بن حسینؓ کے ہاتھ آئی، بعض صحابہؓ نے آ کر ان کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ یادگار آپؐ سے نہ چھن جائے، اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان کے ساتھ رہے (۵) لیکن انھوں نے یہ ایثار گوارا نہ کیا۔ (۶)

حضرت عائشہؓ کے پاس آپؐ کے وہ کپڑے تھے جن میں آپؐ نے انتقال فرمایا تھا (۷)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب البیوع باب شری النبیؐ بالنسیئۃ ج ۱ ص ۲۷۸ و کتاب الرہن باب من رھن درعہ ج ۱ ص ۳۴۱ (۲) صحیح مسلم کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ یوم النحر ان یرمی الخ ج ۱ ص ۴۹۹ (۳) صحیح بخاری کتاب الوضو باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان ج ۱ ص ۲۹ (۴) شمائل ترمذی باب ماجاء فی قدح رسول اللہ ص ۱۵۶، و بخاری کتاب الجہاد باب ما ذکر من درع النبیؐ ج ۱ ص ۴۳۸ "ک، ص" (۵) بخاری کی تصریح کے مطابق یہ مطالبہ حضرت مسور بن مخرمہؓ نے کیا تھا، ج ۱ ص ۴۳۸ "ک، ص" (۶) ایضاً (۷) (ان تمام آثار مذکورہ بالا کا ذکر صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ذکر من درع النبیؐ و عصاہ و سیفہ و قدحہ و خاتمہ. ج ۱ ص ۴۳۸ میں ہے)

استحقاقِ خلافت کی بناپر خاتم (مہر) اورعصائے مبارک جن کا احادیث میں ذکر ہے، پہلے حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے قبضہ میں آئے لیکن ان ہی کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہوگئیں، انگوٹھی تو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے ایک کنوئیں میں گرگئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاری (۱) نے توڑ ڈالا۔

(امام بخاری نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے) (۲)

مسکنِ مبارک: (آنحضرت ﷺ کم سن تھے، کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اپنے دادا اور چچا کے گھروں میں پرورش پائی اور یہیں سنِ رشد کو پہنچے، پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی کی، یہ متیقن طور پر نہیں معلوم کہ اس کے بعد آپؐ نے اپنے موروثی مکان میں اقامت فرمائی، یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر رہے لیکن آپؐ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ میں موجود تھا، جس پر عقیل نے جو آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، قبضہ کرلیا تھا، چنانچہ فتحِ مکہ کے موقع پر جب آپؐ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپؐ کہاں قیام فرمائیں گے؟ کیا اپنے دولت خانہ پر ٹھہریں گے؟ آپؐ نے فرمایا، عقیل نے ہمارے لیے گھر کہاں چھوڑا؟ (۳)

مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت ﷺ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر قیام فرمارہے، اس اثنا میں آپؐ تنہا تھے، اہل وعیال مکہ ہی میں تھے، جب آپؐ نے مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے اور اس وقت آپؐ نے آدمی بھیج کر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا اوران ہی حجروں میں اتارا۔ (۴)

آخرِ ایام میں آنحضرت ﷺ کی نوبیویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں، جن میں نہ صحن تھا نہ دالان تھے، نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے، ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیواریں مٹی کی تھیں، جو اس قدر کم زور تھیں کہ ان میں شگاف پڑ گیا تھا اوران سے اندر دھوپ آتی تھی، چھت کھجور کی شاخوں اور پتیوں سے چھائی تھی، بارش سے بچنے کے لیے

(۱) (خاتم کا ذکر کتاب الجہاد کے علاوہ بخاری کتاب اللباس باب خاتم الفضۃ ج ۲ ص ۸۷۲ میں ہے، عصائے مبارک کا حال فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۸ سے ماخوذ ہے۔) ''س'' (۲) بخاری کتاب الجہاد، باب ماذکر من درع النبیؐ الخ ج ۱ ص ۴۳۸ (۳) بخاری کتاب المغازی فتح مکہ ج ۲ ص ۶۱۴ (۴) ابن سعد جز اول قسم اول ص ۱۶۱۔

بال کے کمبل لپیٹ دیئے جاتے تھے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھوسکتا تھا، گھر کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔(۱)

آنحضرت ﷺ ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرے میں بسر فرماتے تھے، دن کو عموماً اصحاب کی مجلس میں تشریف رکھتے، جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشست گاہ تھی۔

ان حجروں کے علاوہ ایک بالا خانہ بھی تھا، جس کو احادیث میں ''مشربہ'' کہا گیا ہے، ۹ ہجری میں جب آپؐ نے ایلا کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کے چوٹ کھائی تھی، تو ایک مہینہ اسی پر اقامت (۲) فرمائی تھی، اس بالا خانہ پر سامانِ آرائش کیا تھا، ایک چٹائی کا بستر، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ادھر اُدھر چند کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔(۳)

کاشانۂ نبوت گو انوارِ الٰہی کا مظہر تھا، تاہم اس میں رات کو چراغ تک نہیں ہوتا تھا (۴) گھر کی دنیاوی اور ظاہری آرائش بھی پسند خاطر نہ تھی، ایک بار حضرت عائشہؓ نے دیواروں پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھے تو آپؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا ہم کو اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لیے مال نہیں دیا گیا ہے۔(۵)

یہ حجرہ ہائے مبارک آپؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہراتؓ کے قبضہ میں رہے، ان میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا، تو وہ حجرہ ان کے اعزہ کی ملکیت میں چلا جاتا، جن سے حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اکثر حجروں کو خرید لیا تھا۔(۶)

حضرت عمرؓ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض حجرے توڑ کر مسجدِ نبویؐ میں داخل کر لیے گئے، تاہم ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے، ۸۸ ہجری میں جب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز مدینہ کے والی تھے، تمام حجرے بجز حجرہ عائشہؓ کے کہ وہ مدفنِ نبویؐ ہے، توڑ کر مسجد نبویؐ میں ملا دیئے گئے، جس دن یہ حجرے ٹوٹے ہیں، تمام مدینہ میں کہرام مچا ہوا تھا، کہ حضور انور ﷺ کی ایک اور یادگار مٹ گئی۔(۷)

---

(۱) (یہ پوری تفصیل ادب المفرد بخاری باب التطاول فی البنیان ص ۸۸ و باب البناء ص ۱۵۵ میں ہے)(۲) ابوداؤد، باب الامام یصلی من قعود ج ۱ ص ۶۲ (۳) صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۶۹ کتاب اللباس باب ما کان رسول اللہ ﷺ یتجوز من اللباس والبسط (۴) صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۳ کتاب الصلوٰۃ باب التطوع خلف المراۃ (۵) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۹، کتاب اللباس باب فی الصور (۶) ابن سعد جزء نساء جز ۸ ص ۱۱۸ (۷) ایضاً ص ۱۲۰۔

دایہ: آنحضرت ﷺ کو جو ترکہ والد سے ملا تھا، اس میں ایک حبشیہ کنیز بھی تھیں جن کا نام ام ایمنؓ تھا، آنحضرت ﷺ کی انا یا دایہ (۱) وہی تھیں، آنحضرت ﷺ کی وفات تک زندہ رہیں، آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کو ماں کہہ کر پکارتے تھے اور جب ان کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ "اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں" جب آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے عقد کیا تو ان کو آزاد کر کے حضرت زیدؓ سے جو آپؐ کے متبنیٰ اور محبوبِ خاص اور حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے، شادی کر دی، اسامہؓ انہی کے بطن سے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے مزاح کا یہ واقعہ جو کتابوں میں منقول ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے ایک اونٹ مانگا، آپؐ نے فرمایا، میں اونٹ کا بچہ دوں گا، بولیں کہ بچہ لے کر کیا کروں گی، آپؐ نے فرمایا کہ "جتنے اونٹ ہیں، اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہیں" ان ہی کا واقعہ ہے۔

یہ اکثر غزوات میں شریک رہیں، جنگِ احد میں سپاہیوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، جنگِ خیبر میں بھی شریک تھیں۔ (۲)

خدام خاص: صحابہؓ میں سے بعض عقیدت مند ایسے تھے جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے اور خاص خاص کام انجام دیتے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی ہیں، فقہ حنفی کے بانی اول گویا وہی ہیں، امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کا سلسلہ ان ہی کی روایات اور استنباطات پر منتہی ہوتا ہے، مکہ معظمہ میں قرآن مجید کی اشاعت آنحضرت ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں ان ہی نے کی، ستر سورتیں خود آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔

یہ آنحضرت ﷺ کے راز دار بھی تھے، اور جب آنحضرت ﷺ سفر میں جاتے تو خواب گاہ، وضو اور مسواک کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا، جب آپؐ مجلس سے اٹھتے تو جوتیاں پہناتے، راہ میں آگے آگے عصا لے کر چلتے، جب آپؐ کہیں کسی مجلس میں جا کر بیٹھتے تو نعلینِ مبارک اتار کر بغل میں رکھ لیتے، پھر اٹھنے کے وقت سامنے لا کر رکھ دیتے، جلوت وخلوت میں ساتھ

(۱) صحیح مسلم کتاب الجہاد، باب رد المہاجرین الی الانصار منائحھم ج ۲ ص ۹۷ (۲) یہ تمام حالات طبقات ابن سعد جز ثامن ص ۱۶۲ تذکرہ ام ایمن سے ماخوذ ہیں۔

رہتے رہتے آنحضرت ﷺ کے اخلاق وعادات کا نمونہ بن گئے تھے۔(۱)

۲۔ حضرت بلالؓ دنیا ان کو مؤذن کے لقب سے جانتی ہے (یہ حبشی نژاد غلام تھے، مکہ میں ایمان لائے تھے اور جس جوش وخروش سے ایمان لائے تھے اس کا مختصر ذکر آغازِ کتاب میں گذر چکا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا، اس وقت سے برابر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے) آپؐ کا خانگی انتظام ان ہی کے سپرد تھا، بازار سے سودا سلف لانا، قرض دام لینا پھر ادا کرنا، مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا، یہ تمام باتیں ان ہی سے متعلق تھیں۔(۲)

۳۔ (حضرت انسؓ بن مالک بھی آپؐ کے خادمِ خاص تھے، آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہ نہایت کم سن تھے، ان کی ماں خدمتِ اقدس میں ان کو لائیں اور عرض کی ''یارسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے لائی ہوں کہ خدمت گذاری کرے۔(۳)

حضرت انسؓ نے دس برس تک آپؐ کی خدمت کی، لوگوں کے پاس آنا جانا، چھوٹے چھوٹے کام کرنا، وضو کا پانی لانا ان کے فرائض تھے، چوں کہ ابھی کم سن تھے، ان سے کام بن نہیں آتے تھے لیکن آپؐ نے ان سے کبھی باز پرس نہ فرمائی۔)(۴)

---

(۱) یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۱۰۸ میں ہے، مجملاً صحیح بخاری باب مناقب عبداللہؓ بن مسعود ج ۱ ص ۵۳۱ میں بھی یہ مذکور ہے (۲) ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷ کتاب الخراج والامارة باب قبول هدايا المشركين (۳) صحیح مسلم فضائل انسؓ ج ۲ ص ۳۵۲ (۴) ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحلم واخلاق النبیؐ ج ۲ ص ۱۸۵۔

شمائل

شکل ولباس وطعام ومذاقِ طبیعت

حلیۂ اقدس: آپؐ میانہ قد اور موزوں اندام تھے، رنگ سفید سرخ تھا، پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے، بینیٔ مبارک درازی مائل تھی، چہرہ ہلکا یعنی بہت پر گوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا، دندانِ مبارک بہت پیوستہ نہ تھے، گردن اونچی، سر بڑا اور سینہ کشادہ اور فراخ تھا، سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے تھے، ریشِ مبارک گھنی تھی، چہرا کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سیاہ وسرگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں، شانے پر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، سینۂ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی، شانوں اور کلائیوں پر بال تھے، ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں، پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔(۱)

(صحابہؓ پر آپؐ کے حسن وخوب روئی کا بہت اثر پڑتا تھا، حضرت عبداللہؓ بن سلام جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرۂ اقدس پر ان کی نظر پڑی ہے تو بولے ''خدا کی قسم یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔'' (۲) جابرؓ بن سمرہ ایک صحابی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا آپؐ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا، بولے ''نہیں ماہ وخورشید کی طرح'' (۳) یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا، میں کبھی آپؐ کو دیکھتا، کبھی چاند کو دیکھتا تھا، تو آپؐ مجھے چاند سے زیادہ خوب رو معلوم ہوتے تھے (۴) حضرت براءؓ صحابی کہتے ہیں، میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس میں آپؐ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔(۵)

---

(۱) یہ حلیہ بہ تفصیل شمائل ترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ دار الطباعۃ، مصر ۱۲۸۰ھ ومسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۱۶ و ۱۱۷ میں اور مختصراً بخاری کتاب الفضائل باب صفۃ النبیؐ ج ۱ ص ۵۰۲ ومسلم باب صفۃ النبی ﷺ ج ۲ ص ۲۹۶ میں بھی ہے (۲) ترمذی ابواب الزہد ص ۴۰۹ (۳) مشکوٰۃ باب صفۃ النبی ﷺ ص ۵۰۷ بحوالہ مسلم (۴) مشکوٰۃ باب مذکور ص ۵۱۰ بحوالہ ترمذی ودارمی (۵) صحیح مسلم باب مذکور ج ۲ ص ۲۹۶۔

آپ کے پسینہ میں ایک قسم کی خوشبو تھی (۱) چہرۂ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح (۲) ڈھلکتے تھے، جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ کا رنگ نہایت کھلتا تھا، آپ کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا، میں نے دیبا اور حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مشک و عنبر میں بھی آپ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی۔ (۳)

عام طور پر مشہور ہے کہ آپ کے سایہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔)

مہر نبوت: شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی، یہ بہ ظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا (صحیح مسلم اور) شمائل ترمذی میں حضرت جابرؓ بن سمرہ سے روایت ہے:

رأیت الخاتم بین کتفی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم غدة حمراء مثل بیضة الحمامة. (۴)	میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم کو دیکھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا۔

(لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شانہ کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدیر شکل پیدا ہوگئی تھی، اسی کو مہر نبوت کہتے تھے (۵) تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا، جس پر تل تھے اور بال اُگے ہوئے تھے۔)

موئے مبارک: سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے، فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا تو شانوں پر چار گیسو پڑے تھے۔ (۶)

مشرکین عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ کفار کے مقابلہ میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، ابتدا میں آپ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے

---

(۱) صحیح مسلم باب طیب رائحة النبیؐ ج ۲ص ۲۹۵ (۲) بخاری واقعہ افک کتاب المغازی ج ۲ص ۵۹۶ (۳) مشکوٰۃ باب مذکور ص ۵۰۸ بحوالہ بخاری و مسلم (۴) شمائل ترمذی ص ۴۵ (۵) صحیح مسلم کتاب الفضائل (باب اثبات خاتم النبوة ج ۲ص ۲۹۹) (مشہور ہے کہ پشت پر جو خاتم نبوت تھی، اس میں گویا قدرتی طور پر کلمۂ طیبہ تحریر تھا، یہ بالکل بے سند بات ہے، احادیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ ان میں سے بعض روایتیں باطل اور بعض بہت ہی ضعیف ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "لم یثبت منها شیء" (زرقانی بر مواہب ج ۱ص ۱۸۴) البتہ کلمہ اس نقرئی خاتم میں منقوش تھا، جو انگشتِ مبارک میں خطوط پر مہر کرنے کی غرض سے آپ پہنا کرتے تھے، لوگوں نے غلطی سے اس کو خاتم نبوت کی طرف منسوب کر دیا۔ "س" (۶) شمائل ترمذی ص ۵۸۔

رکھتے تھے، پھر مانگ نکالنے لگے، یہ شمائلِ ترمذی (ص ۵۹) کی روایت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا اس لیے اخیر اخیر زمانہ میں مانگ نکالنے لگے تھے۔

(بالوں میں اکثر تیل ڈالتے تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے، ریشِ مبارک میں گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے) (۱)

رفتار: رفتار بہت تیز تھی، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اتر رہے ہیں، (۲) ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ تھا، یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور نا قابلِ اعتبار ہیں۔

گفتگو: گفتگو نہایت شیریں اور دل آویز تھی، بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا، معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے، جس بات پر زور دینا ہوتا، بار بار اس کا اعادہ فرماتے (۳) حالتِ گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی (۴) آواز بلند تھی، حضرت اِم ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کعبہ میں قرآن پڑھتے تھے اور ہم لوگ گھروں میں پلنگوں پر لیٹے لیٹے سنتے تھے۔ (۵)

حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے ایک صاحب زادے تھے، جن کا نام ہند تھا، وہ نہایت خوش تقریر تھے، جس چیز کا بیان کرتے اس کی تصویر کھینچ دیتے، حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان سے پوچھا ''آنحضرت ﷺ کیوں کر تقریر فرماتے تھے'' انھوں نے کہا ''آپؐ ہمیشہ متفکر رہتے تھے، اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا، ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے، کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رخ پلٹ دیتے، تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے، بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔

خندہ و تبسم: ہنستے بہت کم تھے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپؐ کی ہنسی تھی (۶) جریر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو دیکھا ہو اور مسکرا نہ دیا ہو، روایتوں میں آیا

(۱) شمائل ترمذی ص ۶۱، ۶۳، ۶۶ (۲) ایضاً ص ۱۱۹ (۳) ایضاً ص ۱۷۵ (۴) شرح الزرقانی ج ۴ ص ۱۰۴ بحوالہ ابوداؤد (۵) ابن ماجہ باب ماجاء فی القراۃ فی صلوۃ اللیل ص ۹۷ (۶) شمائل ترمذی ص ۱۷۵۔

ہے کہ کبھی کبھی جب آپ کو زیادہ ہنسی آتی تو ڈاڑھ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے، (۱) لیکن ابن القیم وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ طرزِ ادا کا مبالغہ ہے، ورنہ کبھی آپ اس زور سے نہیں ہنسے کہ نواجذ نظر آئیں۔ (۲)

لباس: لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا، عام لباس چادر اور تہمد تھی، پاجامہ کبھی استعمال نہیں فرمایا لیکن امام احمد اور اصحابِ سننِ اربعہ نے روایت کی ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ خریدا تھا، حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا (۳) موزوں کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے، آپ نے استعمال فرمائے (۴) بہ ظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرمی تھے، عمامہ کا شملہ کبھی دوشِ مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا، کبھی تحت الحنک کے طور پر لپیٹ لیتے تھے، عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا (۵) عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی، اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی (عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا، فرماتے تھے کہ ہم میں اور مشرکین میں یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں) (۶)

چادر: لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادریں (۷) پسند تھیں، جن کو عربی میں حیرہ کہتے ہیں۔

عبا: بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہے، جس کی آستین اس قدر تنگ تھی کہ وضو کرنا چاہا تو چڑھ نہ سکی، اور ہاتھ کو آستین سے نکالنا پڑا، نوشیروانی قبا بھی جس کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف تھی، استعمال کی ہے۔

کمل: جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے کمل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہمد نکال کر دکھائی کہ ان ہی کپڑوں میں آپ نے وفات پائی۔ (۸)

حلۂ حمراء: روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے حلۂ حمراء بھی استعمال کیا ہے، حمراء کے معنی سرخ کے ہیں، اس لیے اکثر محدثین نے وہی عام معنیٰ لیے ہیں لیکن ابن القیم نے اصرار کے ساتھ دعویٰ کیا

(۱) شمائل ترمذی ص ۱۸۲ و ۱۸۶ (۲) یہ بحث تفصیل سے شرح زرقانی ج ۴ ص ۲۱۶ میں امام سیوطی کی نسبت سے بیان کی گئی ہے (ض) (۳) شرح الزرقانی ج ۵ ص ۵۲ (۴) شرح الزرقانی ج ۵ ص ۵۳ (۵) ایضاً ص ۴ (۶) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی البهائم ج ۲ ص ۱۱۶ (۷) صحیح بخاری کتاب اللباس، باب البرود والحبرة ج ۲ ص ۸۶۵ (۸) بخاری کتاب اللباس باب الاکسیة ج ۲ ص ۸۶۵۔

ہے کہ سرخ لباس آپؐ نے کبھی نہیں پہنا اور نہ آپؐ مردوں کے لیے اس کو جائز رکھتے تھے، حلۂ حمراء ایک قسم کی یمنی چادر تھی جس میں سرخ دھاریاں بھی ہوتی تھیں، اس بنا پر اس کو حمراء کہتے تھے اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے، عام محدثین کہتے ہیں کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں، زرقانی میں یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے (ج۵ص۲۷) مختلف روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے سیاہ، سرخ، زعفرانی، سبز، ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب (۱) تھا (بعض اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے، جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی)۔(۲)

نعلین: نعلین مبارک اس طرز کے تھے، جس کو اس ملک میں چپل کہتے ہیں، یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا، جس میں تسمے لگے ہوتے تھے، بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا، جس میں روئی کے بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے، چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی، جس سے اکثر جسم پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔(۳)

انگوٹھی: جب آپؐ نے نجاشی اور قیصرِ روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے عرض کی کہ سلاطین مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے، اس بنا پر چاندی کی انگوٹھی بنوائی، جس میں اوپر تلے تین سطروں میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے اور داہنے ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے۔(۴)

خود زرہ: لڑائیوں میں زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے، احد کے معرکہ میں جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں، (۵) تلوار کا قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا۔

غذا اور طریقۂ طعام: اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پر تکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے، یہاں تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ باب الخبز المرقق ج۲ص۸۱۱ میں ہے) تمام عمر آپؐ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی، تاہم بعض کھانے آپؐ کو نہایت مرغوب تھے، سرکہ، شہد، حلوا، روغنِ زیتون، کدو، خصوصیت کے ساتھ پسند تھے، سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے تھے (۶) ایک دفعہ حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور

---

(۱) ابوداؤد ج۲ کتاب اللباس باب فی البیاض ص۱۱۵، مسند ابن حنبل ج۱ص۲۴۷ (۲) ایضاً باب لبس الصوف والشعر ص۱۱۲ (۳) شرح الزرقانی ج۵ص۴۵ و۶۲ (۴) ایضاً ص۵۰ (۵) ایضاً ج۳ص۴۳۵

(۶) بخاری کتاب الاطعمہ باب من تتبع حوالی القصعۃ ج۲ص۸۱۰۔

پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے، بولیں کہ سرکہ ہے، فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو، اس کو نادار نہیں کہہ سکتے، عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے، جس کو حیس کہتے ہیں، یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے، آپؐ کو یہ بہت مرغوب تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن عباسؓ ام سلمیٰؓ کے پاس گئے اور کہا آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت ﷺ کو بہت مرغوب تھا، بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگوں نے اصرار کیا تو انھوں نے جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا، اوپر سے روغنِ زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں، پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا کہ یہ آپؐ کی محبوب ترین غذا تھی۔

گوشت کے اقسام میں سے آپؐ نے دنبہ، مرغ، بٹیر (حباری) اونٹ، بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش، مچھلی کا گوشت کھایا ہے، دست کا گوشت بہت پسند تھا، شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہ آپؐ کو چنداں مرغوب نہ تھا، بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا، اس لیے جب کبھی مل جاتا تو آپؐ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے، دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے، اس لیے آپؐ اسی کی فرمائش کرتے لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپؐ کو یہ گوشت پسند تھا۔

حضرت صفیہؓ کے نکاح میں جب آپؐ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا، تو صرف کھجور اور ستو تھا، تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، پتلی ککڑیاں پسند تھیں، ایک دفعہ معوذ بن عفرا کی صاحب زادی نے کھجور اور پتلی ککڑیاں خدمت میں پیش کیں، (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے)

پانی، دودھ، شربت: ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا، دودھ کبھی خالص نوش فرماتے، کبھی اس میں پانی ملا دیتے، کشمش، کھجور، انگور، پانی میں بھگو دیا جاتا، کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوشِ جاں فرماتے، کھانے کے ظروف میں ایک لکڑی کا پیالہ تھا، جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا، روایت میں اسی قدر ہے، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہوگا، اس لیے تاروں سے جوڑ دیا ہوگا۔

معمولاتِ طعام: دستر خوان پر جو کھانا آتا، اگر ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے لیکن اس کو برا نہ کہتے، جو سالن سامنے ہوتا، اسی میں ہاتھ ڈالتے، ادھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے، کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے، میز یا خوان پر کبھی

نہیں کھایا، خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی، عجم اسی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے، چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی، یعنی امرا اور اہلِ جاہ کے ساتھ مخصوص تھی، اس لیے آپؐ نے اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا (۱) کھانا صرف انگلیوں سے کھاتے، گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے، صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے (۲) ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو، کیوں کہ یہ اہلِ عجم کا شعار ہے (۳) لیکن ابوداؤد نے خود اس کو ضعیف حدیث کہا ہے، اس حدیث کے ایک راوی ابومعشر نجیح ہیں، جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور ان ہی منکرات میں حدیث مذکور بھی ہے۔ (۴)

خوش لباسی: گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپؐ کو نفرت تھی لیکن کبھی کبھی آپؐ نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب حروریہ کے پاس سفیر ہو کر گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہن کر گئے، حروریہ نے کہا، کیوں ابن عباسؓ یہ کیا لباس ہے؟ بولے کہ تم اس پر معترض ہو، میں نے آنحضرت ﷺ کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے۔ (۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نہایت متقشف تھے، ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا، گھر پر آکر دیکھا تو اس میں سرخ دھاریاں تھیں، جاکر واپس کرآئے، کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماءؓ (حضرت عائشہؓ کی بہن) سے کہا، انھوں نے آنحضرت ﷺ کا جبہ منگوا کر لوگوں کو دکھایا، جس کی جیبوں اور آستینوں اور دامن پر دیبا کی سنجاف تھی۔ (۶)

(بعض امرا و سلاطین نے آنحضرت ﷺ کو بیش قیمت کپڑے ہدیہ بھیجے، آپؐ نے قبول فرمایا اور کبھی کبھی زیب تن کیے۔)

مرغوب رنگ: رنگوں میں زرد رنگ بہت پسند تھا، حدیثوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی آپؐ تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے، (۷) (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا، فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے۔)

---

(۱) غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی ابواب اکل الخبز والادام اور زاد المعاد ابن قیم ج ۱ ص ۳۷ فصل طعام سے ماخوذ ہیں (۲) کتاب الاطعمہ باب قطع اللحم بالسکین ج ۲ ص ۸۱۴ (۳) ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب اکل اللحم ج ۲ ص ۹۲ (۴) قسطلانی شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۲۵۲ مصر (۵) ابوداؤد کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر ج ۲ ص ۱۱۳۔ (۶) ایضاً، باب الرخصۃ فی العلم وخیط الحریر ج ۲ ص ۱۱۴ (۷) ایضاً باب فی المصبوغ ج ۲ ص ۱۱۵۔

نامرغوب رنگ: سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ سرخ کپڑے پہن کر آئے تو فرمایا یہ کیا لباس ہے، عبداللہ نے جا کر آگ میں ڈال دیا، آپؐ نے سنا تو فرمایا کہ جلانے کی ضرورت نہ تھی، کسی عورت کو دے دیا ہوتا۔(۱)

عرب میں سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے جس کو مغرہ کہتے ہیں، اس سے کپڑے رنگا کرتے تھے، یہ رنگ آپ کو نہایت ناپسند تھا، ایک دفعہ حضرت زینبؓ اس سے کپڑے رنگ رہی تھیں، آپؐ گھر میں آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے، حضرت زینبؓ سمجھ گئیں، کپڑے دھوڈالے، آنحضرت ﷺ دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہیں تب گھر میں قدم رکھا۔(۲)

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہن کر آیا تو آپؐ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا، ایک دفعہ صحابہؓ نے سواری کے اونٹوں پر سرخ رنگ کی چادریں ڈال دی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھا جائے، فوراً صحابہؓ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادریں اتار کر پھینک دیں۔(۳)

خوشبو کا استعمال: خوشبو آپؐ کو بہت پسند تھی، کوئی شخص خوشبو کی چیز ہدیتاً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے، ایک خاص قسم کی خوشبو یا عطر ہوتا ہے، جس کو سُکّہ کہتے ہیں، یہ ہمیشہ آپؐ کے استعمال میں رہتا تھا، صحابہؓ کہتے ہیں کہ جس گلی کوچہ سے آپؐ نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا، اکثر فرمایا کرتے مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتوں کی ایسی کہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے۔(۴)

نظافت پسندی: مزاج میں نظافت تھی، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔(۵)

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے پوچھا تم کو کچھ مقدور ہے؟ بولا ہاں! ارشاد ہوا کہ خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا بھی اظہار ہونا چاہیے۔(۶)

---

(۱) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی الحمرۃ ص۱۱۵ (۲) ایضاً ص۱۱۶ (۳) ایضاً ص۱۱۵، ۱۱۶ (۴) شمائل ترمذی باب تعطر ص۱۷۰ و ۱۷۲ (۵) ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی غسل الثوب ج۲ ص۱۱۵ (۶) ایضاً۔

عرب تہذیب وتمدن سے کم آشنا تھے، مسجد میں آتے تو عین نماز میں دیواروں پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے، آپؐ اس کو نہایت ناپسند فرماتے، دیواروں پر تھوک کے دھبوں کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے، ایک دفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، ایک انصاری عورت نے دھبہ کو مٹایا اور اس جگہ خوشبو لا کر ملی، آپؐ نہایت خوش ہوئے اور اس کی تحسین کی۔(۱)

کبھی کبھی مجلس عالی میں خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جاتیں جن میں اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا۔(۲)

ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ خضاب لگانا کیسا ہے، بولیں کچھ مضائقہ نہیں، لیکن میں اس لیے ناپسند کرتی ہوں کہ میرے حبیب ﷺ کو حنا کی بو ناگوار تھی۔(۳)

اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے۔

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ بالوں کو درست کرلے (۴) ایک دفعہ اون کی چادر اوڑھی، پسینہ آیا تو اتار کر رکھ دی۔(۵)

ایک دن لوگ مسجد نبویؐ میں آئے، چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑوں میں چلے آئے تھے، پسینہ آیا تو تمام مسجد میں بو پھیل گئی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہا کر آتے تو اچھا ہوتا (۶) اسی دن سے غسلِ جمعہ ایک حکم شرعی بن گیا۔

مسجد نبویؐ میں جھاڑو دینے کا التزام تھا، ام مجحن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی، ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آپؐ نے حکم دیا کہ مساجد میں بچے اور مجنون نہ جانے پائیں اور خرید وفروخت نہ ہونے پائے، یہ بھی حکم دیا کہ مساجد میں جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جائیں۔(۷)

اہلِ عرب بدویت کے اثر سے نظافت اور صفائی کا نام نہیں جانتے تھے، اس بنا پر اس خاص باب میں آپؐ کو نہایت اہتمام کرنا پڑا تھا۔

عرب کی عادت تھی (اور آج بھی بدویوں میں عموماً پائی جاتی ہے) کہ راستہ میں بول وبراز

(۱) نسائی کتاب المساجد باب تخلیق المساجد ص۱۲۳ (۲) نسائی ص۷۶۴ مطبوعہ نظامی کتاب الزینۃ، باب البخور (۳) نسائی ص۷۵۹، کتاب الزینۃ باب کراھیۃ ریح الحنا (۴) ابوداؤد کتاب اللباس باب غسل الثوب ج۲ ص۱۱۵ (۵) ایضاً باب فی السواد ج۲ ص۱۱۶ (۶) اس مضمون کی متعدد حدیثیں بخاری شریف (غسلِ جمعہ) ج۱ ص۱۲۳ میں باختلاف الفاظ وواقعات مذکور ہیں۔ (۷) ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ص۵۵)

کرتے تھے، آنحضرت ﷺ اس کو نہایت ناپسند فرماتے اور اس سے منع کرتے تھے، احادیث میں کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ آپ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے، جو راستہ میں یا درختوں کے سایہ میں بول و براز کرتے ہیں، امرا کا دستور ہے کہ کاہلی کی وجہ سے کسی برتن میں پیشاب کرلیا کرتے ہیں، اس سے بھی منع فرماتے تھے۔(۱)

عرب میں پیشاب کے بعد استنجا کرنے یا پیشاب سے کپڑوں کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا، آپ ﷺ ایک دفعہ راہ میں جا رہے تھے، دو قبریں نظر آئیں، فرمایا کہ ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو پیشاب سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔(۲)

ایک دفعہ آپؐ مسجد میں تشریف لائے، دیواروں پر جا بجا دھبے تھے، آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی، اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبے مٹائے، پھر لوگوں کی طرف خطاب کر کے غصہ کے لہجہ میں فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آکر تمہارے منہ پر تھوک دے، جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اس کے داہنے جانب ہوتے ہیں اس لیے انسان کو سامنے یا دائیں جانب تھوکنا نہیں چاہیے۔(۳)

ایک صحابیؓ نے عین نماز میں (جب کہ وہ امامِ نماز تھے) تھوک دیا، آنحضرت ﷺ دیکھ رہے تھے، فرمایا کہ یہ شخص اب نماز نہ پڑھائے، نماز کے بعد یہ صاحب خدمتِ اقدس میں آئے اور پوچھا کہ کیا آپؐ نے یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں تم نے خدا اور پیغمبر کو اذیت دی۔(۴)

بودار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن اور مولی سے سخت نفرت تھی، حکم تھا کہ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں، بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص پیاز، لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔(۵) اپنے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں کہا کہ تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو، حالانکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزیں کھا کر مسجد میں آتا تو آپؐ حکم دیتے کہ مسجد سے نکال کر بقیع میں پہنچا دیا جائے۔(۶)

(۱) ترغیب وترہیب منذری کتاب الطہارۃ باب الترهيب من البول فی الماء الخ ص ۱۴۱ مطبوعہ عامرہ مصر ۱۳۲۴ھ (۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب عذاب القبر من الغيبة والبول ج ۱ ص ۱۸۴ (۳) ترغیب وترہیب باب الترهيب من البصاق فی المسجد ص ۵۹ (۴) ایضاً ص ۶۰ (۵) بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الثوم الخ ج ۱ ص ۱۱۸ (۶) مسلم کتاب المساجد باب نهی من اکل ثوما الخ ج ۱ ص ۲۰۹ و ابن ماجہ ابواب المساجد باب من اکل الثوم ص ۲۷ ونسائی۔

سواری کا شوق: گھوڑے کی سواری آپؐ کو نہایت مرغوب تھی (۱) (آپؐ فرمایا کرتے الخیل معقود فی نواصیها الخیر (۲) گھوڑوں کے علاوہ گدھے، خچر، اونٹ پر آپؐ نے سواری فرمائی ہے، آپؐ کے خاص سواری کے گھوڑے کا نام لُحَیف تھا، گدھے کا نام عفیر، خچر کا نام دلدل اور فضہ اور اونٹنیوں کا نام قصوا اور عضبا تھا)۔

اسپ دوانی: مدینہ سے باہر ایک میدان تھا، جس کی سرحد حصبا سے ثنیۃ الوداع تک ۶ میل تھی، یہاں گھڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی۔

گھوڑے جو مشق کے لیے تیار کرائے جاتے تھے، ان کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانا گھاس کھلاتے تھے، جب وہ موٹے تازے ہو جاتے تو ان کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر میں باندھ کر چار جامہ کستے، پسینہ آتا اور خشک ہوتا، روزانہ یہ عمل جاری رہتا، رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھ گیا تھا، خشک ہو کر ہلکا پھلکا چھریرا بدن نکل آتا، یہ مشق چالیس دن میں ختم ہوتی۔

آنحضرت ﷺ کی سواری کا ایک گھوڑا تھا، جس کا نام سنجہ تھا، ایک دفعہ اس کو آپؐ نے بازی میں دوڑایا، اس نے بازی جیتی، تو آپؐ کو خاص مسرت ہوئی۔ (۳)

گھڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علیؓ کے سپرد تھا، انھوں نے اپنی طرف سے سراقہ بن مالک کو یہ خدمت سپرد کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کیے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: (۴)

۱- گھوڑوں کی صفیں قائم کی جائیں اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی، یا بچہ کو ساتھ رکھنا، یا زین الگ کر دینی ہو الگ کر لے۔

۲- جب کوئی آواز نہ آئے تو تین دفعہ تکبیریں کہی جائیں، تیسری تکبیر پر گھوڑے میدان میں ڈال دیے جائیں۔

۳- گھوڑے کے کان آگے نکل جائیں تو سمجھ لیا جائے گا کہ وہ آگے نکل گیا۔

حضرت علیؓ خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دو آدمیوں کو

---

(۱) نسائی ص ۵۶۷ کتاب الخیل والسبق باب حب الخیل (۲) ایضاً باب فتل ناصیۃ الفرس ص ۵۶۸ (۳) دار قطنی ج ۲ ص ۵۵۲ (کتاب السبق بین الخیل مسند احمد اور بیہقی میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے) (۴) یہ پوری تفصیل دار قطنی ص ۵۵۳، ۵۵۴ (کتاب السبق بین الخیل میں ہے لیکن محدثانہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ہے)

دونوں کناروں پر کھڑا کر دیتے، گھوڑے ان ہی دونوں کے درمیان سے ہو کر نکلتے۔

اونٹوں کی دوڑ بھی ہوتی، آنحضرت ﷺ کی خاص سواری کا ناقہ عضبا ہمیشہ بازی لے جاتا، ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر سوار آیا اور مسابقت میں عضبا سے آگے نکل گیا، تمام مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز گردن اٹھائے، اس کو نیچا دکھائے۔''(۱)

رنگوں میں صندلی، مشکی اور کمیت بہت پسند تھا (۲) گھوڑوں کی دم کاٹنے سے منع فرمایا کہ مکھی ہانکنے کا مورچھل ہے۔(۳)

---

(۱) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۲ ونسائی ص ۵۶۹ ودار قطنی ج ۲ ص ۵۵۲ ومسند احمد عن انس باب الرھان والسبق)(۲) نسائی مطبوعہ نظامی ص ۵۶۷ (کتاب الخیل والسبق باب مایستحب من مشیۃ الخیل (۳) کتب سنن کتاب الادب۔

معمولات

(ترمذی نے شمائل میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیے تھے، ایک عبادتِ الٰہی کے لیے، دوسرا عام خلق کے لیے اور تیسرا اپنی ذات کے لیے۔) (۱)

صبح سے شام تک کے معمولات: معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا (۲) (اور یہی وقت دربارِ نبوت کا ہوتا، لوگ پاس آ کر بیٹھتے اور آپ ان کو مواعظ و نصائح تلقین فرماتے۔) (۳)

(اکثر صحابہؓ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے، آپ اس کی تعبیر بیان فرماتے (۴) کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے (۵) اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی، لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، شعر پڑھتے، ہنسی خوشی کی باتیں کرتے، آنحضرت ﷺ صرف مسکرا دیتے (۶) اکثر اسی وقت مالِ غنیمت اور وظائف و خراج وغیرہ کی تقسیم فرماتے۔(۷)

بعض روایتوں میں ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار، کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے، گھر جا کر گھر کے دھندے میں مشغول رہتے، پھٹے کپڑوں کو سیتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، دودھ دوہتے۔(۸)

نماز عصر پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا ذرا دیر

---

(۱) شمائل ترمذی ص ۲۵۹ (۲) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب تبسمہ ﷺ ج ۲ ص ۲۹۳ (۳) جامع ترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنة ص ۴۴۰ (۴) صحیح مسلم کتاب الرؤیا، باب فی تاویل الرؤیا ج ۲ ص ۲۷۷ (۵) صحیح بخاری کتاب التعبیر باب القصر فی المنام ج ۲ ص ۱۰۴۰ (۶) نسائی کتاب السہو باب قعود الامام فی مصلاہ ص ۲۲۳ (۷) بخاری اور حدیث کی کتابوں میں متعدد جزئی واقعات مذکور ہیں۔ (۸) صحیح بخاری کتاب الادب باب کیف یکون الرجل فی اھلہ ج ۲ ص ۸۹۲ و مسند ابن حنبلؒ (مسند عائشہؓ)

ٹھہرتے، پھر جس کی باری ہوتی، وہیں رات بسر فرماتے، تمام ازواجِ مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں، عشاء تک صحبت رہتی (۱) پھر نماز عشا کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس آ کر سو رہتے، ازواج رخصت ہو جاتیں، نمازِ عشا کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے۔ (۲)

خواب: عام معمول تھا کہ آپؐ اول وقت نمازِ عشا پڑھ کر آرام فرماتے تھے، سوتے وقت التزاماً قرآن مجید کی کوئی سورہ (بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صف، تغابن، جمعہ) پڑھ کر سوتے، شمائلِ ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے:

اللّٰھم باسمک اموت واحییٰ.	خدایا تیرا نام لے کر مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں

جاگتے تو فرماتے:

الحمدللّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور. (۳)	اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف حشر ہوگا۔

آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اٹھتے، مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی، اٹھ کر پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے، آپ کی سجدہ گاہ (۴) آپؐ کے سرہانے ہوتی تھی۔

ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ اونچا کر کے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آ جائے، نیند میں کسی قدر خراٹے کی آواز آتی تھی۔ (۵)

بچھونے میں کوئی التزام نہ تھا، کبھی معمولی بستر پر کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر اور کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے۔ (۶)

عبادتِ شبانہ: آنحضرت ﷺ کے خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عائشہؓ کے برابر کوئی واقف نہ تھا، ان سے مروی ہے کہ جب سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپؐ نے

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الرضاع باب القسم بین الزوجات ج۱ص۵۶۷ (۲) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مایکرہ من السمر بعد العشاء ج۱ص۸۴ (۳) شمائل ترمذی ص۲۱۵ (۴) (یعنی سجدہ گاہ کا مقام جہاں بہ حالت نماز آپؐ سجدہ کرتے تھے) ''س'' (۵) شمائل ترمذی ص۲۱۸ (۶) یہ پوری تفصیل شرح زرقانی ج۵ص۷۹و۸۰ میں حدیث کی متعدد کتابوں کے حوالے سے مذکور ہے۔

اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آگیا، بارہ مہینے تک باقی آیتیں رکی رہیں، سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیامِ لیل جو اَب تک فرض تھا، نفل رہ گیا۔

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے، جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے، پھر ایک اور رکعت پڑھتے اور اس میں بھی جلسہ کرتے، پھر دو رکعتیں اور ادا کرتے، اس طرح ۱۱ رکعتیں ہوجاتیں لیکن جب عمر زیادہ ہوگئی اور جسم ذرا بھاری ہوگیا تو سات رکعتیں پڑھتے، جن کے بعد دو رکعتیں اور ادا کرتے، کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں ۱۲ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔(۱)

ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''عشا کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر میں چلے آتے اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت فرماتے، وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ دی جاتی، سو کر اٹھتے، پہلے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آکر آٹھ رکعتیں ادا کرتے۔''(۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہؓ (آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رات کو رہا کہ دیکھوں آپؐ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں، زمین پر فرش بچھا ہوا تھا، آپؐ نے اس پر آرام فرمایا، میں سامنے آڑا سویا، قریباً رات ڈھلے آپؐ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے، آلِ عمران کی اخیر کی دس آیتیں پڑھیں، پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی، اس سے وضو کیا، پھر نماز شروع کی، میں بھی وضو کر کے بائیں پہلو میں کھڑا ہوگیا، آپؐ نے ہاتھ پکڑ کر داہنی جانب پھیر دیا، ۱۳ رکعتیں پڑھ کر آپؐ سو رہے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی، صبح ہوتے حضرت بلالؓ نے اذان دی، آپؐ اٹھے، فجر کی سنتیں ادا کیں، پھر مسجد میں تشریف لے گئے۔(۳)

معمولاتِ نماز: ابتدا میں آپؐ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے لیکن جب یہ گراں گزرنے لگا تو صرف پنج وقتہ مسواک رہ گئی، فتحِ مکہ میں آپؐ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں(۴) تاہم عادتاً آپؐ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، وضو میں عام معمول یہ تھا

---

(۱) سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل ج ۱ص ۱۳۴ (۲) ایضاً (۳) ایضاً ص ۱۳۶ (۴) صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب جواز الصلوات کلھا بوضوء واحد ج ۱ص ۱۲۲ و مسند ج ۵ص ۲۲۵۔

کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے، پھر کلی کرتے، اور ناک میں پانی ڈالتے، اس کے بعد تین تین بار منہ ہاتھ دھوتے، سر کا مسح کرتے اور تین بار پاؤں کو دھوتے (۱) بعض اوقات کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو دوبار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے۔ (۲)

سنن ونوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے، اذانِ صبح ہی کے ساتھ اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپؐ نے سورہ فاتحہ پڑھی یا نہیں (۳) لیکن فرض کی دو رکعتوں میں عموماً طویل سورتیں پڑھتے، حضرت عبداللہ بن سائبؓ سے مروی ہے کہ ایک بار آپؐ نے مکہ میں نماز فجر میں سورۂ مومنون پڑھی، اسی طرح کبھی وَالَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ اور کبھی سورہ قٓ پڑھتے، صحابہؓ کا اندازہ ہے کہ آپؐ صبح کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتیں تک پڑھتے تھے۔

ظہر وعصر میں اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے، تاہم ابتدا کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا اور وہاں اپنا کام کرتا تھا، پھر پلٹ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت میں جا کر شامل ہو جاتا تھا، صحابہؓ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اول دو رکعتوں میں آپؐ اس قدر قیام فرماتے ہیں، جس میں الٓمّٓ تنزیل السجدة کے برابر سورہ پڑھی جاسکتی ہے، اخیر کی دو رکعتوں میں یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی، عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی، حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے یا اس کے نصف کے برابر اور عصر میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے جابرؓ بن سمرہ کہتے ہیں کہ ظہر میں آپؐ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھتے تھے۔

مغرب کی نماز میں وَالْمُرْسَلَاتِ اور سورۂ طُوْرِ پڑھتے تھے۔ (۴)

عشاء کی نماز میں وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے۔

---

(۱) مسلم ج ۱ ص ۱۰۸، باب صفة الوضوء اکمالہ (۲) مسلم ج ۱ ص ۱۱۰ و ۱۱۱، باب آخر فی صفة الوضو (۳) مسلم ج ۱ ص ۲۷۰، کتاب الصلوٰۃ باب رکعتی سنة الفجر والحث علیها (۴) مسلم ج ۱ ص ۱۷۷ کتاب الصلوٰۃ باب القراء ة فی الظهر والعصر وغیرهما.

تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، مثلاً سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء۔

جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ اور دوسری رکعت میں اِذَا جَآءَ کَ الْمُنَافِقُوْنَ اور کبھی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور ھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ۔

عیدین میں بھی دو پچھلی سورتیں یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور ھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ پڑھتے تھے، اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑ جاتا تو دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

جمعہ کے دن کی نماز صبح میں الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السجدۃ اور ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ پڑھنے کا معمول تھا۔)(۱)

معمولاتِ خطبہ: (وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لیے آپؐ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے، بالخصوص جمعہ کے لیے تو خطبہ لازمی تھا، جمعہ کے خطبات میں معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپؐ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے، مسجد میں داخل ہوتے اور لوگوں کو سلام کرتے، پھر منبر پر تشریف لے جاتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے سلام کرتے اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیتے، پہلے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا، خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے، جمعہ کے خطبہ میں عموماً سورہ "ق" پڑھتے تھے (۲) اس میں قیامت اور حشر و نشر کا بہ تفصیل ذکر ہے۔

خطبہ ہمیشہ حمدِ خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے، اگر اثنائے خطبہ میں کوئی کام پیش آجاتا، تو منبر سے اتر کر اس کو کر لیتے، پھر منبر پر جا کر خطبہ کو پورا فرماتے، ایک بار آپؐ خطبہ دے رہے تھے، اسی حالت میں ایک آدمی نے آکر کہا "یارسول اللہ! میں مسافر آدمی ہوں، اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہوں، اس کے متعلق پوچھنے آیا ہوں، آپؐ منبر سے اتر آئے، ایک کرسی رکھ دی گئی، اس پر بیٹھ گئے اور اس کو تعلیم و تلقین کی، پھر جا کر خطبہ (۳) کو پورا کیا، ایک بار آپؐ خطبہ دے رہے تھے، امام حسین علیہ السلام سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آگئے، چوں کہ بچپن کی وجہ سے

---

(۱) یہ تمام روایتیں صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجمعہ والعیدین میں مذکور ہیں۔ (۲) صحیح مسلم کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلوۃ و الخطبۃ ج ۱ ص ۳۲۱ (۳) ادب المفرد مطبوعہ مصر ص ۲۱۸ باب الجلوس علی السریر۔

لڑکھڑاتے آتے تھے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو ضبط نہ ہوسکا، منبر سے اتر آئے اور گود میں اٹھالیا اور یہ آیت پڑھی (۱) اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن ۶۴: ۱۵)۔

خطبہ کی حالت میں لوگوں کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، چنانچہ عین خطبہ کی حالت میں ایک شخص مسجد میں آیا، آپؐ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ اس نے کہا نہیں، آپؐ نے فرمایا ''اٹھو اور پڑھو۔'' (۲)

میدانِ جہاد میں جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپؐ ہاتھ میں تلوار لے کر کھڑے ہوتے تھے لیکن ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ نے خطبہ کی حالت میں کبھی ہاتھ میں تلوار نہیں لی۔ (۳)

وعظ وارشاد کے لیے عموماً ناغہ دے کر خطبہ دیا کرتے تھے تا کہ لوگ گھبرا نہ جائیں۔ (۴)

معمولاتِ سفر: حج، عمرہ اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپؐ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواجِ مطہرات پر قرعہ ڈالتے، جس کے نام قرعہ پڑتا وہ ہم سفر ہوتیں (۵) جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے اور صبح کے تڑکے روانہ ہوجاتے تھے، افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے (۶) جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدم مبارک کو رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب زین پر سوار ہوجاتے تو تین بار تکبیر کہتے، اس کے بعد یہ آیت پڑھتے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَاكُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآاِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (۷) (زخرف ۴۳: ۱۳و۱۴)	پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو ہمارا فرماں بردار بنادیا، حالانکہ ہم خود اس کو مطیع نہیں کرسکتے تھے اور ہم اپنے خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

---

(۱) جامع ترمذی مناقب حسنینؓ ص ۶۲۴۔ ترمذی کی روایت میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں بزرگوں کے مسجد میں آنے کا ذکر ہے ''ض'' (۲) بخاری ج ۱ ص ۱۲۷، کتاب الجمعہ باب اذا رأى الامام رجلاً جاء وهو يخطب امره ان يصلى ركعتين (۳) زادالمعاد ج ۱ ص ۱۲۰، فصل فی هدیه فی خطبه (۴) بخاری ج ۱ ص ۱۶ کتاب العلم باب ما كان النبی ﷺ يتخولهم بالموعظة (۵) بخاری، کتاب المغازی باب حديث الافک ج ۲ ص ۵۹۴ (۶) ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی ای یوم یستحب السفر ج ۱ ص ۲۵۸ وباب فی الابتكار فی السفر ص ۲۵۸ (۷) ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ سوار ہوجانے کے بعد تین بار تکبیر وتحمید کرتے، پھر یہ دعا پڑھتے سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب الاانت (ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب مایقول الرجل اذا رکب ج ۱ ص ۲۵۷۔)

پھر یہ دعا کرتے:

اللّٰھم انا نسئلک فی سفرنا ھذا البر والتقویٰ ومن العمل ماترضی اللّٰھم ھون علینا سفرنا واطوعنا بعدہ اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللّٰھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۷ وزادالمعاد ج ۱ ص ۱۳۰)

خداوندا! اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی، پرہیزگاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں، خداوندا! ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کر دے، خداوندا سفر میں تو رفیق ہے، بال بچوں کے لیے تو ہمارا قائم مقام ہے، خداوندا میں سفر اور واپسی کے آلام، مصائب اور گھر بار کے مناظرِ قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

جب واپس ہوتے تو اس میں اس قدر اضافہ کر دیتے، آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون، راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو ترنم ریزِ تسبیح ہوتے، صحابہؓ بھی آپؐ کے ہم آواز ہو کر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے (۱) جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے:

یا ارض ربی وربک اللّٰہ اعوذ باللّٰہ من شرک وشر مافیک وشر ماخلق فیک وشر مایدب علیک واعوذبک من اسد واسود ومن الحیۃ والعقرب ومن ساکنی البلد ومن والد وماولد۔ (۲)

اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے، میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ پر چلتی ہے پناہ مانگتا ہوں، خداوندا تجھ سے شیر، سانپ، بچھو اور اس گاؤں کے رہنے والوں اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللّٰھم رب السمٰوٰت السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسالک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا واعوذبک من شرھا وشر اھلھا وشر مافیھا۔ (۳)

خداوندا! اے ساتوں آسمان اور ان تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ فگن ہیں، اے ساتوں زمینوں اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں، اے شیاطین اور ان تمام نفوس کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں، اے ہوا اور ان تمام اشیا کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں، میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے (۴) پھر مکان کے اندر تشریف

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا سافر ج ۱ ص ۲۵۷ (۲) ایضاً باب مایقول الرجل اذا نزل المنزل ج ۱ ص ۲۵۸ (۳) زادالمعاد فصل فی ھدیہ فی السفر ج ۱ ص ۱۳۱ (۴) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی اعطاء البشیر ج ۱ ص ۲۷۷۔

لے جاتے، تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں تا کہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست کرلیں۔) (۱)

معمولات جہاد: (جہاد میں معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیز گاری اختیار کرنے اور اپنے رفقا کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے:

اغزوا باسم اللّٰه فی سبیل اللّٰه قاتلوا من کفر باللّٰه اغزوا ولاتغلوا ولاتغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا ولیدا.

خدا کے نام پر خدا کی راہ میں کفار سے لڑو، خیانت اور بدعہدی نہ کرنا، مردوں کے ناک کان نہ کاٹنا، بچوں کو قتل نہ کرنا۔

اس کے بعد شرائطِ جہاد کی تلقین کرتے۔(۲)

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے:

استودع اللّٰه دینکم وامانتکم وخواتیم اعمالکم. (۳)

میں تمہارے دین کو، امانت کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔

جب خود شریکِ جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے، صبح ہو جاتی تو حملہ کرتے (۴) اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا، تو دو پہر ڈھلے حملہ کرتے (۵) جب کوئی مقام فتح ہو جاتا تو اقامتِ عدل وانصاف کے لیے وہاں تین دن تک قیام فرماتے (۶) جب فتح وظفر کی خبر آتی، تو سجدۂ شکرانہ بجالاتے (۷) جب میدانِ جہاد میں شریکِ کارزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے:

اللّٰهم انت عضدی ونصیری بک احول وبک اصول وبک اقاتل. (۸)

خداوندا تو میرا دست وبازو ہے تو میرا مددگار ہے، تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔

معمولاتِ عیادت وعزا: (بیماروں کی عیادت وغم خواری آپ ضرور فرماتے تھے اور صحابہؓ کو ارشاد ہوتا تھا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے (۹) ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف

---

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الطروق ج ۱ ص ۲۷۸ (۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیته ایاهم بآداب الغزو وغیرها ج ۲ ص ۸۲ (۳) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الدعاء عند الوداع ج ۱ ص ۲۵۷ (۴) بخاری کتاب المغازی ذکر غزوة خیبر ج ۲ ص ۶۰۳ (۵) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای وقت یستحب اللقاء ج ۱ ص ۳۶۳ (۶) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یقیم عند الظهور علی العدو ج ۱ ص ۲۶۸ (۷) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر ج ۱ ص ۲۷۷ (۸) ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایدعی عند اللقاء ج ۱ ص ۳۶۰ (۹) صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب وجوب عیادة المریض ج ۲ ص ۸۴۳۔

یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آجاتا تو صحابہؓ آپؐ کو اس کی اطلاع دیتے، آپؐ اس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے، اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ دمِ واپسیں کے انتظار میں آپ کو اس قدر دیر ہوجاتی کہ آپؐ کو تکلیف ہونے لگتی، صحابہؓ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب ان کا یہ معمول ہوگیا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو آپؐ کو اس کی موت کی خبر دیتے، آپؐ اس کے مکان پر تشریف لے جاتے، اس کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے، اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے، ورنہ واپس چلے آتے، لیکن صحابہؓ کو آخر آپؐ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی، اس لیے خود جنازہ آپؐ کے مکان تک لانے لگے اور یہی عام معمول ہوگیا۔(۱)

عیادت کے لیے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسکین دیتے، پیشانی اور نبض (۲) پر ہاتھ رکھتے، اس کی صحت کے لیے دعا (۳) فرماتے اور کہتے انشاء اللّٰہ طہور خدا نے چاہا تو خیریت ہے، کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے، ایک بار ایک اعرابی مدینہ میں آکر بیمار پڑ گیا، آپؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلماتِ تسکین ادا فرمائے، اس نے کہا ''تم نے خیریت کہا، شدید تپ ہے، جو قبر ہی میں ملا کر چھوڑے گی'' آپؐ نے فرمایا ''ہاں اب یہی ہو'' (۴)

معمولاتِ ملاقات: معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے تھے، کوئی شخص اگر جھک کر آپؐ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے، جب تک وہ خود منھ نہ ہٹالے، مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپؐ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے (۵)۔

جو شخص حاضر ہونا چاہتا، دروازے پر کھڑے ہوکر پہلے السلام علیکم کہتا، پھر پوچھتا کہ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ (خود بھی آپؐ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس

---

(۱) (مسند ابن حنبل ج۳ ص۶۶ (۲) صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب وضع الید علی المریض ج۲ ص۸۴۵ (۳) ایضاً باب دعاء العائد للمریض ص۸۴۷ (۴) ایضاً باب عیادۃ الاعراب ص۸۴۴ (۵) ابوداؤد و ترمذی ابواب الاستیذان والآداب مختلف ابواب صفحہ ۷۴۴ ومابعد۔

طریقہ کے خلاف کرتا، تو آپ اس کو واپس کر دیتے، ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ "جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو" یعنی پہلے سلام کرے، تب اجازت مانگے۔

ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جو قریش کے رئیسِ اعظم تھے، آنحضرت ﷺ کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہاتھ دودھ، ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں، کلدہ یوں ہی بے اجازت چلے آئے، آپ نے فرمایا کہ "واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔" (۱)

ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی، آپ نے پوچھا کون ہے؟ بولے "میں" آپ نے فرمایا "میں میں" یعنی یہ کیا طریقہ ہے نام بتانا چاہیے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل ج ۲ ص ۲۲۱)

جب آپ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور السلام علیکم کہہ کر اذن طلب فرماتے۔ (راوی کا بیان ہے کہ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا، اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سعد بن عبادہؓ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلبی کے لیے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا، سعدؓ نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں سنا، حضرت سعدؓ کے فرزند قیس بن سعدؓ نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے، حضرت سعدؓ نے کہا چپ رہو، رسول اللہؐ بار بار سلام کریں گے، جو ہمارے لیے برکت کا سبب ہوگا، آنحضرت ﷺ نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور سعدؓ نے پھر اسی طرح جواب دیا، آنحضرت ﷺ نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا، تو آپ واپس چلے، حضرت سعدؓ نے جب آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا سلام سن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا، (کہ آپ بار بار سلام فرماویں) (۲)

(کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے، ایک بار آپ

---

(۱) یہ دونوں روایتیں ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۹ کتاب الادب باب الاستیذان میں ہیں۔ (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل ج ۲ ص ۲۲۰۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، انھوں نے آپؐ کے بیٹھنے کے لیے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا لیکن آپؐ زمین پر بیٹھ گئے، اور گدا آنحضرت ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے درمیان آگیا۔) (۱)

معمولاتِ عامہ: (تیمن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپؐ کو محبوب تھا، جوتا پہلے داہنے پاؤں میں پہنتے، مسجد میں پہلے داہنا پاؤں رکھتے، مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے، اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے۔

---

(۱) ادب المفرد ص ۲۱۹۔

مجالسِ نبویؐ

دربارِ نبوت: شہنشاہِ کونینؐ کا دربار نقیب وچاؤش اور خیل وحشم کا دربار نہ تھا، دروازہ پر دربان بھی نہیں تھے تاہم نبوت کے جلال سے ہر شخص پیکرِ تصویر نظر آتا تھا، حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں، یعنی کوئی شخص ذرا بھی جنبش نہیں کرتا تھا، گفتگو کی اجازت میں ترتیب کا لحاظ رہتا تھا لیکن یہ امتیازِ مراتب نسب ونام یا دولت ومال کی بنا پر نہیں بلکہ فضل واستحقاق کی بنا پر ہوتا تھا، سب سے پہلے آپؐ اہلِ حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کے معروضات سن کر ان کی حاجت برآری فرماتے۔

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے، خود بھی آپؐ مؤدب ہو کر بیٹھتے، جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا، کوئی شخص بولتا تو جب تک وہ چپ نہ ہو جائے دوسرا شخص بول نہیں سکتا تھا، اہلِ حاجت عرضِ مدعا میں ادب کی حد سے بڑھ جاتے تو آپ کمالِ حلم کے ساتھ برداشت فرماتے۔

آپؐ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے، جو بات ناپسند ہوتی، اس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے، کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپؐ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے، تو شکریہ قبول فرماتے، مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا، آپؐ بھی اس میں شامل ہو جاتے، ہنسی اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے، خود بھی مذاقیہ باتیں فرماتے، کبھی کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آجاتا تو حسبِ مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے اور فرماتے اکرموا کریم کل قوم، مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے، یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔

ایران میں معمول تھا کہ جب مجلس میں کوئی معزز شخص آجاتا تھا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے، یہ بھی قاعدہ تھا کہ رؤسا اور امرا جب دربار جماتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے

رہتے، آپؐ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ ”جس کو یہ پسند آتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں، اس کو اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈھنی چاہیے۔“ (۱) البتہ جوشِ محبت میں آپؐ کسی کسی کے لیے کھڑے ہوجاتے، چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؓ جب کبھی آجاتیں تو اکثر کھڑے ہوجاتے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چومتے، (حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے لیے بھی آپؐ نے اٹھ کر چادر بچھادی تھی، اسی طرح ایک دفعہ آپؐ کے رضاعی بھائی آئے، تو ان کے لیے بھی فرطِ محبت سے کھڑے ہوگئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔) (۲)

ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی، کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہیں آنے پاتا کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ عزت یاب ہے، جب کوئی شخص کوئی اچھی بات کہتا تو آپؐ تحسین فرماتے اور نامناسب گفتگو کرتا تو اس کو مطلع فرمادیتے۔ (۳)

ایک دفعہ دو شخص مجلسِ اقدس میں حاضر تھے، ان میں ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا، معزز صاحب کو چھینک آئی لیکن انھوں نے اسلامی شعار کے موافق الحمدللہ نہیں کہا، دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی، انھوں نے الحمدللہ کہا، آنحضرت ﷺ نے حسب معمول یرحمک اللہ کہا، معزز صاحب نے شکایت کی، آپؐ نے فرمایا کہ ”انھوں نے خدا کو یاد کیا، تو میں نے بھی کیا، تم نے خدا کو بھلادیا تو میں نے بھی تم کو بھلادیا۔“ (۴)

صحابہؓ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپؐ تک نہ پہنچائیں، آپؐ فرماتے تھے کہ ”میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے صاف جاؤں۔“ (۵)

مجالسِ ارشاد: آنحضرت (۶) ﷺ کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، جلوت، خلوت، نشست، برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہوسکتے تھے، جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے، اس بنا پر آپؐ نے تعلیم و ارشاد کے لیے بعض اوقات خاص کردیے تھے

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب قیام الرجل للرجل ج ۲ ص ۳۴۴ (۲) ایضاً باب بر الوالدین ص ۲۱۷ (۳) یہ تمام تفصیل شمائل ترمذی باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ ص ۲۶۲ و ۲۶۳ کی دو مفصل روایتوں سے ماخوذ ہے جن میں آنحضرتؐ کے عام اخلاق کا ذکر ہے۔ (۴) ادب المفرد امام بخاری باب اذا لم یحمد اللہ لایشمت ص ۱۸۴ (۵) ابوداؤد کتاب الادب باب فی رفع الحدیث ج ۲ ص ۱۹۲ (۶) اضافہ تا ص ۱۸۲ قبل اوقات مجلس۔

کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور جن کو استفادہ منظور ہو، وہ آسکیں۔

یہ صحبتیں عموماً مسجد نبویؐ میں منعقد ہوتی تھیں، مسجد نبویؐ میں ایک چھوٹا سا صحن تھا، کبھی آپؐ وہاں نشست فرماتے، ابتداءً آنحضرت ﷺ کی نشست کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی، باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپؐ کے پہچاننے میں دقت ہوتی، صحابہؓ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا، آپؐ اس پر تشریف رکھتے، باقی دونوں طرف صحابہؓ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔(۱)

آدابِ مجلس: ان مجالس میں آنے والوں کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی، عموماً بدو اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے۔

خلقِ نبویؐ کا منظر ان مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے، آپؐ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں، صحابہؓ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں، ایک شخص آتا ہے اور اس کو آں حضرت ﷺ میں اور حاشیہ نشینوں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا، لوگوں سے پوچھتا ہے "محمد کون ہیں؟" صحابہؓ بتاتے ہیں کہ "یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں" وہ کہتا ہے، "اے ابن عبدالمطلب! میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا، خفا نہ ہونا" آپؐ بہ خوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔(۲)

بااین ہمہ سادگی و تواضع، یہ مجالس رعب و وقار اور آدابِ نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں، آنحضرت ﷺ کی تعلیمات و تلقینات کا دائرہ اخلاق، مذہب اور تزکیۂ نفوس تک محدود تھا، اس کے علاوہ اور باتیں منصبِ نبوت سے خارج تھیں لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے، مثلاً یا رسول اللہ! میرے باپ کا نام کیا ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے، وہ کہاں ہے؟ آپؐ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔

ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کیے گئے تو آپؐ نے برہم ہو کر فرمایا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو میں سب کا جواب دوں گا" حضرت عمرؓ نے آپؐ کے چہرہ کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا رضیت (۳) الخ۔

---

(۱) ابوداؤد کتاب السنۃ باب القدر ج ۲ ص ۱۷۶ (۲) بخاری ج ۱ ص ۱۵ کتاب العلم باب القراۃ والعرض (۳) بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظۃ ج ۱ ص ۲۰، بخاری کی ایک اور روایت میں حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں "انا نتوب الی اللہ عزوجل" اور دوسری روایت میں "رضینا باللہ ربا الخ کے الفاظ وارد ہیں۔ "ض"۔

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا، ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا، اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا، بعض اوقات آپؐ گفتگو کرتے ہوتے، کوئی صحرا نشین بدو جو آدابِ مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعتاً آجاتا اور عین سلسلۂ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا، آپؐ سلسلۂ تقریر کو قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے، ایک دفعہ آپؐ تقریر فرما رہے تھے، ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا کہ "قیامت کب آئے گی؟" آپؐ تقریر کرتے رہے، حاضرین سمجھے کہ آپؐ نے نہیں سنا، کسی کسی نے کہا "سنا لیکن آپؐ کو ناگوار ہوا" آپؐ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا کہ "پوچھنے والا کہاں ہے؟" بدو نے کہا "میں یہ حاضر ہوں" آپؐ نے فرمایا "جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے۔" بولا کہ "امانت کیوں کر ضائع ہوگی؟" فرمایا "جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا۔")(۱)

اوقاتِ مجلس: اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا، وہ صبح کا تھا، نماز فجر کے بعد آپؐ بیٹھ جاتے اور فیضِ روحانی کا چشمہ جاری ہو جاتا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپؐ ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی، چنانچہ کعبؓ بن مالک پر جب غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا، تو وہ ان ہی مجالس میں آکر آنحضرت ﷺ کی خوش نودئ مزاج کا پتہ لگاتے، خود ان کے یہ الفاظ ہیں:

وآتی رسول الله ﷺ فاسلم علیه وهو فی مجلسه بعد الصلوٰة فاقول فی نفسی هل حرک شفتیه برد السلام علیّ ام لا. (۲)	میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا تھا اور آپؐ بعد نماز کے اپنی مجلس میں ہوتے تھے تو میں اپنے جی میں کہتا تھا کہ آپؐ نے جوابِ سلام میں اپنے لب ہلائے یا نہیں۔

صبح کی مجلسوں میں کبھی کبھی آپؐ وعظ فرماتے، ترمذی اور ابوداؤد میں عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے:

وعظنا رسول الله ﷺ یوما بعد صلوٰة الغدة موعظة بلیغة ذرفت منها العیون ووجلت منها القلوب. (۳)	رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کہا، جس سے آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔

(۱) صحیح بخاری کتاب العلم باب من سئل علما الخ ص۱۴ (۲) بخاری ج ۲ ص ۶۳۵، کتاب المغازی باب حدیث کعبؓ بن مالک (۳) ترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنة ص۴۴۰۔

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی، اس میں وعظ و نصیحت اور اسی قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی لیکن ان اوقات کے علاوہ آپؐ خاص طور پر حقائق و معارف کے اظہار کے لیے مجالس منعقد فرماتے تھے، یہی مجالس ہیں، جن کی نسبت احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

کان یوما بارزا للناس. (۱) — آنحضرت ﷺ ایک دن عام طور پر لوگوں کے لیے باہر نکلتے تھے۔

چونکہ افادہ عام ہوتا تھا، اس لیے آپؐ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے، اس بنا پر جو لوگ ان مجالس میں آکر واپس چلے جاتے، ان پر آپؐ نہایت ناراض ہوتے تھے، آپؐ ایک مرتبہ صحابہؓ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ تین شخص آئے ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی، وہیں بیٹھ گئے، دوسرے صاحب کو درمیان میں موقع نہیں ملا، اس لیے سب کے پیچھے بیٹھے لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے، آنحضرت ﷺ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ان میں سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے اس کو بھی پناہ دی، ایک نے حیا کی، خدا بھی اس سے شرمایا، ایک نے خدا سے منہ پھیرا، خدا نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔ (۲)

پند و نصائح کتنے ہی موثر طریقہ سے بیان کیے جائیں لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دے کر منعقد فرماتے تھے، بخاری میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے:

کان النبی ﷺ یتخولنا بالموعظة فی الایام کراهة السآمة علینا. (۳) — آنحضرت ﷺ ہم لوگوں کو ناغہ دے کر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔

عورتوں کے لیے مخصوص مجالس: (ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اور عورتوں کو موقع کم ملتا تھا، اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جائے، آنحضرت ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور ان کے وعظ و ارشاد کے لیے ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔ (۴)

اگرچہ مسائلِ شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونانِ حرم وہ مسائل

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۷ باب فی الایمان (۲) بخاری ج ۱ ص ۱۶ کتاب العلم، باب من قعد حیث ینتھی به المجلس (۳) بخاری ج ۱ کتاب العلم باب ما کان النبیؐ یتخولھم بالموعظة ص ۱۶ (۴) بخاری کتاب العلم باب ھل یجعل للنساء یوم الخ ج ۱ ص ۲۰۔

دریافت کرتی تھیں، جو خاص پردہ نشینوں سے تعلق رکھتے تھے تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلسِ عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرطِ حیا سے آپؐ کو ناگوار ہوتا۔

اس قسم کی پردے کی بات مرد بھی مجمع عام میں پوچھتے تو آپؐ کو تکدر ہوتا، ایک دفعہ ایک انصاری نے (جن کا نام عاصم تھا) مجلس عام میں پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ کو ناگوار ہوا اور آپؐ نے ان کو ملامت کی۔ (۱)

طریقۂ ارشاد: (کبھی کبھی آپؐ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے، اس سے لوگوں کی جودت فکر اور اصابتِ رائے کا اندازہ ہوتا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے پوچھا "وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے" لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا، میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا لیکن میں کم سن تھا، اس لیے جرأت نہ کر سکا، بالآخر لوگوں نے عرض کی کہ حضور بتائیں، ارشاد فرمایا: "کھجور" عبداللہ بن عمرؓ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہوتا۔ (۲)

ایک روز آپؐ مسجد میں تشریف لائے، صحابہؓ کے دو حلقے قائم تھے، ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہو رہی تھیں، آپؐ نے فرمایا دونوں عملِ خیر کر رہے ہیں لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے، یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔ (۳)

ان مجالس میں دقیق مباحث کو جن کی تہ تک عوام نہیں پہنچ سکتے، ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک روز صحابہؓ کی مجلس میں مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہو رہی تھی، آپؐ نے سنا تو حجرے سے نکل آئے، آپؐ کا چہرہ اس قدر سرخ ہو گیا تھا، گویا عارضِ مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیئے ہیں، آپؐ نے صحابہؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو؟ قرآن کو باہم ٹکرا رہے ہو، گزشتہ امتیں ان ہی باتوں سے برباد ہوئیں۔ (۴)

ان مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہؓ جن مسائل میں باہم اختلاف کرتے، آنحضرت ﷺ ان کا صحیح فیصلہ کر دیتے، مثلاً شہرت طلبی اور جاہ پرستی خلوصِ عمل کے منافی سمجھی جاتی ہے اور خود

---

(۱) بخاری کتاب العلم باب هل يجعل للنساء يوم الخ ج ۱ ص ۲۰ (۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴ کتاب العلم (۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۱ باب فضل العلماء (۴) ایضاً ص ۹ باب القدر۔

صحابہؓ کے زمانے میں بھی سمجھی جاتی تھی، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں دو شخصوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی، ایک نے کہا اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا اور ایک شخص نے فخر یہ یہ کہہ کر نیزہ مارا کہ ''میرا وار لینا میں غفاری جوان ہوں'' تو اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا، میری رائے میں کچھ ثواب نہ ملے گا، تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سن کر کہا میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، اس پر دونوں میں اختلاف ہوا، آنحضرت ﷺ نے ان کی گفتگو سنی تو فرمایا، ثواب اور شہرت دونوں میں کوئی مخالفت نہیں۔(۱)

عام خیال یہ تھا کہ قوائے عملیہ کے بے کار کر دینے کا نام تقدیر ہے، تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوگا، اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہیں سکتی، لیکن آنحضرت ﷺ نے ایک مجلس میں جو اتفاقاً منعقد ہوگئی تھی، اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ اعمال تو خود تقدیر ہیں، انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہے، وہی اس کا نوشتۂ تقدیر ہیں، اس لیے توکل قوتِ عمل کے بےکار کر دینے کا نام نہیں، چنانچہ صحابہؓ ایک جنازہ میں شریک تھے، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور صحابہؓ جمع ہوگئے، آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، اس سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا، تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی جگہ جنت یا دوزخ میں نہ لکھی جا چکی ہو؟ ایک شخص نے کہا تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں، جو شخص سعادت مند ہوگا وہ خود بہ خود سعادت مندوں میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص بد بخت ہوگا، وہ بد بختوں سے جا ملے گا، آپؐ نے فرمایا سعادت مند وہ لوگ ہیں جن کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور بد بخت وہ ہیں جن کے لیے شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔(۲)

مجالس میں شگفتہ مزاجی: (باوجود اس کے کہ ان مجالس میں صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق اور تزکیۂ نفوس کی باتیں ہوتی تھیں اور صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس طرح بیٹھتے تھے، کان الطیر فوق رؤسھم تاہم یہ مجلسیں شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھیں، ایک دن آپؐ نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی، خدا نے کہا کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی؟ اس نے کہاں ہاں لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً بوؤں اور ساتھ ہی تیار ہو جائے، چنانچہ اس نے بیج ڈالے، فوراً دانہ اگا، بڑھا اور کاٹنے کے قابل ہو گیا، ایک بدو بیٹھا ہوا تھا،

---

(۱) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۷ کتاب اللباس باب ماجآء فی اسبال الازار (۲) بخاری ج ۲ ص ۷۳۸ تفسیر و کذّب بالحسنیٰ۔

اس نے کہا یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی، جو زراعت پیشہ ہیں لیکن ہم لوگ تو کاشت کار نہیں، آپؐ ہنس پڑے۔(۱)

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں تباہ ہوگیا، ارشاد ہوا کیوں؟ بولے، میں نے رمضان میں بیوی سے ہم بستری کی، آپؐ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو، بولے غریب ہوں، غلام کہاں سے لاؤں، ارشاد ہوا دو مہینے کے روزے رکھو، بولے یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا، فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، بولے اتنا مقدور نہیں، اتفاق سے کہیں سے زنبیل بھر کر کھجوریں آگئیں، آپؐ نے فرمایا لو غریبوں کو خیرات کرآؤ، عرض کی، اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو پیغمبر بنایا، سارے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں، آپؐ بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا اچھا تم خود ہی کھالو۔)(۲)

فیض صحبت: (ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کی کہ ہم جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے۔(۳)

ایک دفعہ حضرت حنظلہؓ خدمتِ اقدس میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! میں منافق ہوگیا، میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور آپؐ دوزخ و جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں لیکن بال بچوں میں آکر سب بھول جاتا ہوں، ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکل کر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔) (۴)

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۱ کتاب الرد علی الجھمیة باب کلام الرب مع اهل الجنة۔ (۲) بخاری ص ۸۰۸ کتاب النفقات باب نفقته المعسر علی اهله (۳) ترمذی شریف ابواب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی صفة الجنة ونعیمها ص ۴۱۵، امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث قوی نہیں (۴) ترمذی ابواب الزہد ص ۴۱۳ و صحیح مسلم کتاب التوبہ باب فضل دوام الذکر الخ ج ۲ ص ۳۴۴۔

خطابتِ نبوی ﷺ

(خطابت (۱) اور تقریر نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے، اسی بنا پر جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا، تو ان کو یہ دعا مانگنا پڑی:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِي ۝ (طٰہٰ ۲۰: ۲۷، ۲۸)　　خداوند! میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں۔

لیکن سید الانبیاء ﷺ کو خود بارگاہِ الٰہی سے یہ وصفِ کامل عطا کیا گیا تھا، چنانچہ آپؐ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا:

انا افصح العرب.　　میں فصیح ترین عرب ہوں۔

بعثت بجوامع الکلم. (بخاری، کتاب الاعتصام باب قول النبیؐ بعثت بجوامع الکلم ج ۲ ص ۱۰۸۰)　　میں کلماتِ جامعہ لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا، تاہم تمام عرب میں دو قبیلے اس وصف میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے، قریش اور بنو ہوازن، قریش خود آنحضرت ﷺ کا قبیلہ تھا اور بنو ہوازن کے قبیلہ میں آپؐ نے پرورش پائی تھی، اس لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر. (۲)　　میں تم میں فصیح تر ہوں، قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے۔ (۳)

طرزِ بیان: آنحضرت ﷺ نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے، آپؐ جب اپنے حجرے سے خطبہ دینے کے لیے نکلتے تھے، تو سلاطین کی طرح نہ آپؐ کے ساتھ چاؤش ہوتے تھے، نہ آپؐ خطبا کا لباس پہنتے تھے، ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے (۴) ابن ماجہ میں ہے کہ مسجد میں جب آپؐ خطبہ دیتے تو دستِ مبارک میں عصا ہوتا تھا اور میدانِ جنگ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے، (باب ماجاء فی الخطبة یوم الجمعة ص ۷۹)

---

(۱) اضافہ تا ختم باب (۲) طبقات ابن سعد ج ۱ قسم اول ص ۷۱ (۳) بنو سعد قبیلۂ ہوازن کی ایک شاخ ہے (۴) ابوداؤد ج ۱ کتاب الصلوٰۃ ابواب الجمعة و الخطبة علی قوس ج ۱ ص ۱۰۹۔

جمعہ اور عید کا خطبہ تو متعین تھا لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، جب ضرورت پیش آتی، آپؐ فی البدیہہ خطبہ کے لیے تیار ہو جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے زمین پر، منبر پر، اونٹ پر، جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ہے، خطبہ دیا ہے، ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپؐ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا، تاہم آپؐ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے۔

عام نصائح اور پند کی باتیں گو آپؐ اخباری فقروں میں بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر مؤثر بنانا ہوتا تھا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت میں شروع فرماتے تھے، غزوۂ حنین میں آپؐ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اول سے آخر تک سوال و جواب ہے، خطبۂ حجۃ الوداع وغیرہ اور تمام خطبات میں جیسا کہ آگے آتا ہے یہ خصوصیت نمایاں ہے، جوشِ بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھیں سُرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی، غصہ بڑھ جاتا تھا، انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کسی فوج کو جنگ کے لیے اُبھار رہے ہیں (۱) جوشِ بیان میں جسدِ مبارک جھوم جھوم جاتا تھا (۲) ہاتھوں کو حرکت دینے سے پٹھوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی (۳) کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے، کبھی کھول دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس قسم کی پر جوش حالت کی نہایت صحیح تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:

سمعت رسول الله ﷺ وهو على المنبر يقول يأخذ الجبار سمٰوٰته وارضيه بيده وقبض يده فجعل يقبضها ويبسطها...... قال ويتمايل رسول الله ﷺ عن يمينه وعن شماله حتى نظرت الى المنبر يتحرك من اسفل شيء منه حتى انى اقول اساقط هو برسول الله ﷺ. (۴)

آنحضرت ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا فرما رہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا، یہ بیان کرتے ہوئے آپؐ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے...... آپؐ کا جسم مبارک کبھی دائیں کبھی بائیں جھکتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا تو اس کا سب سے نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا، میں نے خیال کیا کہ آپؐ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔

آنحضرت ﷺ کے خطبات کی نوعیت:

احادیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے خطبات اور ان کے جستہ جستہ فقرے بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کر دیئے گئے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کی مختلف حیثیتیں تھیں اور اس کا اثر آپؐ کے طرز بیان پر پڑتا تھا، آپؐ داعیِ

(۱) صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ ص ۳۱۹ ج ۱ (۲) ابن ماجہ ابواب الزہد باب المبعث ذکر البعث ص ۳۲۶ (۳) مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۴۰۲ (۴) ابن ماجہ ذکر مبعث حوالہ سابق۔

مذہب تھے، فاتح تھے، واعظ تھے، امیر الجیش تھے، قاضی تھے، پیغمبر تھے، اس اختلافِ حیثیت نے آپؐ کے خطابت اور زورِ بیان میں نہایت اختلاف پیدا کر دیا ہے اور بلاغت کا اقتضا بھی یہی ہے، آپؐ بحیثیت داعیٔ مذہب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اس میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت آپ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی، چنانچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء۲۶:۲۱۴) اپنے اقربا کو ڈراؤ۔

تو آپؐ نے تمام قریش کو جمع کر کے ایک خطبہ دینا چاہا، ابولہب کی شقاوت نے اگرچہ اس خطبہ کو پورا نہیں ہونے دیا، تاہم آپؐ کی زبان سے اس واقعہ پر جو چند جملے نکل گئے اس سے آپؐ کے زورِ بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے، آپؐ نے صفا پر چڑھ کر پہلے پکارا ''یا صباحاہ'' یہ وہ لفظ ہے، جو عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے، جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کسی پر دفعتاً غارت گری کے لیے ٹوٹ پڑتا ہے، تمام لوگ یہ لفظ سن کر چونک اٹھے اور آپؐ کے گرد جمع ہو گئے، آپؐ نے فرمایا:

أرأیتم ان اخبرتکم ان خیلاتخرج من سفح هذا الجبل اکنتم مصدّقی. بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے۔

سب نے جواب دیا، اب تک آپؐ کی نسبت ہم کو کسی قسم کی دروغ گوئی کا تجربہ نہیں ہوا ہے، جب آپؐ نے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا:

انّی نذیر لکم بین یدی عذابٍ شدیدٍ. میں تمہیں ایک ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔

ابولہب نے نہایت استخفاف کے ساتھ کہا، کیا ہم سبھوں کو اسی لیے جمع کیا تھا، یہ کہہ کر چل کھڑا ہوا۔(۱)

غزوۂ حنین میں آپؐ نے تمام مالِ غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دے دیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے، تو چند نوجوانوں کو یہ نہایت ناگوار ہوا اور انھوں نے کہا ''خدا پیغمبر کی مغفرت کرے، قریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے، حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے'' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی، لوگوں نے کہا، چند نوجوانوں نے یہ کہا ہے لیکن ہم میں جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہیں انھوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا'' اب آپؐ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا:

(۱) بخاری ج۲ص۷۴۳ تفسیر سورہ تبت۔

یامعشر الانصار الم اجدکم ضلالا فھداکم اللّٰہ بی وکنتم متفرقین فالّفکم اللّٰہ بی وعالۃ فاغناکم اللّٰہ بی.

اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا، پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی، تم متفرق تھے، خدا نے میری وجہ سے تم کو مجتمع کر دیا، تم محتاج تھے، خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے ’’خدا اور اس کا رسول بہت امن (سب سے بڑھ کر احسان کرنے والے) ہیں۔‘‘ آپؐ نے فرمایا ’’یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمدؐ! تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے، ہم نے تمہاری تصدیق کی، تمہارا کوئی مددگار نہ تھا، ہم نے تمہاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے، ہم نے تم کو گھر دیا، تم محتاج تھے، ہم نے تمہاری غم خواری کی‘‘ اس کے بعد آپؐ نے اصل اعتراض کا جواب دیا:

اترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر وتذھبون بالنبی الی رحالکم فواللّٰہ لما تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون.

کیا تم نہیں پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کے جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے کر جاؤ خدا کی قسم تم لوگ جو لے کر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے، جسے تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔

اس پر تمام انصار پکار اٹھے ’’رضینا‘‘ یعنی ہم سب راضی ہیں۔ (۱)

اس خطبہ کے وجوہِ بلاغت پر اگر غور کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

فاتحانہ حیثیت سے آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی، جس کے جستہ جستہ فقرے احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا، حرم ایک دارالامان تھا جس میں کبھی خوں ریزی نہیں ہو سکتی تھی، فتحِ مکہ میں سب سے پہلے اس کے دامنِ عظمت پر خون کا دھبہ لگایا گیا اور چونکہ مذہب کے ہاتھ سے لگایا گیا تھا، اس لیے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس کا احترام نہ مٹ جائے، آنحضرت ﷺ کو ان دونوں پہلوؤں پر اپنی تقریر میں زور دینا تھا، چنانچہ آپؐ نے بہ ترتیب ان ہی کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے آپؐ نے صحابہؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

انّ اللّٰہ حرّم مکۃ یوم خلق السّمٰوٰت والارض فھی حرام بحرمۃ اللّٰہ الیٰ یوم القیامۃ لم تحل لأحدٍ قبلی ولاتحل لأحدٍ بعدی ولم تحلل لی قط اِلّا ساعۃ من الدھر لاینفر صیدھا ولا

خدا نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اسی دن مکہ کو حرام کر دیا، پس وہ بہ حرمت خدا حرام ہے، وہ میرے پہلے نہ کسی پر حلال ہوا اور نہ میرے بعد حلال ہوگا اور میرے لیے بھی بجز چند گھنٹوں کے ہرگز حلال نہیں ہوا، نہ اس کے شکاروں کو

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ اوطاس ج ۲ ص ۶۲۰۔

بعضد شوکھا ولا یختلی خلاھا ولا تحل لقطتھا الا لمنشد. (۱)

بدکا یا جاسکتا، نہ اس کا کانٹا کاٹا جاسکتا، نہ اس کی گھاس کاٹی جاسکتی، نہ اس کی گم شدہ چیز حلال ہو سکتی ہے، بجز اس شخص کے جو اس کو ڈھونڈ رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سب سے مہتم بالشان خطبہ وہ ہے جو آپؐ نے حجۃ الوداع میں دیا تھا، یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہے، جس کو قدرتاً خشک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے، تاہم سلاست، روانی اور شستگیِ الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبوں سے کم نہیں، آپؐ نے حمد و نعت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی:

ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا فی شھر کم ھذا فی بلد کم ھذا. (۲)

لوگو! سنو! کیوں کہ شاید میں اس سال کے بعد اس جگہ، اس مہینہ میں، اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں۔

سادہ سا جملہ یہ تھا کہ ”غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہے لیکن اس تفصیل اور اس پیرایہ بیان نے اس مفہوم کو اور بھی زور دار بنا دیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی عزت و آبرو، جان، مال، سب مسلمانوں پر حرام ہے، اس مطلب کو اس بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے:

اتدرون ایّ یوم ھذا قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال فان ھذا یوم حرام افتدرون ایّ بلد ھذا، قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ایّ شھر ھذا قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال شھر حرام. (۳)

کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپؐ نے فرمایا، یہ یوم الحرام ہے، کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپؐ نے کہا بلد الحرام ہے، کیا جانتے ہو کہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپؐ نے فرمایا شہر حرام ہے۔

اس طرح جب لوگوں کے دل میں اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہو گیا، تو آپؐ نے اصل مقصود کو بیان کیا:

انّ اللّٰہ حرّم علیکم دماء کم واموالکم واعراضکم کحرمۃ یومکم ھذا.

(حوالہ سابق)

خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو تم پر اس مہینہ میں، اس شہر میں، اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا۔

---

(۱) اس کے ہم معنی صحاح میں الفاظ کے فرق کے ساتھ روایتیں موجود ہیں دیکھئے صحیح بخاری کتاب المناسک باب لایحل القتال بمکۃ ج ۱ ص ۲۴۷ وغیرہ اور صحیح مسلم کتاب الحج باب تحریم مکۃ الخ ج ۱ ص ۵۱۹ ”ض“ (۲) یہ اور اس کے بعد آنے والے حجۃ الوداع کے خطبہ کے دوسرے فقروں کے لیے ملاحظہ ہو اسی کتاب کی فصل سال اخیر حجۃ الوداع ص ۱۶۳ (طبع جدید ۱۹۹۷ء) حاشیہ نمبر ۱ ”ض“ (۳) بخاری کتاب المناسک باب الخطبۃ ایام منی ج ۱ ص ۲۳۵ بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض.(۱) | میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ تم میں ہر ایک دوسری کی گردن مارے۔

آپ ؐ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی ہے۔

ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم من آدم وآدم من تراب انّ اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم. (۲) | تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے تھے، خدا کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

عرب کا عام ذریعہ معاش غارت گری تھی، لیکن شہر حرام کے چار مہینے تک وہ لوگ بے کار نہیں رہ سکتے تھے، اس لیے ان مہینوں کو ادل بدل کیا کرتے تھے، جس کو نسی کہتے ہیں، قرآن مجید نے اس کی ممانعت کی اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ (توبہ۹:۳۷)نسی کفر میں اضافہ کرتی ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

اِنّ الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض. | زمانہ ہر پھر کے پھر اسی مرکز پر آگیا، جیسا کہ اس دن تھا، جب خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا۔

ان حیثیتوں کے علاوہ آپ ؐ کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی تھی، آپ ؐ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیے ہیں، وہ اگرچہ نہایت سادہ ہیں، تاہم ان میں بھی مجموعی بلاغت کا اسلوب موجود ہے، ایک اخلاقی وعظ کے لیے پیچ دار ترکیب، شاندار الفاظ اور تشبیہ واستعارہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کو صرف سادہ الفاظ، واضح جملے اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشیں کرنا پڑتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہیں، وہ تمام تر اسی قسم کے ہیں، مدینہ آکر سب سے پہلا فقرہ جو زبانِ مبارک سے نکلا یہ تھا:

یٰاَیھاالناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلّوا والناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام. (۳) | لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو جب لوگ سوتے ہیں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

مدینہ میں جو سب سے پہلا جمعہ آپ ؐ نے پڑھا ہے، ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حمد وثنا کے بعد اس میں آپ ؐ نے یہ خطبہ دیا تھا:

اما بعد ایھا الناس فقدموا لانفسکم تعلمن واللّٰہ لیصعقنّ احدکم ثم لیدعنّ غنمہ لیس لھا راعٍ ثم لیقولن لہ ربّہ ولیس لہ ترجمان | حمد وثنا کے بعد اے لوگو! اپنے لیے پہلے سے سامان کرلو، تم کو معلوم ہوجائے گا کہ خدا کی قسم تم میں سے ایک جب اپنے ہوش وحواس کھوچکے گا اور اپنی بکریوں (مال ودولت) کو چھوڑ جائے

---

(۱) حوالہ سابق ص ۲۳۴ بروایت ابن عباسؓ (۲) جامع ترمذی میں اس کے ہم معنی حدیث موجود ہے دیکھئے کتاب المناقب ص ۶۴۶ وسنن ابوداؤد کتاب الادب باب التفاخر بالاحساب ج ۲ ص ۳۱۵ ''ض'' (۳) طبقات ابن سعد جزء اول قسم اول ص ۱۵۹ ترمذی، مسند احمد اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی اس کے ہم معنی حدیثیں موجود ہیں۔ ''ض''

ولاحاجب يحجبه دونه الم ياتك رسولي فبلغك واتيتك مالا وافضلت عليك فما قدّمت لنفسك فلينظرنّ يمينا وّشمالا فلايرى شيئاً ثم لينظرن قدّامه فلايرى غير جهنم فمن استطاع ان يقي وجهه من النار ولو بشق من تمرة فليفعل ومن لم يجد فبكلمة طيبة فان بها تجزى الحسنة عشر امثالها الىٰ سبع مأة ضعف والسلام عليكم وعلى رسول اللّٰه ورحمة اللّٰه وبركاته. (۱)

گا جن کا کوئی نگہبان نہ ہوگا پھر خدا اس کے بیچ میں نہ کوئی ترجمان ہے، نہ دربان ہے جو روکے گا، اس سے کہے گا کہ کیا تیرے پاس میرا فرستادہ نہیں آیا اور میرا پیغام نہیں پہنچایا اور میں نے تم کو دولت نہیں دی اور حاجت سے زیادہ نہیں عطا کیا تو تو نے اپنے لیے پہلے سے کیا سامان کیا، اس وقت وہ بندہ دائیں بائیں دیکھے گا تو اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا، اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پس جس کو قدرت ہو وہ اپنے کو اس آگ سے بچائے، گو چھوہارے کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو، کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی سے، کیوں کہ ایک نیکی کا بدلہ دہ گنا بلکہ ہفت صد گونہ دیا جائے گا، تم پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت و برکت نازل ہو۔

اس کے بعد دوسری دفعہ آپؐ نے فرمایا:

الحمدللّٰه احمده واستعينه نعوذباللّٰه من شرور انفسنا و سيئات اعمالنا من يهده اللّٰه فلامضلّ له ومن يضلل فلاهادى له واشهد ان لااله الا اللّٰه وحده لاشريك له ان احسن الحديث كتاب اللّٰه تبارك و تعالى قدافلح من زينه اللّٰه فى قلبه وادخله فى الاسلام بعد الكفر وختاره على ماسواه من احاديث الناس انه احسن الحديث وابلغه احبّوا مااحبّ اللّٰه احبّوا اللّٰه كل قلوبكم ولاتملوا كلام اللّٰه وذكره ولاتقس عنه قلوبكم ...... فاعبدوا اللّٰه ولاتشركوا به شيئا واتقوه حق تقاته واصدقوا اللّٰه صالح ماتقولون بافواهكم وتحابّوا بروح اللّٰه بينكم ان اللّٰه يغضب ان ينكث عهده والسلام عليكم (۲)

خدا کی حمد ہو، میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں اور اس کے دامن میں ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ چاہتے ہیں جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ہدایت نہ کرے اس کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، بہترین کلام خدا کی کتاب ہے، کامیاب ہوا وہ جس کے دل کو خدا نے اس سے آراستہ کیا اور اس کو کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا، انسانوں کی باتوں کو چھوڑ کر خدا کے کلام کو پسند کیا، کیوں کہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پُر اثر ہے جس کو خدا دوست رکھتا ہے تم بھی دوست رکھو اور خدا کو دل سے پیار کرو اور اس کے کلام اور ذکر سے کبھی نہ تھکو اور تمہارے دل اس کی طرف سخت نہ ہوں پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور اس سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور خدا سے سچی بات کہو اور آپس میں ایک دوسرے کو ذاتِ الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو، خدا اس سے ناراض ہوتا ہے کہ کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے، تم پر خدا کی سلامتی ہو۔

(۱) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۰۰ - (۲) ایضاً ص ۳۰۱ -

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں بیان کیں:

ان اللّٰہ لاینام ولاینبغی لہ ان ینام یخفض القسط ویرفعہ یرفع الیہ عمل اللّیل قبل عمل النہار، وعمل النہار، قبل عمل اللیل حجابہ النور.

ہاں خدا سوتا نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایانِ شان ہے، وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے، رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے، خدا کا پردہ نور ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۸۵)

جمعہ کے خطبہ میں عموماً زہد ورقاق، حسنِ اخلاق، خوفِ قیامت، عذابِ قبر، توحید وصفاتِ الٰہی بیان کرتے تھے، ہفتہ میں کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا، تو اس کے متعلق ہدایت فرماتے تھے، اکثر ایسا بھی کرتے تھے کہ نئے خطبہ کے بجائے قرآن مجید کے ان ہی مضامین کی کوئی مؤثر سورہ ق وغیرہ پڑھ دیا کرتے تھے، یہ سورہ آپؐ جمعہ کے خطبہ میں اکثر وبیشتر پڑھا کرتے تھے، عید کے خطبہ میں ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے، اتفاقی خطبے ضرورت کے موقع پر دیا کرتے تھے اور ان میں مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے، ایک دفعہ آفتاب میں گہن لگا، اتفاق سے اسی دن آپؐ کے کم سن فرزند حضرت ابراہیم نے وفات پائی تھی، مزعوماتِ عرب کے مطابق لوگوں نے کہا کہ یہ گہن اسی لیے لگا ہے، آپؐ نے اس موقع پر حسبِ ذیل خطبہ دیا:

امّا بعد یایھاالناس انما الشمس والقمر آیتان من آیات اللّٰہ وانھما لاینکسفان لموت احد من الناس.

حمد وثنا کے بعد، لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دو نشانیاں ہیں، وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہیں ہوتے۔

مامن شیءٍ لم اکن رأیتہ الا قد رأیتہ من مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار وانہ قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور مثل فتنۃ الدجال فیوتی احدکم فیقال ماعلمک بھذا الرجل فاما الموقن فیقول ھو محمد ھو رسول اللّٰہ جاء بالبینات والھدی فاجبنا واطعنا اما المرتاب فیقول لاادری سمعت الناس یقولون شیئا فقلت.

جس چیز کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا، اس کو یہیں دیکھ لیا، یہاں تک کہ جنت، دوزخ کو بھی اور ہاں مجھے وحی کی گئی ہے، کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے، جس طرح دجال سے آزمائے جاؤ گے، تم میں سے ہر ایک شخص کے پاس ایک آنے والا آئے گا اور پوچھے گا کہ اس شخص (یعنی خود آنحضرت ﷺ) کی نسبت کیا جانتے ہو، یقین والے کہیں گے، کہ یہ محمدؐ ہیں، یہ خدا کے رسول ہیں، جو نشانیاں اور ہدایتیں لے کر آئے تو ہم نے ان کو قبول کیا اور ان کی پیروی کی اور متشکک کہیں گے، میں نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے سنا کہہ دیا۔

انہ عرض علیّ کل شیءٍ تولجونہ فعرضت علی الجنۃ حتی لوتناولت منھا قطفا اخذتہ فقصرت یدی عنہ وعرضت علی النار فرأیت فیھا امراۃ تعذب فی ھرۃ لھا ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تا کل

میرے سامنے وہ تمام مقامات پیش ہوئے جن میں تم داخل ہوگے تا آں کہ اگر میں چاہتا تو اس کا پھل توڑ لیتا لیکن میرے ہاتھ رک گئے، دوزخ میرے سامنے رونما کی گئی، اس میں ایک عورت کو دیکھا جس کو صرف اس لیے سزا دی جا رہی تھی کہ اس

من خشاش الارض ورایت اباثمامة عمرو بن مالک یجر قصبه فی النار وانهم کانوا یقولون ان الشمس والقمر لایخسفان الالموت عظیم وانه ایتان من ایات اللّٰه یریکمو هما فاذا خسفا فصلّوا حتی تنجلی. (۱)

نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری پڑی کوئی چیز کھائے، میں نے دوزخ میں ابوثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا تو یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب وماہتاب میں کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے، حالانکہ وہ تو خدا کی دونشانیاں ہیں، جب تم گہن دیکھوتو نماز کے لیے کھڑے ہوجاؤ تا آنکہ وہ صاف ہوجائے۔

ردّ بدعت اور اعتصام بالسنۃ میں آپ کا یہ مختصر خطبہ بہ تغیر الفاظ، حدیث کی اکثر کتابوں میں منقول ہے:

انّما هما اثنتان الکلام والهدی فاحسن الکلام کلام اللّٰه واحسن الهدی هدی محمد، الاوایاکم ومحدثات الامور فان شرالامور محدثاتها وکل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة الالایطولن علیکم الامد فتقسوا قلوبکم الا ان ماهو ات قریب وانما البعید مالیس بات الاانما الشقی من شقی فی بطن امه والسعید من وعظ بغیره الا ان قتال المومن کفر وسبابه فسوق ولایحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاث الا وایاکم والکذب.

صرف دو باتیں ہیں، قول اور عملی طریقہ تو عمدہ کلام خدا کا کلام ہے اور عمدہ طریقہ محمد کا طریقہ ہے، خبردار (مذہب میں) نئی باتوں سے بچو، نئی باتیں بدترین چیزیں ہیں، ہرنئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، تم کو درازئ عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے دل سخت ہوجائیں، جو چیز آنے والی ہے، وہ قریب ہے، دور وہ چیز ہے جو آنے والی نہیں ہے، بدبخت اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہوتا ہے، خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت حاصل کرے، خبردار مسلمان سے لڑنا کفر اور اس سے گالی گلوج کرنا فسق ہے، مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے رنجیدہ رہے، ہاں خبردار جھوٹ سے پرہیز کرنا۔

(سنن ابن ماجہ باب اجتناب البدع ص۶)

اثر انگیزی: خطبات نبویؐ تاثیر اور رقت انگیزی میں درحقیقت معجزۂ الٰہی تھے، پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سن کر چند لمحوں میں موم ہوجاتے تھے مکہ میں ایک دفعہ آپؐ نے سورہ والنجم کی آیتیں تلاوت کرکے سنائیں تو یہ اثر ہوا کہ آپؐ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان بڑے بڑے کفار بھی سجدہ میں گر پڑے۔(۲)

آنحضرت ﷺ کے زمانۂ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھونک کرنا جانتے تھے، یہ سن کر نعوذ باللہ آپؐ کو جنون ہے، بغرض علاج آئے، آپؐ نے ان کے سامنے مختصر سی تقریر کی، انھوں نے کہا محمد ذرا اس کو پھر تو دہرانا، غرض آپؐ نے کئی دفعہ تقریر دہرائی، تو انھوں نے کہا ''میں نے

(۱) صحیح مسلم بروایات مختلفہ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الکسوف ومابعد ج۱ص۳۳۱ تا ۳۳۵ (۲) صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ والنجم ج۲ص۷۲۱۔

نے شاعروں کے قصیدے اور کاہنوں کے کلام سنے ہیں لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے۔" (۱)

ایک دفعہ ایک نومسلم قبیلہ ہجرت کر کے مدینہ آیا، آپؐ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی، مسجد نبویؐ میں تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپؐ نے ایک خطبہ دیا، جس میں قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہیں۔ یعنی:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ. (نساء۔۴: ۱) — اے لوگو! اس خدا سے ڈرو جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا۔

پھر سورہ حشر کی یہ آیت تلاوت کی: وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ. (حشر:۵۹:۱۸)

اس کے بعد فرمایا "درہم، کپڑا، غلہ، بلکہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا جو ہو، راہ خدا میں دو" مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت جیسی تھی وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے لیکن بااین ہمہ آپؐ کی رقت انگیز اور مؤثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہوگیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا، اس نے سامنے رکھ دیا، بعضوں نے اپنے کپڑے اتار دیئے، کسی نے گھر کا غلہ لا کر دے دیا، ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیوں کا ایک توڑا اٹھا لائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بہ مشکل ان سے اٹھ سکتا تھا، راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کے سامنے غلہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے اور خوشی سے آپؐ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا۔ (۲)

سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات میں آپؐ کے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کر کے جوشِ محبت کا دریا بہا دیتے تھے، اوس و خزرج کی سالہا سال کی عداوتیں اسی اعجاز کی بدولت مبدل بہ محبت ہوگئیں، غزوۂ بدر سے پہلے ایک دفعہ آپؐ سوار ہو کر نکلے، مسلمان اور منافقین یک جا بیٹھے ہوئے تھے، مسلمانوں نے تو ادب سے سلام کیا، (۳) لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا، یہ چنگاری تھی، جس نے خرمن میں آگ لگا دی، قریب تھا کہ جنگ و جدل برپا ہو جائے لیکن آپؐ کے چند فقروں نے آگ پر پانی ڈال دیا۔ (۴)

غزوۂ مصطلق سے واپسی میں ایک واقعہ پر منافقین نے اشتعال پیدا کیا اور بہت ممکن تھا کہ

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ ج۱ ص۳۱۹ و۳۲۰ (۲) صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقۃ ج۱ ص۳۲۷ (۳) اصل روایت میں آپؐ کے سلام کا ذکر ہے "ض" (۴) صحیح بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین۔ ج۲ ص۹۲۴۔

مہاجرین وانصار باہم دست وگریباں ہوجائیں کہ عین وقت پر آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، آپؐ تشریف لائے تو اس طرح تقریر فرمائی کہ چند لمحوں میں مہاجرین وانصار پھر شیر وشکر تھے (۱) واقعۂ افک میں اوس وخزرج میں اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبویؐ میں شاید تلواریں نیام سے نکل پڑتیں، آپ منبر پر تشریف فرماتھے، آپؐ نے سلسلۂ تقریر جاری رکھا اور اثر یہ تھا کہ برادرانہ محبت کی لہریں پھر جاری ہوگئیں۔(۲)

غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت کی تقسیم پر جب انصار میں آزردگی پیدا ہوگئی تھی، اس وقت آپؐ نے جس بلیغانہ انداز میں تقریر فرمائی ہے، اس کا مختصر ساذکر اوپر گذر چکا ہے، اس تقریر کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے، اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور دل کا سارا غبار آبِ کوثر کے ان قطروں سے دفعتاً دھل گیا۔(۳)

فتحِ مکہ کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف جب آپؐ نے روسائے قریش کی جان بخشی فرمائی تو ان میں سے وہ لوگ جن کی آنکھوں میں خلق نبویؐ کا جلوہ نہ تھا، معترض ہوئے کہ ”آخر آپؐ کو اپنے وطن وخاندان کی محبت آہی گئی“ آپؐ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کہا ہے، عرض کی، ہاں یارسول اللہ! فرمایا ”وطن وخاندان کی پاس داری میرے پیش نظر نہ تھی، میں خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں، میں نے اللہ کی طرف ہجرت کی اور تمہاری طرف، اب میرا جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے“ یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے۔

وعظ ونصیحت میں جو خطبات آپؐ ارشاد فرماتے تھے، وہ بھی اسی قدر مؤثر ہوتے تھے، ایک صحابی موقع کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

وعظنا رسول اللہ ﷺ یومًا بعد صلوٰۃ الغداۃ موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب. (ترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ ص ۴۴۰ وابوداؤد کتاب السنۃ باب لزوم السنۃ ج۲ ص ۱۶۸)

صبح کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایسا مؤثر وعظ کہا کہ آنکھیں اشک ریز ہوگئیں اور دل کانپ اٹھا۔

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ منافقون ج ۲ ص ۷۲۸ وابن سعد غزوۂ مذکور (۲) صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک ج ۲ ص ۵۹۵ قصۂ افک (۳) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب فتح مکۃ ج ۲ ص ۸۵۔

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسما بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں:

قام رسول الله ﷺ خطيبا فذكر فتنة القبر التي يفتتن فيها المرء فلما ذكر ذلك ضجّ المسلمون ضجّة. (۱)	آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اس میں فتنہ قبر کو بیان کیا، جس میں انسان کی آزمائش کی جائے گی، جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے، کہ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے، والذی نفسی بیدہ قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، یہ الفاظ آپؐ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے، لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا، راوی کہتے ہیں کہ ہم کو بھی ہوش نہ رہا، کہ آپؐ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں۔ (۲)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپؐ نے خطبہ دیا، یہ خطبہ اس قدر مؤثر تھا کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنا، اثنائے تقریر میں آپؐ نے فرمایا "اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ" اس فقرہ کا ادا ہونا تھا کہ لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ منہ پر کپڑے ڈال کر بے اختیار رونے لگے۔ (۳)

☆

(۱) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر ج ا ص ۱۸۳ (۲) سنن نسائی کتاب الزکوۃ باب وجوب الزکوۃ ص ۳۸۳ (۳) صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ مائدہ باب قوله لاتسئلوا عن اشياء الخ ج ۲ ص ۶۶۵۔

عباداتِ نبوی ﷺ

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ. (انشراح ۹۴: ۷، ۸)

اے محمدؐ جب تجھے فرصت ملے عبادت کے لیے کھڑے ہو جا اور اپنے رب سے دل لگا۔

(دنیا (۱) میں آنحضرت ﷺ کے سوا اور کوئی ایسا پیغمبر نہیں گذرا جس کے متعلق صحیح طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا طریقۂ عبادت کیا تھا؟ اس کے کون کون سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور اس کی عبادتوں کی نوعیت کیا تھی؟ گذشتہ انبیا میں حضرت نوحؑ، بلکہ آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جن کے حالات توراۃ میں مذکور ہیں، ان کی زندگی کا یہ باب صحائفِ بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہے، انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہیں کہیں صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعائیں مانگا کرتے تھے لیکن جب کہ ان مذاہب کے پیرووں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی جن پر دین وشریعت کا دارومدار ہے، وہ محفوظ نہیں رکھ سکے، پیروانِ اسلام کو یہ فخر ہے کہ انھوں نے اول سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقاتِ عبادت، اس کے طریقے، اس کے انواع، اس کی کیفیات، غرض اس کے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے۔)

دعا اور نماز: (آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے بھی عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور غارِ حرا میں جا کر مہینوں قیام اور مراقبہ (۲) کرتے تھے، نبوت کے ساتھ ساتھ آپؐ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا، اس لیے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے، نماز کا وقت جب آتا کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے، ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درّہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے ابوطالب آ نکلے، انھوں نے دیکھا تو پوچھا، ’’بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟‘‘ آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ (۳)

چاشت کی نماز آپ سب کے سامنے حرم ہی میں ادا کرتے تھے، کیوں کہ یہ نماز قریش

---

(۱) اضافہ تاختم باب (۲) صحیح بخاری باب بدء الوحی ج ۱ ص ۲ (۳) مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۹۵۔

کے مذہب (۱) میں بھی جائز تھی، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور روسائے قریش بیٹھے تمسخر کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا ''کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا اور محمد جب سجدہ میں جاتے تو وہ ان کی گردن پر ڈال دیتا'' چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا (۲) نماز میں جب آپؐ جہر سے قرأت فرماتے تو کفار برا بھلا کہتے۔ (۳)

ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے، بعض اشقیا نے چاہا کہ آپؐ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں (۴) ایک دفعہ ایک شقی نے گلے میں پھانسی ڈال دی (۵) لیکن باایں ہمہ مزاحمت لذت شناسِ یادِ الٰہی اپنے فرض سے باز نہیں آتا تھا۔

راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپؐ نمازیں پڑھا کرتے تھے، اس عبادتِ شبانہ کے متعلق مختلف صحابہؓ سے مختلف روایتیں ہیں، ایک راوی کا بیان ہے کہ آپؐ رات بھر نماز میں کھڑے رہے، ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر اٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے، پھر سو جاتے، پھر اٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے، غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی، ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدھی رات کے بعد آپؐ اٹھتے تھے اور تیرہ رکعتیں ادا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کی روایت ۹ رکعت کی ہے، محدثین نے ان سب میں تطبیق دی ہے کہ آپ ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے، ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے (۶) عام طور پر آخر میں آپؐ کا طرزِ عمل وہی تھا جو حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی زبانی عبادتِ شبانہ کے عنوان میں گذر چکا ہے۔

فرائض پنج گانہ کے علاوہ آپؐ کم از کم سنن ونوافل کی ۳۹ رکعتیں روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے، دو صبح، چار چاشت، چھ ظہر، چھ عصر چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہؓ) دو مغرب، چھ عشا، تیرہ تہجد، وتر، ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوّابین، سنت تحیتِ مسجد وغیرہ الگ تھیں، تمام سنن میں سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتوں کے آپؐ سختی سے پابند تھے (۷) کسی وقت کی سنت خلافِ معمول

(۱) ابن اثیر ذکر الاختلاف فی اول من اسلم ج ۲ ص ۴۳ مطبوعہ لیڈن ۱۸۶۷ء (۲) صحیح بخاری کتاب الوضو باب اذا لقی علی ظهر المصلی قذر الخ ج ۱ ص ۳۷ و کتاب الصلوٰۃ باب المرأة تطرح عن المصلی شیئا من الاذی ج ۱ ص ۷۴ (۳) صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل باب قوله ولا تجهر بصلوتک ج ۲ ص ۶۸۶ (۴) ابن ہشام، ذکر اسلام حمزہ ج ۱ ص ۱۸۲ (۵) صحیح بخاری باب مالقی النبیؐ واصحابه بمکة ج ۱ ص ۵۴۴ (۶) اس بحث کو زرقانی نے شرح مواہب میں بہ تفصیل لکھا ہے ج ۷ ص ۴۵۵ (۷) صحیح بخاری کتاب التہجد باب المداومة علی رکعتی الفجر ج ۱ ص ۱۵۵۔

اگر چھوٹ جاتی، تو اس کی قضا پڑھتے، حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام امت کے لیے نہیں، ایسا واقعہ حضر میں صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے، ظہر و عصر کے درمیان ایک وفد خدمتِ اقدس میں باریاب ہوا، جس کی وجہ سے آپؐ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے، نمازِ عصر کے بعد آپؐ نے بعض ازواجِ مطہرات کے حجروں میں جاکر دو رکعت نماز ادا کی چوں کہ یہ نماز بالکل خلافِ معمول تھی اس لیے ازواجِ مطہرات نے استفسار کیا، آپؐ نے واقعہ بیان فرمایا، عام امت کے لیے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے، لیکن چوں کہ آپؐ جس چیز کو شروع کرتے تھے، پھر اس کو ترک کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا۔(۱)

رمضان کا مہینہ آپؐ کی عبادتوں کے لیے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ "آپؐ فیاض تو تھے ہی لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبرئیل قرآن سنانے آتے تو آپؐ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی"، آپ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی (۲)، رمضان کے آخری عشرہ میں آپؐ اور زیادہ عبادت گذار ہو جاتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپؐ رات رات بھر بیدار رہتے تھے، ازواج سے بے تعلق ہو جاتے تھے، اہلِ بیت کو نماز کے لیے جگاتے (۳) تھے، اس اخیر عشرہ میں آپؐ عموماً اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے، یعنی ہمہ وقت مسجد میں بیٹھ کر یادِ الٰہی اور عبادت گذاری میں مصروف رہتے تھے۔(۴)

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے، ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نمازِ عشا (۵) کے بعد تھا، روزانہ سورتوں کی تعداد مقرر تھی، اسی تعداد کے موافق آپؐ تلاوت کرلیا کرتے تھے، رمضان میں پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے۔(۶) پچھلی رات کو اٹھ کر کوئی مؤثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے، حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ ایک دفعہ رات کو میں نے دیکھا کہ آپؐ پچھلے پہر بیدار ہوئے، آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے، رات کے سناٹے میں تارے

(۱) مسند احمد و ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوۃ بعد العصر ج ۱ ص ۱۸۱ و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب معرفۃ الرکعتین اللتین کان یصلیھما النبیؐ بعد العصر ج ۱ ص ۳۰۹ (۲) صحیح بخاری کتاب الصوم باب اجود ما کان النبیؐ یکون فی رمضان ج ۱ ص ۲۵۵ (۳) بخاری کتاب الصوم باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان ج ۱ ص ۲۷۱ (۴) ایضاً باب الاعتکاف ص ۲۷۱ (۵) ابوداؤد ابواب شھر رمضان (۶) صحیح بخاری بدء الوحی ج ۱ ص ۳۔

جھلملا رہے تھے، آپؐ نے نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیتیں پڑھیں۔(۱)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ. الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارِ. رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًایُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْعَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ. رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَاوَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَاتُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ. فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآاُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ.

(آل عمران۳:۱۹۰تا۱۹۵)

آسمان اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے انقلاب میں ان دانشمندوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین پر غور کرتے ہیں کہ خدایا تو نے یہ (نظام عالم) بے نتیجہ نہیں پیدا کیا، تو پاک ہے، پس ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، خدایا جس کو تو دوزخ میں داخل کرے اس کو تو نے رسوا کردیا، گناہ گاروں کا کوئی مددگار نہیں، خداوندا ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے، خداوندا تو ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیوں پر پردہ ڈال اور نیکوں کے ساتھ ہم کو دنیا سے اٹھا، خداوندا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہم کو عنایت کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول کرلی کہ میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت، تم ایک دوسرے سے ہو، جنھوں نے ہجرت کی، یا اپنے گھروں سے نکالے اور میری راہ میں ستائے گئے ہیں اور وہ لڑے ہیں اور مارے گئے ہیں، ان سب کے گناہوں کو مٹادوں گا اور ان کو جنت میں جگہ دوں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اللہ کی طرف سے ان کو یہ جزا ملے گی اور اللہ ہی کے پاس اچھی جزا ہے۔

اسی موقع پر آپؐ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے، جو سرتاپا اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں:

اللّٰھم لک الحمد انت نور السمٰوٰت والارض ولک الحمد انت قیام السمٰوٰت والارض ولک الحمد انت رب السمٰوٰت والارض ومن فیھنّ انت الحق وعدک الحق وقولک الحق ولقائک حق والجنة حق والنار حق والساعة حق، اللّٰھم لک اسلمت وبک آمنت وعلیک

خداوندا تیری حمد ہو، تو آسمان و زمین کا نور ہے، تیری حمد ہو، تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری بات حق ہے، تجھ سے ملنا حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے، خداوندا میں نے تیرے ہی آستانہ پر سر جھکایا ہے، تجھی پر ایمان لایا ہوں، تجھی پر

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب استعانة الید فی الصلوٰۃ ج ۱ص ۱۵۹ و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل وقیامه ج ۱ص ۲۸۵، بخاری و صحیح مسلم دونوں حدیثوں میں صرف آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھنے کا ذکر ہے تاہم آیتیں درج نہیں ہیں۔ ''ک، ص''

توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ماقدمت واخرت واسررت واعلنت انت الٰھی لاالٰہ الاانت. (۱)

میں نے بھروسہ کیا ہے، تیرے ہی زور پر جھگڑتا ہوں، تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں، تو میرا اگلا اور پچھلا، کھلا اور چھپا ہر ایک گناہ معاف کر، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

کبھی گھر کے لوگ جب سوجاتے، آپ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دعا ومناجاتِ الٰہی میں مصروف ہوجاتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ کو بستر پر نہ پایا، سمجھی کہ آپ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے، اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی مقدس خاک پر ہے اور آپ سربسجود دعا میں مصروف ہیں، یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو اپنے شبہہ پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا، سبحان اللہ! ہم کس خیال میں ہیں اور آپ کس عالم میں، (۲) کبھی کبھی راتوں کو اٹھ کر آپ تن تنہا قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے اور دعا وزاری کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ گئیں تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں داخل ہوئے اور دعا مانگی۔ (۳)

دعا اور نماز کے بعد آپ سوجاتے، یہاں تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعتاً سپیدۂ صبح نمودار ہوتا، آپ بیدار ہوتے، صبح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اس وقت یہ الفاظ زبانِ مبارک پر ہوتے:

اللّٰھم اجعل فی قلبی نورا وفی لسانی نورا واجعل فی سمعی نورا واجعل فی بصری نورا واجعل من خلفی نورا ومن امامی نورا واجعل من فوقی نورا ومن تحتی نورا اللّٰھم اعطنی نورا (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل الخ ج۱ص۲۸۸)

خدایا میرے دل میں نور پیدا کر اور میری زبان میں اور میری قوتِ سامعہ میں نور پیدا کر آنکھوں میں نور پیدا کر اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر، میرے اوپر اور میرے نیچے نور پیدا کر، خدایا مجھے نور عطا کر۔

ارکانِ نماز میں سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام میں ہوتا ہے لیکن حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع کے بعد اتنی دیر کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ آپ سجدہ میں جانا بھول گئے۔ (۴)

جو چیز نماز کی حضوری میں خلل ڈالتی تھی اس سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ چادر اوڑھ کر

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل ج۱ص۲۸۹ (۲) سنن نسائی کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ ص۵۳۲ (۳) ایضاً کتاب الجنائز باب الاستغفار للمومنین ص۳۲۷،۳۲۸۔ (۴) مسند ابن حنبل ج۳ص۱۷۲۔

نماز ادا فرمائی، جس میں دونوں طرف حاشیے تھے، نماز میں اتفاق سے حاشیوں پر نظر پڑگئی، نماز سے فارغ ہوکر فرمایا کہ یہ لے جا کر فلاں شخص (ابوجہم) کو دے آؤ اوران سے انبجانی مانگ لاؤ، حاشیوں نے نماز کی حضوری میں خلل ڈالا۔(۱)

ایک دفعہ دروازے پر منقش پردہ پڑا ہوا تھا، نماز میں اس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کو ہٹادو، اس کے نقش ونگار حضورِ قلب میں خلل انداز ہوئے۔(۲)

روزہ: انبیا اور داعیانِ مذہب نے تکمیلِ روحانیت کے لیے تقلیلِ غذا بلکہ ترکِ غذا (روزہ) کو اسباب ضروری میں شمار کیا ہے، ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیانِ مذہب تو اس راہ میں حدّ افراط سے بھی آگے نکل گئے ہیں لیکن داعیِ اسلام کا طرزِ عمل اس باب میں افراط اور تفریط کے بیچ میں تھا۔

اسلام سے پہلے اہلِ عرب عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ بھی معمولاً اس دن روزہ رکھتے تھے، بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں آپؐ متواتر کئی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے لیکن مدینہ آکر اس معمول میں فرق آگیا، مدینہ میں یہود بھی عاشورا کا روزہ رکھتے تھے، آپؐ نے بھی رکھا، بلکہ تمام مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی (۳) لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کا روزہ نفل ہوگیا۔

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ میں آپؐ نے کبھی نہیں رکھا، صرف ایک شعبان مستثنٰی ہے (۴) اس میں قریب قریب پورے مہینہ بھر آپؐ روزہ سے رہتے تھے، اس طرح سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزوں میں گذرتے تھے، سال کے بقیہ مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپؐ کبھی روزہ نہ توڑیں گے، پھر روزہ توڑ دیتے تھے، تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے (۵) مہینہ کے نصف اول میں جن کو ایامِ بیض کہتے ہیں، آپؐ اکثر روزوں سے رہتے تھے، مہینہ میں تین دن دو دو شنبہ اور ایک جمعرات کو معمولاً روزے رکھا کرتے تھے، بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات میں

(۱) صحیح بخاری ج۱ص۵۴ کتاب الصلوۃ باب اذا صلی فی ثوب لہ اعلام، انبجانی ایک کپڑے کا نام ہے (۲) صحیح بخاری کتاب اللباس باب ماوطئ من التصاویر ج۲ص۸۸۰ و کتاب الصلوۃ باب ان صلی فی ثوب مصلب ج۱ ص۵۴ (۳) صحیح مسلم کتاب الصیام باب صوم عاشوراء ج۱ص۴۱۹ (۴) صحیح مسلم کتاب الصیام باب صیام النبیؐ ج۱ ص۴۲۹ (۵) ایضاً۔

سے تھا، ان کے علاوہ محرم کے دس دن یکم سے عاشورا تک اور شوال کے آغاز میں چھ دن دوسری سے ساتویں تک آپؐ روزوں میں گذارتے تھے۔(۱)

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے، آپؐ کبھی گھر تشریف لا کر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے، جواب ملتا ''کچھ نہیں''، آپؐ فرماتے ''تو میں آج روزہ سے ہوں'' (۲) کبھی کبھی آپؐ صومِ وصال بھی رکھتے تھے، یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے، بیچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے، یا برائے نام کچھ کھالیتے تھے، لیکن جب صحابہؓ نے اس میں آپؐ کی تقلید کرنی چاہی تو آپؐ نے منع فرمایا، بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپؐ حکماً نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں، اس لیے اس ممانعت کے باوجود آپؐ کے ساتھ انھوں نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کیے، آپؐ کو یہ خبر ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا، تیسرے دن اتفاق سے چاند ہو گیا، آپؐ نے فرمایا ''اگر مہینہ بڑھ سکتا تو میں اتنے دن تک افطار نہ کرتا کہ ان مذہب میں غلو کرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہتا'' صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ پھر حضور کیوں کئی دن تک افطار نہیں کرتے؟ ارشاد ہوا ''تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے''، بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں ''تم میں مجھ جیسا کون ہے، میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔'' (۳)

عام مسلمانوں کے لیے آپؐ اس قسم کی مذہبی سختیوں کو ناپسند فرماتے تھے اور عام طور پر خود بھی ان چیزوں سے احتراز کرتے تھے، تفصیلی واقعات آگے آتے ہیں۔)

زکوٰۃ: آنحضرت ﷺ اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مبرّات کیا کرتے تھے جیسا کہ آغازِ اسلام میں حضرت خدیجہؓ نے شہادت دی ہے (۴) اسلام کے بعد آپؐ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقدا اپنے پاس رہنے نہیں دیتے تھے، جو کچھ آتا مستحقین میں تقسیم فرما دیتے لیکن بااین ہمہ زکوٰۃ کا ادا کرنا آپؐ سے ثابت نہیں، اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیا علیہم السلام پر زکوٰۃ

---

(۱) روزہ کے متعلق یہ حدیثیں کتبِ حدیث میں ہیں، اس وقت ابوداؤد اور صحیح مسلم کتاب الصوم پیش نظر ہیں (۲) ابوداؤد باب النیة فی الصیام باب الرخصة فی ذلک ج۱ ص ۲۴۴ و صحیح مسلم کتاب الصیام باب جواز صوم النافلة بنیة من النهار الخ ج۱ ص ۴۲۹ (۳) صوم وصال کی یہ حدیثیں صحیح مسلم سے لی گئی ہیں، دیکھئے کتاب الصیام باب النهی عن الوصال فی الصوم ج۱ ص ۴۰۹ و ۴۱۰ (۴) صحیح بخاری بدء الوحی ج۱ ص ۳۔

فرض نہیں ہوتی لیکن اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو مفہوم ہیں، ایک مطلق صدقہ وخیرات اور اس باب میں جو آپؐ کی کیفیت تھی، وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و تعداد جو حاجات اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک مالک کے قبضہ میں رہی ہو، ایک خاص شرح رقم ادا کی جائے، یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپؐ پر فرض ہی نہیں ہوئی، کاشانۂ نبوت میں کوئی قابلِ زکوٰۃ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی، یہ بھی پسندِ خاطر نہ تھا کہ شب گذر جائے اور مال ودولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے، ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہوسکی، آپؐ نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا اور کاشانۂ اقدس میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک حضرت بلالؓ نے آکر یہ اطلاع نہ دی کہ "یارسول اللہ! خدا نے آپؐ کو سبک دوش کیا۔" (۱)

حج: (اسلام سے پہلے آپؐ نے جس قدر حج کیے ان کی تعداد صحیح متعین نہیں کی جاسکتی، ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش معمولاً ہر سال حج کیا کرتے تھے (۲) اس لیے قرینۂ غالب یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی ہر سال حج ادا کرتے ہوں گے، ترمذی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں آپؐ نے دو حج کیے تھے (۳) اور ابن ماجہ اور حاکم میں ہے کہ تین حج کیے تھے لیکن یہ سب روایتیں مرسل ہیں (۴) مدینہ کے زمانۂ قیام میں متفقاً ثابت ہے کہ صرف ایک حج ۱۰ ہجری میں کیا (۵) یہ وہی حجۃ الوداع ہے جس کا ذکر بہ تفصیل پہلے گذر چکا ہے۔

حج کے علاوہ آپؐ نے عمرے بھی ادا کیے ہیں، ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں، ایک عمرہ ذی قعدہ کے مہینہ میں، ایک حدیبیہ کے سال، ایک غزوۂ حنین کے بعد اور چوتھا حجۃ الوداع کے ساتھ (۶) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع والے عمرہ کے سوا تمام عمرے آپؐ نے ذیقعدہ کے مہینہ میں ادا کیے، ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کے عمرے کیے تھے؟ انھوں نے جواب دیا "چار عمرے، ان میں سے ایک ماہ رجب میں" حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو کہا کہ "خدا ابوعبدالرحمٰن (ابن عمرؓ کی کنیت) پر رحم فرمائے، آپؐ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ والفئی باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین ج۲ ص۳۱، ۳۲ (۲) الکامل فی التاریخ، واقعات ۹ ہجری ذکر حج ابی بکرؓ ج۲ ص۲۲۲ (۳) ابواب الحج باب کم حج النبی ﷺ ص۱۴۱ و۱۴۲ (۴) زرقانی ج۸ ص۱۶۴ (۵) صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبیؐ ج۱ ص۳۶۸ وابوداؤد کتاب المناسک باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ ج۱ ص۱۸۹ وترمذی باب کم حج النبی ﷺ ص۱۴۲ (۶) جامع ترمذی باب کم حج النبی ﷺ ص۱۴۲۔

وہ شریک نہ ہوں، آنحضرت ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔(۱)

سالِ حدیبیہ میں سب سے پہلی دفعہ جب آپ عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تو کفار قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی، صحابہؓ ان کی مدافعت میں آپؐ سے بچھڑ گئے لیکن آپؐ کو خانہ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق وشوق تھا کہ اپنے ہم راہیوں کا انتظار کیے بغیر بے خطر آپؐ سب سے آگے بڑھے چلے جارہے تھے، آخر جاں نثاروں نے ابوقتادہ انصاریؓ کو بھیجا کہ وہ جاکر ہماری جانب سے سلام عرض کریں اور یہ درخواست کریں کہ ''آپؐ ذرا توقف فرمائیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ دشمن کہیں ہمارے اور آپؐ کے درمیان حائل نہ ہوجائیں'' بارے آپؐ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔)(۲)

دوامِ ذکرِ الٰہی: (قرآن مجید نے اہل ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران۳: ۱۹۱) — جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے یاد کرتے ہیں۔

لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ. (نور۲۴: ۳۷) — جن کو اشتغالِ دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔

اور قرآن کا مبلغ ان اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے (۳) ربیعہؓ بن کعب اسلمی رات کو آپؐ کے آستانہ پر پہرہ دیتے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے میں تھک جاتا تھا اور مجھے نیند آجاتی تھی (۴) اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر میں جاتے، واپس آتے، گھر میں داخل ہوتے، مسجد میں قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل وزبان ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے، چنانچہ اسی بنا پر احادیث میں مختلف اوقات وحالات کے لیے کثرت سے ادعیۂ ماثورہ منقول ہیں، اخیر زندگی میں جب سورۂ اِذَا جَآءَ اتری جس میں تحمید وتسبیح کا حکم ہے، توامہات المومنین کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں زبانِ مبارک پر تسبیح وتہلیل جاری رہتی تھی۔(۵)

---

(۱) بخاری کتاب الحج ابواب العمرۃ باب کم اعتمر النبیؐ ج۱ ص۲۳۸ و۲۳۹ و مسلم کتاب الحج باب بیان عدد عمر النبی ﷺ وزمانھن ج۱ ص۴۸۲ (۲) صحیح بخاری کتاب الحج ج۱ ص۲۴۵ باب جزاء الصید (۳) ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الرجل یذکر اللہ علی غیر طھر ج۱ ص۳ (۴) مسند احمد بن حنبل ج۴ ص۵۹ (۵) ابن سعد قسم ثانی، جزء ثانی جزء الوفاۃ ص۱۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ اکثر یہ دعا رَبِّ اغْفِرْلِی وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے، ہم نے گنا تو ایک ایک نشست میں سو سو دفعہ یہ الفاظ آپؐ کی زبان سے ادا ہوئے (۱) سفر اور کوچ کی بے اطمینانی میں بھی آپؐ یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تھے، سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کرتے تھے اور اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رخ ہے یا نہیں، سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا آپؐ ادھر ہی منہ کیے نماز کی نیت کر لیتے کہ (۲) اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ۔۲:۱۱۵) جدھر رخ کرو ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔

ذوق وشوق: (آپؐ اصحابؓ کی محفل میں یا امہات المومنینؓ کے حجروں میں بات چیت میں مشغول ہوتے کہ دفعتاً اذان کی آواز آتی، آپؐ اٹھ کھڑے ہوتے (۳) رات کا ایک معتد بہ حصہ گو شب بیداری میں گذرتا تھا، تاہم صبح کے وقت ادھر موذن نے اللہ اکبر کہا، ادھر آپؐ بستر سے اٹھ بیٹھے (۴)، شب کے وقت جس ذوق، شوق اور وجد کی حالت میں نماز پڑھتے اس کا نقشہ حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے، "کبھی پوری پوری رات آنحضرت ﷺ کھڑے رہتے، سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء، (قرآن کی سب سے بڑی سورتیں ہیں) پڑھتے، جب کوئی خوف اور خشیت کی آیت آتی، خدا سے دعا مانگتے اور پناہ طلب کرتے، کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے (۵)" قرأت اتنی زور سے فرماتے کہ دور دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپؐ کی آواز سنتے (۶) کبھی کبھی کوئی ایسی آیت آجاتی کہ آپؐ اس کے ذوق وشوق میں محو ہو جاتے، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ نے نماز میں یہ آیت پڑھی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ	اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو
فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ. (مائدہ۔۵:۱۱۸)	تو غالب اور حکمت والا ہے۔

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپؐ یہی آیت پڑھتے رہ گئے۔ (۷)

(۱) ترمذی کتاب الدعوات باب مایقول اذا قام من مجلسه ص۵۷۲ وابن ماجہ ابواب الادب باب الاستغفار ص۲۷۹، ودارمی باب دعوات۔ (۲) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجه نحو القبلة ج۱ص۵۸ ومسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب جواز صلوٰۃ النافلة علی الدابة الخ ج۱ص۲۶۲ وابوداؤد وغیرہ (۳) صحیح بخاری کتاب النفقات باب خدمة الرجل فی اهله ج۲ص۸۰۸ (۴) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من انتظر الاقامة ج۱ص۸۷ (۵) مسند ابن حنبل ج۶ص۹۳ (۶) ابن ماجہ ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی القراۃ فی صلوٰۃ اللیل ص۹۷ (۷) ابن ماجہ ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی القراۃ فی صلوٰۃ اللیل ص۹۷۔

زید بنؓ خالد جہنی ایک صحابی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج شب میں آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا (غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، پہلے دو رکعتیں معمولی ادا کیں، پھر دو رکعتیں بہت ہی لمبی اور بڑی دیر تک پڑھیں، پھر دو دو رکعتیں کر کے آٹھ رکعتیں بہ تدریج چھوٹی پڑھیں اور سب کے آخر میں وتر ادا کی (۱) خبابؓ کی روایت ہے کہ ایک شب آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو صبح تک مصروف رہے۔ (۲)

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، آپؐ نے سورہ بقرہ شروع کی (قرآن کی یہ سب سے بڑی سورہ ہے) میں سمجھا کہ آپؐ سو آیتوں تک پڑھیں گے لیکن آپؐ ان کو پڑھ کر اور آگے بڑھے، میں نے دل میں کہا شاید پوری سورہ آپؐ ایک ہی رکعت میں ختم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ آپؐ نے جب اس سورہ کو ختم کیا تو میں نے خیال کیا کہ آپؐ رکوع کریں گے لیکن آپؐ نے فوراً ہی سورہ نساء شروع کر دی، یہ بھی ختم ہو چکی تو سورۂ آلِ عمران شروع کی (یہ تینوں سورتیں مل کر سوا پانچ پاروں کے قریب ہیں) بہت ٹھہر ٹھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپؐ قرأت کر رہے تھے اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ میں تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے، اس کے بعد آپؐ نے رکوع کیا، رکوع میں قیام ہی کے برابر توقف فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر تک کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا، اور سجدہ میں بھی اسی قدر تاخیر فرمائی۔ (۳)

میدانِ جنگ میں یادِ الٰہی: عین اس وقت جب دونوں طرف سے فوجیں برسرپیکار ہوتیں، تیر و سنان اور تیغ و خنجر کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی ہوتیں اور ہر طرف سے شور دار و گیر برپا ہوتا، آپؐ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینانِ قلب کے ساتھ دعا و زاری اور ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے، سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتے لیکن سپہ سالار کی پیشانی زمینِ نیاز پر ہوتی، بدر، احد، خندق، خیبر، تبوک تمام بڑے بڑے معرکوں میں آپؐ کی یہی کیفیت تھی، معرکہ ہائے جنگ میں سپہ سالاروں کو اپنے بہادر سپاہیوں کی قوت پر ناز

---

(۱) صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل ج۱ ص۲۸۸، مؤطا باب صلوٰۃ النبیؐ فی الوتر ص۴۳، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل ج۱ ص۱۳۷ (۲) نسائی کتاب قیام اللیل باب احیاء اللیل ص۲۷۲ (۳) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب تطویل القراۃ فی صلوٰۃ اللیل ج۱ ص۲۹۱ و نسائی کتاب قیام اللیل باب تسویۃ القیام والرکوع الخ ص۲۷۶۔

ہوتا ہے لیکن اسلام کے قائد اعظم کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا، عالم اسباب کے لحاظ سے گو آپؐ نے اصولِ جنگ کے مطابق ہر میدان میں اپنی فوجیں مرتب کیں لیکن اصلی اعتماد اور بھروسا اسبابِ کائنات سے ماورا قادرِ مطلق کی ذات پر تھا، بدر میں دو صحابیؓ حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! ہم کو کافروں نے اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم جنگ میں شرکت نہ کریں، ارشاد ہوتا ہے کہ ''ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے'' (۱) بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہے اور آپؐ خشوع وخضوع سے دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کر رہے ہیں، ''خدایا اپنا وعدۂ نصرت پورا کر'' محویت اور بے خودی میں ردائے مبارک کندھے سے گرگر پڑتی ہے اور آپؐ کو خبر نہیں ہوتی، کبھی سجدے میں گر پڑتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ''خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا'' (۲) اسی اثنا میں حضرت علیؓ تین دفعہ میدانِ جنگ سے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے۔ (۳)

غزوۂ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسرت سے ہبل کی جے پکارتا ہے لیکن آپؐ اس دل شکستگی کے عالم میں بھی حضرت عمرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو:

اللّٰہ مولانا لامولی لکم اللّٰہ اعلیٰ واجلّ. (۴) خدا ہمارا آقا ہے، تمہارا کوئی آقا نہیں، خدا بڑا اور بلند ہے۔

غزوۂ احزاب میں آپؐ خود اپنے دستِ مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے اور لبِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

اللّٰھم لاخیر الّا خیر الأخرۃ فبارک فی الانصار والمھاجرۃ. (۵) خدایا، بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے، انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر۔

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا اور یہ محاصرہ ۲۰ یا ۲۲ دن تک قائم رہا لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں، ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی، آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا، آپؐ کو سخت رنج ہوا، حملہ رکنے پر سب سے پہلے

(۱) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الوفاء بالعھد ج۲ ص۸۹ (۲) صحیح بخاری باب قول اللّٰہ اذ تستغیثون الخ ج۲ ص۵۶۴۔ یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں دیکھئے کتاب الجہاد باب الامداد بالملائکۃ الخ ج۲ ص۹۷ (۳) سیرۃ ج۱ ص۴۴۴ (طبع جدید) (۴) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد ج۲ ص۵۷۹ (۵) ایضاً باب غزوۃ الخندق ج۲ ص۵۸۸۔

باجماعت نماز ادا کی۔(۱)

غزوۂ خیبر میں جب آپ شہر کے قریب پہنچے تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے اللّٰہ اکبر خربت خیبر، اللہ اکبر خیبر ویران ہو چکا، عمارتیں نظر آئیں تو صحابہؓ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ، پھر یہ دعا مانگی:

اللّٰھم انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا	اے خدا! ہم تجھ سے اس آبادی کی، اس آبادی والوں کی،
وخیر ما فیہا ونعوذبک من شرھا وشر اھلھا	اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی
وشر مافیھا. (ابن ہشام ج۲ص ۲۲۳)	برائیوں سے تیری پناہ کے طلب گار ہیں۔

حنین کے معرکہ میں بارہ ہزار فوج آپؐ کے ساتھ تھی لیکن اول ہی حملہ میں اس کے پاؤں اکھڑ گئے، اس فوج کا سپہ سالار اگر ان ہی آدمیوں کے بھروسہ پر میدان جنگ میں اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا لیکن آپ کو جس قوت پر اعتماد تھا، آپ اس کو اس تنہائی میں بھی اسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے، جس طرح فوج ولشکر کے ساتھ، عین اس وقت جب دس ہزار قدر انداز تیروں کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپؐ کے پہلو میں چند جاں نثاروں کے سوا کوئی اور باقی نہیں رہا تھا، آپؐ سواری سے اتر آئے اور فرمایا ''میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں'' پھر بارگاہِ الٰہی میں دست بہ دعا ہو کر نصرتِ موعودہ کی درخواست کی، دفعتاً ہوا کا رخ پلٹ گیا اور نسیمِ فتح علمِ اسلام کو لہرانے لگی (۲) دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو یکہ وتنہا مناجات وزاری کے سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبروں کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے، اس مرقع کا سب سے مؤثر منظر غزوۂ بنی مصطلق میں نظر آتا ہے، سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں اور غفلت کے منتظر ہیں کہ دفعتاً نماز کا وقت آجاتا ہے اور آپؐ امام بن کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں، صحابہؓ کی ایک جماعت مقتدی ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری دشمنوں کا سامنا روک لیتی ہے، صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا، آنحضرت ﷺ مکہ کے پاس عسفان میں خیمہ زن تھے، قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیوں میں دشمنوں کی فوج کا ایک دستہ لیے ہوئے موقع کی تاک میں تھے، آخر قریش کی یہ رائے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو عین اس وقت ان پر بے خبری میں حملہ کیا جائے، خداوند

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق ج۲ص ۵۹۰ (۲) صحیح بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ ویوم حنین الخ ج۲ص ۶۱۷ ومسلم کتاب المغازی باب فی غزوۃ حنین ج۲ص ۸۲و۸۳۔

کارساز کی بارگاہ میں قصرِ صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہوگئی، چنانچہ قصر کی آیتیں نازل ہوئیں، عصر کا وقت آیا تو آپؐ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ کے سامنے تھے، صحابہؓ دو حصوں میں منقسم ہوگئے، ایک حصہ نے آپؐ کے پیچھے آ کر نماز کی صفیں قائم کرلیں اور دوسرا حصہ دشمنوں کے مقابل کھڑا ہوگیا، پہلی جماعت فارغ ہوکر بہ تدریج دشمنوں کے مقابل آگئی اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ کر آپؐ کے ساتھ نماز میں جاملی، یہ تمام تبدیلیاں مقتدیوں کی صفوں میں ہورہی ہیں لیکن خود سپہ سالار خوں آشام تلواروں کے سایہ میں تمام خطرات سے بے پروا عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے(۱) اور اس کو ذرہ برابر جنبش نہیں ہوتی۔

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکمِ الٰہی کی کہاں تک تعمیل ہوئی:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (انفال۔۸:۴۵)	مسلمانو! جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ، تم کامیاب ہوگے۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار(۲) اللہ اکبر کہتے۔

خشیتِ الٰہی: آپؐ خاتم الانبیا تھے، افضلِ رسل تھے، محبوبِ خاص تھے، تاہم خشیتِ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے کہ ''مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گذرے گی'' حضرت عثمانؓ بن مظعون نے جب وفات پائی تو آپؐ تعزیت کو گئے، لاش دھری تھی، ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہوکر کہا ''خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھ کو نوازا'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تم کو کیوں کر معلوم ہوا'' بولیں ''خدا نے اُن کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا'' ارشاد ہوا کہ ''ہاں مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے لیکن میں پیغمبر ہوکر بھی یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔''(۳)

(جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپؐ سہم جاتے، کسی ضروری کام میں ہوتے، اس کو چھوڑ کر قبلہ رخ ہوجاتے (۴) اور فرماتے ''خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں'' جب مطلع صاف ہوجاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے، ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا

---

(۱) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲ ا باب صلوٰۃ الخوف (۲) باب التکبیر اذا علا شرفا ج ۱ ص ۴۲۰ (۳) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت ج ۱ ص ۱۶۶ (۴) سنن ابن ماجہ باب یدعو بہ الرجل اذا رای السحاب والمطر ص ۲۸۶۔

تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا ''یارسول اللہ! آپ کیوں مضطرب ہوجاتے ہیں'' ارشاد ہوا ''عائشہؓ! تجھے کیا معلوم کہ قومِ ہود کا واقعہ نہ پیش آئے، جس نے بادل دیکھ کر کہا یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے، حالانکہ وہ عذاب الٰہی تھا۔'' (۱)

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ آپؐ کے بال پکنے لگے فرمایا ''مجھے سورۂ ہود و واقعہ والمرسلات اورعم یتساءلون نے بوڑھا کردیا'' (۲) (ان سورتوں میں قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں) ابیؓ بن کعب سے روایت ہے کہ جب دوثلث شب گذرچکتی، بہ آواز یہ الفاظ ادا فرماتے ''لوگو! خدا کو یاد کرو، زلزلہ آرہا ہے، اس کے پیچھے پیچھے آنے والا آرہا ہے، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی۔'' (۳)

فرمایا کرتے تھے، لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ آتا۔'' (۴)

ایک دفعہ آپؐ نے نہایت مؤثر طرز سے خطبہ میں فرمایا ''اے معشرِ قریش! اپنی آپ خبر لو میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا، اے بنی عبدالمناف! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے صفیہ! رسولِ خدا کی پھوپھی! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ (۵)

ایک دفعہ اعرابِ بادیہ کا مسجد نبویؐ میں اتنا ہجوم ہوا کہ آپؐ پسنے کے قریب ہوگئے، مہاجرین نے اٹھ کر لوگوں کو ہٹایا، آپؐ نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوگئے اور تقاضائے بشری سے بددعا زبان سے نکل گئی، فوراً قبلہ رخ ہوکر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی، خدایا میں ایک انسان ہوں، اگر تیرے کسی بندے کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا۔ (۶)

---

(۱) یہ واقعہ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ احقاف ج ۲ ص ۷۱۵ و مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین باب التعوذ عند رؤیۃ الریح الخ ج ۱ ص ۳۳۰ اور دیگر حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے، اخیر فقرہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہے۔ (۲) شمائل ترمذی ماجاء فی شیب رسول اللہؐ ص ۶۷ (۳) مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب البکاء والخوف الفصل الثانی ج ۲ ص ۶۹۱ مکتب اسلامی دمشق ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء بحوالہ ترمذی (۴) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ابواب الکسوف ج ۱ ص ۱۴۲ وکتاب التفسیر باب قولہ لاتسئلوا عن اشیاء الخ ج ۲ ص ۶۶۵ و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الکسوف ج ۱ ص ۳۳۱ (۵) صحیح بخاری کتاب الوصایا باب هل یدخل النساء والولد فی الاقارب ج ۱ ص ۳۸۵
(۶) (مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۱۰۷ و ۱۲۳ دونوں صفحوں میں دو روایتیں ہیں، مگر غالباً ایک ہی واقعہ ہے۔)

گریہ وبکا: خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر آپؐ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب آپؐ کے سامنے یہ آیت پڑھی فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (نساء۔۴:۴۱) تو بے اختیار چشمِ مبارک سے آنسو جاری ہو گئے (۱) اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی، اور آنسو جاری ہو جاتے، ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نمازِ کسوف میں آپؐ ٹھنڈی سانسیں بھرتے اور فرماتے تھے، خدایا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو لوگوں پر میرے ہوتے عذاب نہیں نازل کرے گا۔ (۲)

عبداللہؓ بن شخیر ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپؐ نماز میں مشغول ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔ (۳)

ایک بار آپؐ ایک جنازہ میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی، آپؐ قبر کے کنارے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھ کر آپؐ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہوگئی، پھر فرمایا بھائیو! اس دن کے لیے سامان کر رکھو۔ (۴)

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راہ میں ایک پڑاؤ ملا، کچھ لوگ بیٹھے تھے، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے ہم مسلمان ہیں، ایک عورت بیٹھی چولھا سلگا رہی تھی، پاس ہی اس کا لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپؐ کی خدمت میں آئی اور بولی آپؐ رسول اللہ ہیں؟ ارشاد ہوا ہاں بے شک، پھر اس نے پوچھا کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے، خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا ہاں بے شک، اس نے کہا تو ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی، آپ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا، خدا اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکش اور متمرد ہے، خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔ (۵)

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا:

---

(۱) صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور ج ۲ ص ۶۵۹ (۲) ابوداؤد صلوٰۃ الکسوف ج ۱ ص ۱۱۸ (۳) مشکوٰۃ بحوالہ نسائی و ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مالایجوز من العمل فی الصلوٰۃ ومایباح منہ الفصل الثانی ج ۱ ص ۳۱۶ و مسند احمد جلد ۴ ص ۲۵ و ۲۶ (۴) سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب الحزن والبکاء ص ۳۱۹ (۵) ایضاً باب مایرجی من رحمۃ اللہ الخ ص ۳۲۸۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ. (ابراہیم ۱۴:۳۶) پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا، ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہی میری جماعت میں ہے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ والی دعا پڑھی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (مائدہ۔۵:۱۱۸) اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کردے تو تو غالب ودانا ہے۔

دونوں ہاتھ اٹھا کر اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے (۱)

محبتِ الٰہی: (دنیا میں دو قسم کے پیغمبر آئے ہیں، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف وخشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوحؑ وحضرت موسیٰ علیہما السلام، دوسرے وہ جو محبت الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خم خانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام لیکن یہ دونوں افراط وتفریط کے راستے تھے، پہلی راہ اخلاص ومحبت کی منزل تک پہنچاتی اور دوسری عبودیت اور آداب واحترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے، جیسا کہ عیسائی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرت مسیحؑ میں ہر شخص کو نظر آسکتا ہے لیکن اسلام دونوں جلوؤں کو یکساں نمایاں کرنا چاہتا ہے، یہی سبب ہے کہ حاملِ شریعتِ اسلامیہ کی ذاتِ مبارکؐ میں یہ دونوں پہلو بہ یک دفعہ نظر آتے ہیں، قرآن مجید نے کمالِ ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (بقرہ۔۲:۱۶۵) جو ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے۔

صحیح روایتوں میں ہے کہ آپؐ راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا، یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! آپؐ کی مغفرت تو خدا کرچکا ہے، آپؐ یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہیں''؟ ارشاد ہوا کہ ''کیا میں عبدِ شکور نہ بنوں'' (۲) اربابِ باطن کہتے ہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپؐ کی عبادتیں خشیتِ الٰہی سے ہیں اور چونکہ آپؐ گناہوں سے پاک کردیے گئے تھے، اس لیے آپؐ کو ریاضتِ شاقہ کی ضرورت نہ تھی، آپؐ نے اپنے جواب میں اسی شبہہ کو دفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقتضا محبتِ الٰہی ہے، خشیتِ الٰہی نہیں ہے، اسی لیے آپؐ

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان باب بکائہ ﷺ لامتہ ج ۱ ص ۱۰۱ (۲) بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب قیام النبیؐ اللیل الخ ج ۱ ص ۱۵۲۔

فرمایا کرتے تھے:

وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ(۱) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

راتوں کو سناٹے میں اٹھ کر آپؐ کبھی دعا وزاری میں مصروف ہوتے، کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت میں خدا سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے(۲) عبادتِ شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتوں پر ہوتا تھا، جن کی نسبت آپؐ کا ارشاد تھا کہ ''ان کے معاوضہ میں دنیا اور مافیہا کی نعمتیں بھی میرے سامنے ہیچ ہیں'' (۳)

ایک دفعہ ایک غزوہ میں کوئی عورت گرفتار ہو کر آئی، اس کا بچہ گم تھا، محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ مل جاتا تو وہ سینہ سے لگالیتی اور اس کو دودھ پلاتی، آپؐ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے'' لوگوں نے عرض کی ''ہرگز نہیں'' فرمایا ''تو خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے جتنی اس کو اپنے بچہ سے ہے۔'' (۴)

اسی طرح ایک اور واقعہ اوپر گذر چکا ہے کہ آپؐ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لے کر خدمتِ اقدس میں آئی اور عرض کی ''یارسول اللہ! ایک ماں کو اپنے بچہ سے جس قدر محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے؟'' فرمایا، ہاں بیشک ہے، اس نے کہا کوئی ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتی، یہ سن کر فرطِ اثر سے آپؐ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا، خدا صرف اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے(۵)

ایک دفعہ آپؐ صحابہؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صاحب ایک چادر میں ایک پرند کو مع اس کے بچوں کے لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا، اس کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑا کھول دیا تو وہ فوراً بچوں پر گر پڑی، ارشاد ہوا کہ کیا اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت

---

(۱) مسند احمد ج ۳ ص ۹۵، ۱۲۸، و ۲۸۵ (۲) صحیح بخاری (کتاب التہجد باب الدعا و الصلوٰۃ من آخر اللیل الخ ج ۱ ص ۱۵۳) (صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں بھی یہ روایت ہے، امام بخاری نے یہاں ثلث اللیل الآخر کی روایت کی ہے، دوسری روایتوں میں نصف اللیل کا ذکر بھی ہے دیکھئے فتح الباری ج ۳ ص ۲۶) ''ض'' (۳) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر الخ ج ۱ ص ۱۷۱ (۴) صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۷ باب رحمۃ الولد الخ (۵) سنن ابن ماجہ باب مایرجی من رحمۃ اللہ ص ۳۲۸۔

پر تم کو تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بہ درجہا زیادہ ہے۔(۱)

آپ ﷺ محبتِ الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ سمجھتے تھے، وفات سے پانچ دن پہلے آپؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا، اس میں فرمایا ''میں خدا کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا دوست ہو، کیوں کہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا، جس طرح ابراہیمؑ کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔(۲)

وفات کے وقت زبانِ مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا یہ تھا:

اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ. خدایا صرف رفیق اعلیٰ مطلوب ہے۔

یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ''اب آپؐ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے۔''(۳)

اس ''رفاقتِ علوی'' کے راز سے جو کسی قدر آشنا ہیں وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہیں:

''وانبیا علیہم السلام چوں از مقام دعوت فارغ می گردند متوجہ عالم بقامی شوند و مصلحت رجوع (الی الخلق) تمام می شود بشوق تمام ندائے الرفیق الاعلیٰ برآوردہ بہ کلیت متوجہ حق جل شانہ می گردند و در مراتب قرب سیری نمایند۔''(۴)

توکل علی اللہ: (توکل کے یہ معنی ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج اور واقعاتِ عالم کے فیصلہ کو خدا کے سپرد کردے، اسباب و علل کے پردے اس کے سامنے سے اٹھ جائیں اور براہ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں نظر آئے، بظاہر اسباب و علل گو ناموافق ہوں، مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام میں ذرہ بھر مؤثر نہیں ہوسکتے، بلکہ اصلی قوت وقدرت عالمِ اسباب سے ماوراہستی کے ہاتھ میں ہے، انسان کا استقلال، عزم، جرأت و بے باکی کی یہ تمام باتیں اسی ایک اصل کی پرتو ہیں، اسی کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات میں بھی زمامِ صبر اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتی، پرخطر سے پرخطر راستوں میں بھی جبن اور ضعفِ ہمت اس کے قلب میں راہ

(۱) مشکوٰۃ باب رحمۃ اللہ بحوالہ ابوداؤد کتاب الجنائز باب الامراض المکفرۃ للذنوب ج۲ص ۳۵ (۲) صحیح مسلم ج۱ ص۲۰۱ باب النھی عن بناء المساجد علی القبور (۳) صحیح بخاری کتاب المغازی باب الوفاۃ ج۲ص ۶۴۰ (۴) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مکتوب ۲۷۲ ج ۱ص ۳۴۱ نول کشور پریس۔

نہیں پاتا، شدید سے شدید حالات میں بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہیں چھاتا۔

آنحضرت ﷺ کے سوانحِ زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان کے نیچے شدائد اور مصیبتوں کی کوئی ایسی صنف نہ ہوگی جو آپؐ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہو، لیکن آپؐ کا دل کبھی اضطراب و انتشار، مایوسی و ناامیدی اور خوف و بیم سے آشنا نہ ہوا، مکہ کی تنہائیوں میں مصائب کے ہجوم ہیں، دشمنوں کے نرغہ میں حنین و اُحد کے خوں ریز معرکوں میں ہر جگہ توکل و اعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا، ابوطالب سمجھاتے ہیں کہ ''جانِ پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھاؤ'' آپؐ فرماتے ہیں عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجیے، حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا، عجم و عرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا، ایک دوسرے جواب میں آپؐ فرماتے ہیں کہ ''خدا مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا'' (۱) مکہ میں ایک مصیبت زدہ مایوس صحابی سے ارشاد ہوتا ہے ''خدا کی قسم عن قریب وہ وقت آتا ہے جب یہ دین مرتبۂ کمال کو پہنچ جائے گا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں رہے گا۔'' (۲)

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمدؐ اب جیسے ہی یہاں قدم رکھیں، ان کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے، حضرت فاطمہؓ ان کی یہ تقریریں سن رہی تھیں، وہ روتی ہوئی آپؐ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا، آپؐ نے ان کو تسکین دی اور وضو کے لیے پانی مانگا، وضو کر کے آپؐ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہوگئے جب خاص صحنِ حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپؐ پر پڑی تو خود بہ خود نگاہیں جھک گئیں۔ (۳)

جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ شبِ ہجرت میں قریش کے بہادر خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن آپؐ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے عزیز قوتِ بازو علی مرتضیٰؓ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا، حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے، بسترِ خواب نہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک قادرِ کل ہستی ہے جو تختۂ مقتل کو فرشِ گل بنا سکتی ہے، ان کو لٹاتے ہوئے نہایت بے پروائی سے فرمایا کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (۴)

گھر کے چاروں طرف دشمنانِ قریش محاصرہ کیے ہوئے تھے اور خیال ہو سکتا تھا کہ صبحِ امید کے انتظار میں مکہ کے بُرنا و پیر عجب نہیں کوچوں اور گلیوں میں مشتاقِ خبر چل پھر رہے ہوں لیکن آپؐ نے اذنِ الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا، اس

(۱) یہ دونوں واقعے ابن ہشام میں ہیں (۲) صحیح بخاری ج ۱ کتاب الانبیاء باب مالقی النبیؐ الخ ص ۵۴۳ (۳) مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸ (۴) ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۹ و طبری ج ۳ ص ۱۲۳۲۔

وقت سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں زبانِ مبارک پر تھیں، جن میں نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہے، آخری آیت یہ تھی:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا	ہم نے ان کے آگے اوران کے پیچھے دیواریں کھڑی کردی ہیں،
فَاَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ. (یٰسین۔۳۶:۹)	ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

اور یہ بالکل سچ تھا۔

مکہ سے نکل کر آپؐ نے مع حضرت ابوبکرؓ کے غارثور میں پناہ لی، قریش میں خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا اوراس لیے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہوگا، وہ آپؐ کے تعاقب میں نشانِ قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اسی غار کے پاس پہنچ گئے، کون کہہ سکتا ہے کہ اس پرخطر حالت میں کسی کے حواس برجا رہ سکتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کی کہ ''یارسول اللہ! دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی'' لیکن آپؐ نے روحانیت کی پرسکون آواز میں فرمایا ''ان دوکو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو'' (۱) پھر جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فرمایا:

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ۹:۴۰)	غم نہ کر، خدا ہمارے ساتھ ہے۔

سینۂ نبوت کے اس روحانی سکون کا جلوہ اور کہاں نظر آسکتا ہے۔

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمدؐ کو زندہ یا ان کا سر کاٹ کرلائے گا، اس کو سو اونٹ ملیں گے، سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا اوراس قدر قریب پہنچ گیا کہ وہ آپؐ کو پاسکتا تھا، حضرت ابوبکرؓ باربار گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے لیکن آپؐ نے ایک دفعہ بھی مڑکر نہیں دیکھا کہ سراقہ کس ارادہ سے آرہا ہے، یہاں دل پر وہی سکینتِ ربانی طاری تھی اورلب ہائے مبارک تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف تھے۔(۲)

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مدینہ آکر آپؐ کی زندگی ہر قسم کے خطروں سے محفوظ ہوگئی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ گو اسلام کو یہاں اعوان وانصار کی ایک معتدبہ تعداد مل گئی تھی لیکن اسی کے ساتھ ان دشمنوں کا سامنا بھی تھا جو دشمنانِ مکہ سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ میں قریش گو آپؐ کے دشمن

(۱) صحیح بخاری باب علامات النبوۃ ج۱ص۵۱۱ وهجرة النبی واصحابهؓ ج۱ص۵۵۴ ومسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی بکرؓ ج۲ص۳۱۴ (۲) صحیح بخاری ہجرت، ج۱ص۵۵۴۔

تھے لیکن ان میں اور رسول اللہ ﷺ میں نسبی تعلقات تھے، جو کبھی کبھی کسی کو غم خواری اور مواسات پر بھی مائل کر دیتے تھے لیکن مدینہ کے منافقین اور یہود کو مواسات وہم دردی کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی، علاوہ بریں یہود و منافقینِ مدینہ اور قریشِ مکہ میں باہم آنحضرت ﷺ کے قتل وجلاوطنی کی سازشیں شروع ہوگئی تھیں (۱) اس بناپر صحابہؓ جاں نثاری کی بناپر آکر راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے، اسی زمانہ میں ایک رات صحابہؓ آپؐ کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (مائدہ ۵:۶۷) اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔

اور آپؐ نے اسی وقت خیمہ سے باہر سر نکال کر صحابہؓ سے فرمایا: (۲)

ایھاالناس انصرفوا فقد عصمنی اللّٰہ. لوگو! واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔

غزوۂ نجد سے واپسی میں آپؐ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا، یہاں بہت سے درختوں کے جھنڈ تھے، دوپہر کا وقت تھا، صحابہؓ درختوں کے سایے میں ادھر اُدھر سو رہے تھے، آپؐ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما تھے، آپؐ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی کہ ناگاہ ایک بدّو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا، چپکے سے آیا اور آپؐ کی تلوار اتار کر نیام سے باہر کی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعتاً آپؐ ہشیار ہوئے، دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے، بدو نے پوچھا ''اے محمدؐ! اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟'' ایک پر اطمینان صدا آئی کہ ''اللہ!'' (۳)

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپؐ پر حملہ کی گھات میں تھا، آپؐ نے فرمایا ''اس کو چھوڑ دو (۴) کہ مجھ کو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا'' یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے، خیبر میں جس یہودیہ نے آپؐ کو زہر دیا تھا، اس سے آپ نے دریافت کیا کہ ''تم نے یہ حرکت کیوں کی؟'' اس نے جواب دیا کہ ''آپؐ کے قتل کرنے کے لیے'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا تم کو اس پر مسلط نہ کرتا'' (۵) اُحد اور حنین کے معرکوں میں جب میدانِ جنگ تھوڑی دیر کے لیے جاں نثاروں سے خالی ہو گیا تھا، آپؐ کا استقلال، توکل علی اللہ و سکینتِ روحانی کی معجزانہ مثال ہے۔

---

(۱) سیرۃ، جلد اول سلسلۂ غزوات ص ۲۰۷ ومابعد (طبع جدید ۱۹۹۶ء) (۲) جامع ترمذی، ابواب التفسیر، تفسیر سورہ مائدہ، ص ۴۹۷ (۳) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب من علق سیفہ بالشجر الخ ج ۱ ص ۴۰۷ (۴) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۴۷۱ (۵) صحیح مسلم کتاب السلام باب السم ج ۲ ص ۲۴۶۔

یہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی ایک رخی تصویر ہے، اس مرقع کا دوسرا رخ بھی کچھ اس سے کم مؤثر نہیں ہے، آپؐ پر فقر وغنا کے مختلف دور گذرے، کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبویؐ کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے، حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لیے اٹھا رکھا جائے لیکن تمام عمر آپؐ کا طرزِ عمل اس کے خلاف رہا، کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیے اٹھا کر نہیں رکھی گئی، ضروری اور بقدر کفاف اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک اہلِ استحقاق پر صرف کر دیا جاتا تھا، ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے:

انّ رسول اللہ ﷺ کان لایدّخر لغد. (۱) آنحضرت ﷺ کل کے لیے کوئی چیز اٹھا کر نہیں رکھتے تھے۔

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر میں رہ جاتی تو آپؐ کو سخت تکلیف ہوتی تھی (۲) بلکہ آپؐ اس وقت تک گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہاں خدا کی برکت کے سوا کچھ نہیں ہے (۳) اس قسم کے متعدد واقعات جود وسخا کے عنوان میں مذکور ہیں۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے، آپؐ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، وہ پڑی ہوں گی، اس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپؐ کو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا، ارشاد ہوا کہ "عائشہؓ! کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا! جاؤ پہلے ان کو خیرات کر دو۔" (۴)

صبر و شکر: رنج و غم کے متعاقب اور تو اَم دور کس کی زندگی میں نہیں آتے لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصولِ مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور از خود رفتہ نہ ہو تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کر لے اور یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے، کامیابی و ناکامی کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے، قرآن مجید نے اس آیت میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

---

(۱) ابواب الزہد باب ماجاء فی معیشۃ النبی ﷺ ص ۳۹۰ (۲) صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب من صلی بالناس فذکر حاجتہ فتخطاھم ج ۱ ص ۱۱۷ و مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۳ (۳) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب قبول ھدایا المشرکین ج ۲ ص ۳۲ (۴) مسند احمد ج ۶ ص ۴۹ و ابن سعد جزء الوفاۃ جزء ثانی قسم ثانی ص ۳۳۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ. لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. (حدید۵۷: ۲۲،۲۳)

جتنی مصیبتیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہیں، وہ ان کے وجود سے پہلے دیوانِ قضا میں لکھ لی گئی ہیں، یہ بات خدا کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے کیا گیا تا کہ تم ناکامی پر غم اور حصول مقصد پر فخر نہ کرو، خدا مغرور اور فخار کو دوست نہیں رکھتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی میں وہ بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں جو اس آسمان کے نیچے نوعِ انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں تاہم آپؐ کے آئینۂ دل میں کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہیں ڈالا، آپؐ نے فرمایا ''انا سید ولد آدم ولا فخر، میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں لیکن مجھے اس پر فخر نہیں'' عدی بن حاتم طائی نے جو مذہباً عیسائی تھے، آپؐ کے جو حالات سنے تھے ان کی بنا پر ان کو یہ شک تھا کہ آپؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضرِ خدمت ہوئے تو عین اسی وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض کے لیے بارگاہِ اقدس میں آئی اور مجمع سے ذرا ہٹ کر کچھ سن لینے کی درخواست کی، آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس وقت تک گلی میں کھڑے رہے، جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی، عدی کہتے ہیں کہ آپؐ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پیغمبر ہیں، بادشاہ نہیں۔(۱)

مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہو جاتا ہے لیکن مکہ و خیبر کا فاتح اس وقت بھی اپنا سرِ نیاز بارگاہِ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا، ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتحِ مکہ میں جب آنحضرت ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپؐ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپؐ نے اپنی سواری پر توقف کیا:

ان رسول اللہ ﷺ لما انتهى الىٰ ذى طوى وقف على راحلته ...... ليضع رأسه تواضعا لله حين رأى ما اكرمه الله من الفتح حتى ان عثنونه ليكاد يمس واسطة الرحل. (۲)

جب آنحضرت ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپؐ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپؐ نے اپنی سواری پر توقف کیا...... تا کہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں، پھر یہاں تک آپؐ جھکے کہ آپؐ کی ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔

آنحضرت ﷺ کثرت سے عبادت اور تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے، بعض صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ! خدا تو آپؐ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا، اب آپؐ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں، ارشاد ہوا:

(۱) سیرۃ ابن ہشام ص ۵۷۳ ج ۲ (۲) سیرۃ ابن ہشام ذکر فتح مکہ ج ۲ ص ۲۶۹۔

افلا کونُ عبدًا شکورًا۔ (۱) — کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

یعنی اگر یہ تعبد و تسبیح و تحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لیے تھی تو اب اس مرتبہ کے حصول پر شکر گذاری اور احسان مندی کے اعتراف میں ہے۔

دنیا کے اعاظمِ رجال جن کو روحانیت کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوتِ بازو، اپنے حسنِ تدبیر اور اپنے ذاتی رعب وداب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن مقربین الٰہی کی اصطلاح میں یہ تخیل شرک و کفر کے ہم پایہ ہے، ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر قادرِ کل کا دستِ غیر مرئی کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، حدیث میں ہے کہ: (۲)

انه کان اذا جاءهٗ امر سرور اویسر به خرسا جدا شاکرا للّٰہ تعالیٰ۔ — آنحضرت ﷺ کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔

قبیلۂ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپؐ کو پہنچی تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا (۳) اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات کی آپؐ کو خبر دی گئی تو آپؐ فوراً سجدۂ الٰہی بجالائے (۴) وحی کے ذریعہ سے جب آپؐ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا، اس پر خدا درود بھیجے گا تو اس رفعِ منزلت پر آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ (۵)

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام عزورا کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر گئے، اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک بارگاہِ الٰہی میں دعا کی، پھر سجدہ میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں پڑے رہے، پھر سر اٹھا کر بدستور دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور پھر دیر تک سجدہ میں رہے، پھر اٹھ کر تضرع کے ساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جبینِ نیاز خاک پر رکھی، اس دعا و سجود سے فارغ ہو کر آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا ”میں نے اپنی امت کی مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگی تھی، جس کا ایک حصہ مقبول ہوا، میں شکر کے لیے سجدہ میں گرا، پھر مزید درخواست کی، اس نے وہ بھی قبول کی، میں سجدۂ شکر بجالایا اور پھر دعا و زاری کی، اس نے اس کو بھی درجۂ استجابت بخشا اور پھر میں سجدہ میں گر پڑا۔ (۶)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب قیام النبی اللیل ج ۱ ص ۱۵۲ (۲) ابوداؤد ج ۱، کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر ص ۲۷۷ (۳) زاد المعاد بحوالہ بیہقی بہ سند علی شرط البخاری ج اول ص ۹۷ (۴) زاد المعاد مذکور بحوالہ ابن ماجہ (۵) مسند احمد عن عبدالرحمٰنؓ بن عوف ج ۱ ص ۱۹۱ (۶) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر ج ۱ ص ۲۷۷ و ۲۷۸۔

سورۂ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اسی وصف کو نمایاں فرمایا ہے:

وَالضُّحٰی. وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی. مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی. وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی. وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی. اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی. وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی. وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی. فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ. وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ. وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ. (ضحیٰ ۹۳: ۱ تا ۱۱)

(اے پیغمبر) دن کے پہلے پہر کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈال دے کہ تیرے پروردگار نے نہ تو تجھ کو چھوڑا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا، یقیناً تیری پچھلی زندگی پہلی سے بہتر ہے، وہ تجھ کو وہ کچھ دے گا جس سے تو خوش ہو جائے گا، کیا اس نے تجھ کو یتیم نہیں پایا تو اپنی پناہ میں لے لیا اور تجھ کو راہِ حق کا جویاں پایا تو اس نے سیدھی راہ دکھادی اور تجھ کو مفلس پایا تو غنی کر دیا (ان نعمتوں کے شکریہ میں) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا اور اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرتے رہنا۔

آپؐ کی سوانحِ زندگی کا حرف حرف شاہد ہے کہ آپؐ عمر بھر کیوں کر اس ارشادِ ربانی کی تعمیل کرتے رہے۔

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ پاک میں یہ دونوں متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے اور آپؐ کو عملاً دونوں کے اظہار کا موقع ملا، حدیث شریف میں ہے، ایک صحابیؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ ”یارسول اللہ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آئی ہے؟“ ارشاد ہوا کہ ”پیغمبروں پر، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگوں پر“ (۱) واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں، آپؐ سرورِ انبیا تھے، اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ آپؐ کے دوشِ مبارک پر تھا، اسی لیے قرآن مجید میں بار بار آپؐ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے، سورہ احقاف میں ہے:

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ. (احقاف ۴۶: ۳۵)

(اے پیغمبر) جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا، تم بھی صبر کرو۔

آپؐ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا، عہدِ طفولیت میں تھے کہ سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا، اس کے دو برس کے بعد دادا نے جن کی نگاہِ لطف زخمِ یتیمی کا مرہم تھی، وفات پائی، نبوت کے بعد ابوطالب نے جو قریش کے ظلم و ستم کے سپر تھے، مفارقت کی، محرمِ اسرار ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ جو اس ہجومِ مصائب میں آپؐ کی تنہا مونس و غمخوار تھیں، موت نے ان کو بھی اسی زمانہ میں آپؐ سے علاحدہ کر دیا، والدین اور بیوی کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے،

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب الصبر علی البلاء ص ۳۰۰۔

جس کی مفارقت کا زخم تمام عمر مندمل نہیں ہوتا، آپؐ کی اولاد ذکور حسب اختلاف روایت کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ تھی، لڑکیوں کی تعداد چار تھی لیکن ایک (حضرت فاطمہؓ) کے سوا سب نے کمسنی یا جوانی میں آپؐ کی نگاہوں کے سامنے جان دی، ان واقعات پر اگرچہ کبھی کبھی آپؐ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں لیکن زبان و دل پر ہمیشہ صبر و سکینت کی مہر لگی رہی اور کبھی کوئی کلمہ زبانِ مبارک سے ایسا نہیں نکلا جس سے کارکنانِ قضا کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو۔

آپؐ کی سب سے بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ نے ۸ ہجری میں وفات پائی تو تجہیز و تکفین کے متعلق آپؐ نے خود بہ نفس نفیس ہدایات دیں، جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن زبانِ مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا، حضرت زیدؓ (پروردۂ خاص) اور حضرت جعفرؓ (ابن عم) دونوں آپؐ کو بہت محبوب تھے، غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت کی خبر آئی، تو چشمِ مبارک اشک آلود ہو گئی لیکن اسی اثنا میں حضرت جعفرؓ کے گھر سے نوحہ کی آواز آئی تو آپؐ نے منع کرا بھیجا، آپؐ کا ایک نواسا جس سے آپؐ کو محبت تھی مبتلائے نزع ہوا تو صاحب زادی نے بلا بھیجا لیکن آپؐ نے اس کے جواب میں سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا:

ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ و کل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب۔ (۱)	اللہ نے جو لے لیا وہ اسی کا تھا اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے، اس کا ہر کام وقت مقررہ پر ہوتا ہے، صبر کرو اور اس سے خیر طلب کرو۔

صاحب زادی نے دوبارہ بہ اصرار بلایا، آپؐ چند صحابہؓ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، بچہ آپؐ کی گود میں رکھ دیا گیا، وہ دم توڑ رہا تھا، آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک صحابیؓ نے کہا ''یارسول اللہ! یہ کیا ہے'' فرمایا ''یہ جذبۂ محبت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھا ہے خدا اپنے بندوں میں سے رحم دلوں ہی پر رحم کرتا ہے۔ (۲)

ایک بار آپؐ سعدؓ بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لائے اور ان کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ ''انتقال کر گئے'' صحابہؓ نے کہا ''نہیں یارسول اللہ'' آپؐ رو پڑے، تو آپؐ کو روتے دیکھ کر صحابہؓ بھی رو پڑے، آپؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہیں کرتا لیکن (زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس سے عذاب ہوتا ہے'' (۳) حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے وقت

(۱) بخاری کتاب الجنائز باب قول النبیؐ یعذب المیت الخ ج ۲ ص ۱۷۱ (۲) ایضاً (۳) بخاری کتاب الجنائز باب البکاء عند المریض ج ۱ ص ۱۷۴۔

جب آپؐ کی آنکھوں سے اشکِ محبت جاری ہوئے تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا "یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟" فرمایا "یہ رحمت وشفقت ہے" حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دوبارہ گذارش کی، ارشاد ہوا۔(۱)

ان العین تدمع والقلب یحزن ولانقول الا مایرضیٰ ربنا وانا بفراقک یاابراھیم لمحزونون. (۲)

آنکھ اشک ریز ہے، دل غمگین ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو، اے ابراہیم ہم تیرے فراق میں بہت غمگین ہیں۔

بہرحال یہ واقعات آنی ہیں، یعنی ان کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہے، پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع مصائب وحوادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیمانۂ صبر لبریز نہ ہونے پائے، سخت مشکل ہے، ہجرت سے پہلے ۱۳ سال تک طائف اور مکہ کے اشقیا نے دعوتِ حق کا جس تحقیر واستہزا، سب وشتم، تعذیب وایذارسانی کے ساتھ جواب دیا، اس کے دہرانے کی حاجت نہیں، مدینہ منورہ میں آٹھ نو برس تک جن خونی معرکوں کا ہمیشہ سامنا رہا اور دشمنوں نے آپؐ کی جلاوطنی وقتل وشکست کے جو جو منصوبے باندھے، ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں لیکن ان تمام تیروں کی بوچھار صبر کے سوا آپؐ نے کس سپر پر روکی؟

اس سے بھی زیادہ مشکل ان واقعات پر صبر ہے جو خود اختیاری ہوں، فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کردیتی تھی لیکن دستِ کرم کو اسی وقت آرام ملتا، جب سارا خزانہ اربابِ حاجت اور فقرا میں لُٹ چکا ہوتا، چنانچہ اسی بنا پر خود آپؐ اور تمام اہل بیت کی زندگی اکثر فقروفاقہ میں گذرتی تھی، جسمِ مبارک کے لیے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑا نہیں ہوتا تھا، تاہم یہ تمام شدائد اس لیے گوارا تھے کہ صبر کی لذت الوانِ نعمت کی خوش گواری اور لباس ہائے فاخرہ کی مسرت سے کہیں زیادہ تھی۔

لیکن سب سے زیادہ حوصلہ شکن اور صبر آزما اس تیر کا نشانہ ہے، جو دشمنوں کے نہیں بلکہ دوستوں کے ہاتھ سے لگایا جائے، دودفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانوں نے آپؐ کے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر مبنی تھا، اعتراض کیا، اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپؐ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، صحیح بخاری میں ہے کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریوں نے اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دوسروں کو کیوں دے دیا، حق تو ہمارا تھا، آپؐ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا:

رحمۃ اللہ علیٰ موسیٰ قد اوذی اکثر من ذالک فصبر (کتاب المغازی باب غزوۃ حنین ج ۲ ص ۶۲۱)

موسیٰ پر خدا کی رحمت ہو وہ اس سے بھی زیادہ (اپنے دوستوں کی طرف سے) ستائے گئے ہیں لیکن انھوں نے صبر کیا۔

---

(۱) ان تمام واقعات کے لیے صحیح بخاری کتاب الجنائز دیکھو (۲) بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی انابک لمحزون ج ۱ ص ۱۷۴۔

اخلاقِ نبوی ﷺ

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم۔۶۸:۴)

(حضرت رسالت پناہ ﷺ کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آکر آپؐ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے، تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف، اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی، دنیا کے تمام مصلحین اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیحؑ کا درجہ سب سے بڑا ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلح اعظم (بودھ) عملاً کیا تھا، کوہِ زیتون کے رحیمانہ اخلاق کا واعظ (مسیحؑ) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا لیکن اس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زرّیں مقولوں کی تائید میں تم کو معلوم ہے؟ (۱) لیکن مکہ کا معلمِ امی پکار کر کہتا ہے:

لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَالَاتَفۡعَلُوۡنَ. (صف۶۱:۲) جو نہیں کرتے، وہ کہتے کیوں ہو۔

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا، گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق وعمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا، بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون راز داں ہوسکتا ہے، چند صاحبوں نے آکر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضرت کے اخلاق بیان کیجئے، انھوں نے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ اِن خلق رسول اللہ ﷺ کان القراٰن، آپؐ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔(۲)

موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے، قرآن مجید لاکھوں مخالفین واہلِ عناد کی بھیڑ میں اپنے

---

(۱) اس عبارت میں اہلِ کتاب اور دیگر اقوام ومذاہب کے صحیفوں میں انبیا اور بزرگوں کے جو احوال مذکور ہیں، ان کی طرف اشارہ ہے، اس کی تفسیر کے لیے سیرۃ النبیؐ جلد اول عنوان ''پیغمبروں پر آنحضرت ﷺ کی فضیلت'' حاشیہ ص۳۰۲ دیکھنا چاہیے، ''ض'' (۲) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل ج۱ص۱۳۴۔

داعیِ حق کی نسبت گویا تھا:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم۔۶۸:۴) اے محمد ﷺ! تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

بے درد نکتہ چیں آج تیرہ سو برس کے بعد آپؐ کو سنگ دل کہتے ہیں لیکن اس وقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا قرآن خود دشمنوں کے مجمع میں آپؐ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا:

فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ. (آل عمران۳:۱۵۹) خدا کی عنایت سے تم ان سے بہ نرمی پیش آتے ہو، اگر تم کہیں کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے۔

دوسری جگہ کہتا ہے:

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ. (توبہ۹: ۱۲۸) تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا، اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم و رأفت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دے دیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تہ میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے، دوست و دشمن، عزیز و بے گانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرۂ اخلاق کی وسعت ہے، آنحضرت ﷺ کے عنوانِ اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیے۔

اخلاقِ نبوی کا جامع بیان: اس سے پہلے کہ حضور انور ﷺ کے اخلاقِ مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، ان صاحبوں کے بیانات زیر تحریر آتے ہیں، جنھوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالہا سال اور مدت دراز بسر کی ہیں اور جو آپؐ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کون ہو سکتا ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپؐ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں، زمانۂ آغازِ وحی میں آپؐ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں، ''ہرگز نہیں، خدا کی قسم، خدا آپؐ کو کبھی غم گین نہ کرے گا، آپؐ صلۂ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں،

مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔'' (۱)

امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی نے آپؐ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کیے ہیں، فرماتی ہیں، ''آنحضرت ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرمادیتے تھے (۲) آپؐ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی، اس کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، ورنہ آپؐ اس سے بہت دور ہوتے، آپؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا (۳) (یعنی خدا کی طرف سے بہ موجب احکام ربانی آپؐ اس پر حد جاری فرماتے تھے) آپؐ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی، آپؐ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، (۴) جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، آپؐ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو (۵)، آپؐ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے، (۶) باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔ (۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور آغازِ نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپؐ کی خدمتِ اقدس میں رہے تھے، ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے ان سے آپؐ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا، فرمایا، آپؐ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے، عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپؐ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپؐ سے اس کی امید رکھتا تھا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر

---

(۱) صحیح بخاری باب بدء الوحی ج۱ص۳ (۲) جامع ترمذی ابواب البر والصلہ باب خلق النبیؐ ص۳۳۵ و شمائل ترمذی ص۲۷۲ (۳) صحیح بخاری کتاب الادب باب قول النبیؐ یسروا ولا تعسروا الخ ج۲ص۹۰۴ و مسلم کتاب الفضائل باب مباعدتہ للآثام الخ ج۲ ص۲۹۴ و ابوداؤد کتاب الادب باب التجاوز فی الامر ج۲ص۱۸۶ (۴) یہ تفصیل مسلم اور ابوداؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات میں حضرت عائشہ سے مروی ہے (۵) مستدرک حاکم بہ سند متصل، کتاب التاریخ ذکر خلق رسول اللہ ج۲ص۹۱۳، اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم حوالہ مذکور میں بھی ہیں (۶) ابن سعد جزء اول قسم ثانی ص۹۱ و ۹۹ (۷) صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد، کتاب الادب باب الھدی فی الکلام ج۲ص۱۹۰۔

فرماتے تھے (یعنی صراحتاً انکار و تردید نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپؐ کا مقصد سمجھ جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزیں آپؐ نے بالکل دور کر دی تھیں، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا، دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کے ٹوہ میں نہیں رہتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا، جب آپؐ کلام کرتے صحابہؓ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، جب آپؐ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے، کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، چپ سنا کرتے، لوگ جن باتوں پر ہنستے آپؐ بھی مسکرا دیتے جن پر لوگ تعجب کرتے، آپؐ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپؐ تحمل فرماتے، دوسروں کے منھ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپؐ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا، آپؐ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے(۱) نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعتاً آپؐ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔'' (۲)

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت ﷺ کے آغوش پروردہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں (۳) کہ ''آپؐ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ شکر فرماتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو برا بھلا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپؐ کو غصہ آجاتا اور اس کی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپؐ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔)

مداومتِ عمل: (اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائے، انسان کے سوا دنیا کی تمام مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرتاً اسی پر مجبور ہے، آفتاب

(۱) یہ پوری تفصیل شمائل ترمذی ص ۲۷۵ بیانِ اخلاق میں ہے۔ (۲) یہ ٹکڑا شمائل ترمذی ص ۳۵ بیان حلیۂ مبارک میں ہے۔
(۳) شمائل ترمذی باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ ص ۱۷۸۔

صرف روشنی بخشتا ہے، اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہوسکتا، رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے، وہ روشنی کی علت نہیں، درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایامِ بہار ہی میں پھولتے ہیں حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال واخلاق سے ایک سرِ مو تجاوز نہیں کرسکتا لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے، وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی، اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایامِ بہار کے پابند نہیں، وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال واخلاق پر مجبور نہیں، اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاقِ حسنہ کا جو پہلو پسند کرے، اس کی اس شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی، گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل اور پھول سے خوشبو کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہوسکتیں، اسی کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپؐ نے شروع فرمایا، اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے، سنت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے، سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا، اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپؐ کی استقامتِ حال اور مداومتِ عمل کی ناقابلِ انکار مثالیں ہیں، آپؐ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہوچکا ہے، جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپؐ کے تمام اخلاق و اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر ان میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا، ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے عبادات واعمال کے متعلق حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپؐ کسی خاص دن یہ کرتے تھے، انھوں نے جواب دیا ''لا کان عملہ دیمۃ '' آپؐ کا عمل جھڑی ہوتا تھا، یعنی جس طرح بادل کی جھڑی برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی، اسی طرح آپؐ کا حال تھا

کہ جو بات ایک دفعہ آپؐ نے اختیار کرلی ہمیشہ اس کی پابندی کی، پھر فرمایا وایکم یستطیع ما کان النبی ﷺ یستطیع، آنحضرت ﷺ جو کر سکتے تھے، وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے۔(۱)

دوسری روایت میں ہے:

وکان اذا عمل عملا اثبته (۲) — جب آنحضرت ﷺ کوئی کام کرتے تو پھر اس پر مداومت فرماتے تھے۔

اس لیے آنحضرت ﷺ کا خود ارشاد ہے: (۳)

ان احب العمل الیٰ اللہ ادومہ. — خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے، جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔

آپؐ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی رات کی یہ عبادت ترک نہیں کی، اگر کبھی مزاجِ اقدس ناساز یا سست ہوا تو بیٹھ کر ادا کرتے تھے (۴) جریر بن عبداللہؓ ایک صحابی ہیں، جن کو دیکھ کر آپؐ محبت سے مسکرادیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپؐ نے مسکرا نہ دیا ہو(۵)

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپؐ نے مقرر کرلیا تھا، اس میں کبھی تخلف نہ ہوا، نماز اور تسبیح وتہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز وانداز میں کبھی فرق نہ آیا اور اب وہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہے۔)

حسنِ خلق: (حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ وغیرہ جو مدتوں آپؐ کی خدمت میں رہے تھے، ان سب کا متفقاً بیان ہے کہ آپؐ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نکو سیرت تھے، آپؐ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار ومتانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے)

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپؐ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود نہ منھ ہٹالے، مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپؐ کے زانوں کبھی ہم نشینوں سے آگے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومۃ علی العمل ج۲ص۹۵۰ (۲) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مایومر بہ من القصد فی الصلوٰۃ ج۱ص۱۳۷ وصحیح بخاری کتاب الادب (۳) ابوداؤد حوالہ سابق (۴) ایضاً باب قیام اللیل ج۱ص۱۳۱ (۵) صحیح مسلم مناقب جریرؓ بن عبداللہ ج۲ص۳۵۰۔

نکلے ہوئے نہ ہوتے۔(۱)

اکثر نوکر چاکر، لونڈی، غلام، خدمت اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپؐ اس میں ہاتھ ڈال دیں تاکہ متبرک ہو جائے، جاڑوں کے دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپؐ کبھی انکار نہ فرماتے۔(۲)

ایک دفعہ آپؐ سعد بن عبادہؓ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انھوں نے اپنے صاحب زادہ قیسؓ کو ساتھ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب جائیں، آنحضرت ﷺ نے قیسؓ سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو، انھوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو لو یا گھر واپس جاؤ، وہ واپس چلے آئے۔(۳)

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی، آپؐ نے اس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفس نفیس مہمان داری کے تمام کام انجام دیئے، صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے، ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گذاری کی ہے، اس لیے میں خود ان کی خدمت گذاری کرنی چاہتا ہوں۔(۴)

عتبانؓ بن مالک جو اصحاب بدر میں تھے، ان کی بینائی میں فرق آ گیا تھا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں لیکن بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے اگر آپؐ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا، دوسرے دن صبح کے وقت آپؐ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ان کے گھر گئے اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا، اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ انھوں نے جگہ بتا دی، آپؐ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لیے اصرار کیا، خزیرہ ایک کھانا ہوتا ہے قیمہ پر آٹا چھڑک کر تیار کرتے ہیں، وہ سامنے آیا، محلہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے، حاضرین میں سے کسی نے کہا، مالک بن دُخشن نظر نہیں آتے، ایک نے کہا وہ منافق ہے، ارشاد فرمایا یہ نہ کہو، وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں، لوگوں نے کہا ہاں ان کا میلان منافقین کی طرف ہے، آپؐ نے فرمایا جو شخص خدا کی مرضی

---

(۱) ابوداؤد کتاب الادب و ترمذی ابواب الاستیذان والادب کے مختلف ابواب (۲) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی ﷺ من الناس ج۲ص ۲۹۳ (۳) سنن ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل ج۲ ص۳۲۰ (۴) شرح شفائے قاضی عیاض ج۲ص ۱۰۰ مطبعہ عثمانیہ ۱۳۱۲ھ بحوالہ دلائل بیہقی۔

کے لیے لا الہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے۔ (۱)

(ابتدائے ہجرت میں خود آنحضرت ﷺ اور تمام مہاجرین انصار کے گھر میں مہمان رہے تھے، دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتاری گئی تھی، مقدادؓ بن الاسود کہتے ہیں کہ میں اس جماعت میں تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ شامل تھے، گھر میں چند بکریاں تھیں، جن کے دودھ پر گذارا تھا، دودھ دوہ چکا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے اور آپؐ کے لیے پیالہ میں چھوڑ دیتے، ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی، لوگ دودھ پی پی کر سو رہے، آپؐ نے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا، خاموش ہو رہے، پھر فرمایا خدایا، جو آج کھلاوے اس کو تو بھی کھلا دینا، حضرت مقدادؓ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کر کے گوشت پکائیں، آپؐ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دُہ کر جو کچھ نکلا اسی کو پی کر سو رہے (۲) اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔)

ابو شعیبؓ ایک انصاری تھے، ان کا غلام بازار میں گوشت کی دوکان رکھتا تھا، ایک دن وہ خدمت اقدس میں آئے، آپؐ صحابہؓ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا، ابو شعیبؓ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو، کھانا تیار ہو چکا تو آنحضرت ﷺ سے درخواست کی، صحابہؓ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں، کل پانچ آدمی تھے، راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہولیا، آنحضرت ﷺ نے ابو شعیبؓ سے کہا کہ یہ شخص بے کہے ساتھ ہولیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے، ورنہ رخصت کر دیا جائے، انھوں نے کہا آپؐ ان کو بھی ساتھ لائیں۔ (۳)

عقبہ بنؓ عامر ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ پہاڑ کے درّہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے، یہ بھی ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا کہ ''آؤ سوار ہولو'' انھوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں، آنحضرت ﷺ نے دوبارہ کہا اب انکار کرنا امتثالِ امر کے خلاف تھا، آنحضرت ﷺ اتر پڑے اور یہ سوار ہولیے۔ (۴)

مجالسِ صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے،

---

(۱) بخاری ج ۱ ص ۶۰، ۶۱ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فی البیوت (۲) مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۴ (۳) بخاری ج ۲ کتاب الاطعمہ باب الرجل یدعی الیٰ طعام الخ ص ۸۲۱ (۴) نسائی کتاب الاستعاذۃ ص ۸۰۳۔

حضرت زینبؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے، اس وقت پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینبؓ بھی مجلس میں شریک تھیں، آپؐ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے، لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا، آپؐ اٹھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ تک گئے، واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے، پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری۔(۱)

غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آگیا، حسبِ دستور ٹھہر گئے، مؤذن نے اذان دی، ابومحذورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے، اذان سن کر سب نے چلاّ چلاّ کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی، آنحضرت ﷺ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی، ابومحذورہؓ خوش لحن تھے، ان کی آواز پسند آئی، سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی، پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ، اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔(۲)

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا، لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے، آپؐ نے پوچھا ڈھیلے کیوں چلاتے ہو؟ میں نے کہا کھجوروں کے لیے، ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔(۳)

عباد بن شرحبیل مدینہ میں ایک صاحب تھے، ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے، کچھ دامن میں رکھ لیے، باغ کے مالک کو معلوم ہوا، تو اس نے آکر ان کو مارا اور کپڑے اتروا لیے، یہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئے، مدعا علیہ بھی ساتھ تھا، آپؐ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کہ یہ جاہل تھا، اس کو تعلیم دینا تھا، یہ بھوکا تھا، اس کو کھانا کھلانا تھا، یہ کہہ کر کپڑا واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔(۴)

(۱) بخاری کتاب الاستیذان باب اٰیۃ الحجاب ج۲ص۹۲۲ (۲) دار قطنی کتاب الصلوٰۃ باب ذکر اذان ابی محذورۃ ج۱ص۸۶ مطبعہ فاروقی دہلی (۳) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ابن السبیل یاکل من التمر الخ ج۱ص۲۵۹ (۴) ابوداؤد ج۱ کتاب الجہاد باب فی ابن السبیل یاکل من التمر ص۲۵۹، روایت میں ایک یا نصف وسق غلہ عطا کرنے کا ذکر ہے۔ ''ض''

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے تو ان کو گھروں سے نکال دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے، آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو انصار نے آپؐ سے اس کے متعلق سوال کیا، اس پر آیت اتری کہ اس حالت میں مقاربت ناجائز ہے، اس بنا پر آپؐ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہیں، یہودیوں نے آپ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ شخص بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے، دو صحابی آپؐ کی خدمت میں آئے کہ یہود جب یہ کہتے ہیں تو ہم مقاربت بھی کیوں نہ کریں، رخسارۂ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا، دونوں صاحب چلے گئے، آپؐ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں، اس وقت ان کو تسکین ہوئی کہ آپ ناراض نہ تھے۔(۱)

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے، ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے کچھ نہ فرمایا، جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھوڈالیں۔(۲)

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا اچھا آنے دو، وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے، لیکن جب وہ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی، حضرت عائشہؓ کو اس پر تعجب ہوا اور آپؐ سے دریافت فرمایا کہ آپؐ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا، آپؐ نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔(۳)

یہود جس درجہ شقی اور دشمنِ اسلام تھے، اس کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا، بااین ہمہ آنحضرت ﷺ ان سنگ دلوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور ان سے دادوستد رکھتے، سخت سے سخت غصہ کی حالت میں صرف اس قدر فرماتے ''اس کی پیشانی خاک آلود ہو''(۴)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا، جس سے میں قرض لیا کرتا تھا، ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں اور قرضہ ادا نہ ہو سکا، اس پر پورا سال

(۱) ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب مواکلۃ الحائض ج ۱ ص ۲۶ (۲) ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب فی حسن العشرۃ ص ۱۸۶ و کتاب الترجل باب الخلوق للرجال ص ۱۲۵ (۳) صحیح بخاری کتاب الادب باب المداراۃ مع الناس ج ۲ ص ۹۰۵ و ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب باب حسن العشرۃ ص ۱۸۶ (۴) ادب المفرد امام بخاری باب سباب المسلم فسوق ص ۸۵۔

گذر گیا، بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا، اب کی بھی پھل کم آئے، میں نے آیندہ فصل کی مہلت مانگی، اس نے انکار کیا، میں نے آنحضرت ﷺ سے آکر تمام واقعات بیان کیے، آپؐ چند صحابہؓ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دے دو، اس نے کہا "ابوالقاسم میں کبھی مہلت نہ دوں گا" آپؐ نخلستان میں تشریف لے گئے اور چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اوراس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا، بالآخر آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترہ پر (جو مسقف تھا) فرش بچھادو، اس پر آرام فرمایا اور سوگئے، سوکر اٹھے تو پھر یہودی سے خواہش ظاہر کی کہ مہلت دے دو، اس شقی نے اب بھی نہ مانا، آپؐ درختوں کے جھنڈ میں جاکر کھڑے ہوگئے اور جابر سے کہا کہ کھجوریں توڑنی شروع کرو، آنحضرت ﷺ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہیں۔(۱)

(مجلسِ نبویؐ میں جگہ بہت کم ہوتی تھی، جولوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے، ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی، ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیے آپؐ خود اپنی ردائے مبارک بچھادیتے تھے، ایک دفعہ مقامِ جعرانہ میں آنحضرت ﷺ تشریف فرماتھے اور اپنے ہاتھوں سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرمارہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپؐ کے پاس چلی گئی، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو اس کی نہایت تعظیم کی، اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھادی، راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی، تو لوگوں نے کہا یہ حضورؐ کی رضاعی ماں تھیں۔(۲)

اسی طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرماتھے کہ آپؐ کے رضاعی والد آئے، آپؐ نے ان کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھادیا، پھر رضاعی ماں آئیں، آپؐ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا، آخر میں رضائی بھائی آئے تو آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اوران کو اپنے سامنے بٹھالیا(۳) حضرت ابوذرؓ مشہور صحابی ہیں، ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا، تو گھر میں وہ نہیں ملے، تھوڑی دیر کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے تو آپؐ لیٹے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اوراپنے سینہ سے لگالیا۔(۴)

حضرت جعفرؓ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے، توان کو گلے لگالیا اوران کی پیشانی کو بوسہ دیا۔(۵)

---

(۱) بخاری ج۲ص ۸۱۸ کتاب الاطعمہ باب الرطب والتمر (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب فی بر الوالدین ج۲ص ۲۱۷

(۳) ایضاً (۴) ابوداؤد کتاب الادب باب المعانقۃ ص۲۲۳ (۵) ایضاً باب فی قبلۃ مابین العینین ص۲۲۳۔

سلام میں پیش دستی فرماتے، راستہ میں جب چلتے تو مرد عورتیں، بچے جو سامنے آتے ان کو سلام کرتے (۱) ایک دفعہ آپؐ راستہ سے گذر رہے تھے، ایک مقام پر مسلمان اور منافق وکافر یک جا بیٹھے ملے، آپؐ نے سب کو سلام کیا۔ (۲)

کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں، بعض لوگوں کی یہ عادت ہے، یہ طریقۂ ابہام اس لیے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو، اور اس کے احساس غیرت میں کمی نہ آ جائے۔

حسن معاملہ: اگرچہ غایتِ فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے، یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپؐ کی زرہ من بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہاں گرو تھی، لیکن ہر حال میں حسنِ معاملت کا سخت اہتمام تھا، مدینہ میں دولت مند عموماً یہودی تھے، اور اکثر ان ہی سے آپؐ قرض لیا کرتے، یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے ہیں، آپؐ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

(نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپؐ کے تاجرانہ تعلقات تھے، انھوں نے ہمیشہ آپؐ کی دیانت اور حسنِ معاملہ کا اعتراف کیا ہے، اسی لیے قریش نے متفقاً آپؐ کو امین کا خطاب دیا تھا، نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض وکینہ کے جوش سے لبریز تھے، تاہم ان کی دولت کے لیے مامون مقام آپؐ ہی کا کاشانہ تھا، عرب میں سائبؓ نام ایک تاجر تھے، وہ مسلمان ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپؐ سے ان کا تعارف کرایا، آپؐ نے فرمایا "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں" سائبؓ نے کہا "میرے ماں باپ فدا، آپؐ میرے ساجھی تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔) (۳)

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض کے طور پر لیں، چند روز کے بعد وہ تقاضے کو آیا، آپؐ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کر دیں، انصاری نے کھجوریں دیں لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں، جیسی اس نے دی تھیں، اس شخص نے لینے سے انکار کیا، انصاری نے کہا تم رسولؐ اللہ کی عطا

---

(۱) بخاری کتاب الاستیذان، باب التسلیم علی الصبیان ج ۲ ص ۹۲۲ وابوداؤد کتاب الادب باب السلام علی الصبیان وباب السلام علی النساء ج ۲ ص ۲۲۲ (۲) بخاری کتاب الاستیذان، باب التسلیم فی مجلس فیه اخلاط من المسلمین والمشرکین ج ۲ ص ۹۲۴ (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی کراهیة المراء ج ۲ ص ۱۹۰۔

کردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو، بولا ہاں، رسول اللہؐ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے، آنحضرت ﷺ نے یہ جملے سنے تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے۔(۱)

ایک دن ایک بدّو آیا، جس کا کچھ قرضہ آنحضرت ﷺ پر تھا، بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہیں، اس نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی، صحابہؓ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھ کو خبر ہے تو کس سے ہم کلام ہے، بولا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں، آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اسی کا ساتھ دینا چاہیے، کیوں کہ اس کا حق ہے (قرض خواہ کو بولنے کا حق ہے، اس کے بعد صحابہؓ کو اس کا قرض ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا اور زیادہ دلوایا۔)(۲)

ایک غزوہ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ ہم رکاب تھے، ان کی سواری میں جو اونٹ تھا سست رو تھا اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہو گیا تھا، آپؐ نے اونٹ ان سے خرید لیا اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دے دیا، کہ دونوں تمہارے ہیں۔(۳)

(یہی واقعہ ایک روایت میں اس طرح پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تمہارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو، انھوں نے دی، آپؐ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا، پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کا سواری کا حق ہے، مدینہ پہنچ کر جابرؓ بن عبداللہ نے قیمت طلب کی، آپؐ نے بلالؓ سے فرمایا کہ ان کو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو، چنانچہ حضرت بلالؓ نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا۔(۴)

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرض تو نہیں ہے، اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا، تو صحابہؓ سے فرماتے کہ جنازہ کی نماز پڑھا دو، خود شریک نہ ہوتے۔(۵)

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا، جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا،

---

(۱) ترغیب وترہیب بحوالہ مسند احمد ص ۲۳ مطبوعہ مصر ج ۲ (۲) ابن ماجہ ابواب الصدقات باب لصاحب الحق سلطان ص ۱۷۶ (۳) بخاری ج ۱ ص ۲۸۲ کتاب البیوع باب شری الدواب (۴) بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل رجلاً ان یعطی شیئاً الخ ج ۱ ص ۳۰۹، روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابرؓ قیمتاً نہیں بلکہ ہدیتاً یہ اونٹ حضورؐ کی نذر کرنا چاہتے تھے اور مدینہ پہنچ کر انھوں نے خود سے قیمت بھی طلب نہیں کی بلکہ حضورؐ نے از خود حضرت بلالؓ کو قیمت ادا کرنے کا حکم دیا" ض"

(۵) صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۹ کتاب النفقات باب قول النبیؐ من ترک کلاً الخ۔

سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں۔(۱)

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا، سوئے اتفاق سے وہ گم گیا، تو اس کا تاوان ادا فرمایا۔(۲)

عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہیں کرتا، بجز اس دینار کے جس کو قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں۔(۳)

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا، آنحضرت ﷺ کو یہ خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں، آپؐ نے ایک وسق چھوہاروں پر گوشت چکالیا، گھر میں آکر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے، باہر تشریف لاکر قصاب سے فرمایا کہ میں نے چھوہاروں پر گوشت چکالیا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں، اس نے واویلا مچائی کہ ہائے بددیانتی! لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ بددیانتی کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو، اس کو کہنے کا حق ہے، پھر قصاب کی طرف خطاب کرکے وہی فقرہ ادا کیا، اس نے پھر وہی لفظ کہے، لوگوں نے پھر روکا، آپؐ نے فرمایا، اس کو کہنے دو، اس کو کہنے کا حق ہے اور اس جملہ کو کئی بار دہراتے رہے، اس کے بعد آپؐ نے ایک انصاریہ کے ہاں اس کو بھجوایا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے جب وہ چھوہارے لے کر پلٹا تو آپؐ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس کا دل آپؐ کے حلم وعفو اور حسنِ معاملت سے متاثر تھا، دیکھنے کے ساتھ بولا محمد ﷺ! تم کو خدا جزائے خیر دے، تم نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی۔(۴)

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر فروکش ہوا، ایک سرخ رنگ کا اونٹ اس کے ساتھ تھا، اتفاقاً ادھر سے آپؐ کا گذر ہوا، آپؐ نے اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگوں نے قیمت بتائی، بے مول تول کیے آنحضرت ﷺ نے وہی قیمت منظور کرلی، اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے، بعد کو لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالہ کردیا اور اس حماقت پر اب قافلہ کو ندامت تھی، قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، اس نے کہا ''مطمئن رہو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا'' یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو آپؐ نے ان کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوادیں۔(۵)

---

(۱) ترمذی ابواب البیوع باب استقراض البعیر ص۲۲۵ (۲) ترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی من یکسر له الشیء الخ ص۲۳۱ (۳) بخاری ج۱ ص۳۲۱ کتاب الاستقراض باب اداء الدیون (۴) مسند ابن حنبل ج۲ ص۲۶۸ (۵) دار قطنی ج۲ ص۳۰۷ کتاب البیوع۔

غزوۂ حنین میں آپؐ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی، صفوان اس وقت تک کافر تھے، ان کے پاس بہت سی زرہیں تھیں، آپؐ نے ان سے کچھ زرہیں طلب کیں، انھوں نے کہا محمد ﷺ! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟ فرمایا نہیں، میں عاریتاً مانگتا ہوں، اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاوان دوں گا، چنانچہ انھوں نے چالیس زرہیں مسلمانوں کو عاریتاً دیں، حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ اور دیگر سامانوں کا جائزہ لیا گیا، تو کچھ زرہیں کم نکلیں، آپؐ نے صفوان سے کہا، تمہاری چند زرہیں کم ہیں، ان کا معاوضہ لے لو، صفوان نے عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ میرے دل کی حالت اب پہلے جیسی نہیں'' (۱) یعنی مسلمان ہوگیا، اب معاوضہ کی حاجت نہیں۔)

عدل وانصاف: کوئی شخص گوشہ نشیں ہوکر بیٹھ جائے تو اس کے لیے عدل وانصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے، آنحضرت ﷺ کو عرب کے سیکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا، یہ آپس میں ایک ایک کے دشمن تھے، ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا، اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو تالیفِ قلوب سے کام لینا پڑتا، ان سب مشکلات اور پیچیدگیوں پر بھی عدل وانصاف کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا۔

فتحِ مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا، جس نے گردنِ تسلیم خم نہیں کی، آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھالینا پڑا، صخر ایک رئیس تھے، ان کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جاکر طائف کی حصار بندی کی اور اہلِ شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہوگئے، صخر نے بارگاہِ نبوت میں اطلاع کی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے، آپؐ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچادو، اس کے بعد بنوسلیم آئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے، صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا، اب ہم اسلام لائے، ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلایا جائے، آپؐ نے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان ومال کی مالک ہوجاتی ہے، اس لیے ان کو ان کا چشمہ دے دو، صخر کو منظور کرنا پڑا، راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر شرم

(۱) ابوداؤد کتاب البیوع باب تضمین العاریۃ ج ۲ ص ۷۳۔

سے سرخی آگئی (۱) کہ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی اور فتح طائف کا ان کو کوئی صلہ نہ ملا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندانِ مخزوم سے تھی، چوری کی، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے، حضرت اسامہ بن زیدؓ رسول اللہ ﷺ کے محبوبِ خاص تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجیے، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے معافی کی درخواست کی، آپؐ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بہ دولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امرا سے درگذر کرتے تھے۔ (۲)

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہو کر وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبداللہؓ ابن سہل ایک دفعہ کھجوروں کی بٹائی کے لیے گئے، محیصہ ان کے چچیرے بھائی ساتھ تھے، عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر کے لاش ایک گڈھے میں ڈال دی، محیصہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر استغاثہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا" بولے "میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا" آپؐ نے فرمایا تو یہود سے حلف لیا جائے؟ بولے "حضرت! یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا، یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھا لیں گے۔"

خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی، یہ یقینی تھا کہ یہودیوں ہی نے عبداللہ بن سہلؓ کو قتل کیا ہے، تاہم چونکہ کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے یہود سے تعرض نہیں فرمایا اور خوں بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔ (۳)

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے، شہر کے قریب پہنچ کر مقام کیا، زنانی سواری بھی ساتھ تھی، ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور سلام علیک کی، ہم نے سلام کا جواب دیا، ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا، اس کی قیمت پوچھی، ہم نے جواب دیا، اتنی کھجوریں، انھوں نے کچھ مول تول نہیں کیا اور وہی قیمت منظور کر لی، پھر اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف بڑھے، نظروں سے اوجھل ہو گئے تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے اور ہم لوگ ان کو پہچانتے

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب اقطاع الارضین ج۲ ص۳۳ (۲) صحیح بخاری کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد ج۲ ص۱۰۰۳ (۳) یہ واقعہ بخاری کتاب الدیات باب القسامۃ ج۲ ص۱۰۱۸ ونسائی باب القسامۃ ص۷۰۸ وغیرہ میں باختلاف روایات مذکور ہے۔

نہیں، لوگوں نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا، محمل نشین خاتون نے کہا مطمئن رہو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن نہیں دیکھا (یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لیے کھانا اور کھجوریں بھیجی ہیں، دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ میں آئے، آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا "یارسول اللہ! یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اس کے بدلہ میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے، آپؐ نے فرمایا "باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا" (۱)

سرقؓ ایک صحابی تھے، انھوں نے ایک بدوی سے ایک اونٹ مول لیا لیکن قیمت نہ ادا ہو سکی، بدو ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قیمت ادا کردو، انھوں نے ناداری کا عذر کیا، آپؐ نے بدو سے کہا کہ بازار لے جا کر ان کو فروخت کرلو، بدو ان کو بازار میں لے گیا، ایک صاحب نے دام دے کر بدو سے خریدا اور آزاد کر دیا۔ (۲)

ابوحدرد اسلمیؓ ایک صحابی تھے، جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا اور ان کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے، ان کے سوا کچھ نہ تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت ﷺ خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے، ابوحدردؓ نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا اور ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا، آپؐ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کردو، انھوں نے عذر کیا، آپؐ نے پھر فرمایا، انھوں نے پھر یہی جواب دیا، اور عرض کی کہ یارسول اللہ! غزوۂ خیبر قریب ہے، شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کردوں، آپؐ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کردو، آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا، اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔ (۳)

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف، یہود بھی جو آپؐ کے شدید ترین دشمن تھے، اپنے مقدمات اسی بارگاہِ عدالت میں لاتے تھے (۴) اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا، چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے، اسلام سے پہلے یہودیانِ بنونضیر و

(۱) دارقطنی کتاب البیوع ج ۲ ص ۳۰۷ و ۳۰۸ (۲) ایضاً ج ۲ ص ۳۱۴ (۳) مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۳، معجم صغیر طبرانی معجم عبدان (۴) ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب الحکم بین اھل الذمۃ ج ۲ ص ۷۵۔

قریظہ میں عزت وشرافت کی عجیب وغریب حد قائم تھی، کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بارِ شتر چھوہارا تھی، اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آکر آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپؐ نے فوراً توراۃ کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کر دیا۔(۱)

عدل وانصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے، ایک بار آپؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، لوگوں کا گرد وپیش ہجوم تھا، ایک شخص آکر منہ کے بل آپؐ پر لد گیا، دستِ مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی، آپؐ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی، فرمایا مجھ سے انتقام لے لو، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا۔(۲)

مرض الموت میں آپؐ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان ومال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو، تو میری جان ومال وآبرو حاضر ہے، اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے، مجمع میں سناٹا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے۔(۳)

جود وسخا: جود وسخا آپؐ کی فطرت تھی، (ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپؐ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے(۴) تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا(۵) فرماتے:

انما انا قاسم وخازن والله یعطی. (۶) میں تو صرف دینے بانٹنے والا اور خازن ہوں اور دیتا اللہ ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپؐ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے آپؐ سے درخواست کی اور آپؐ نے سب کی سب دے دیں، اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کر لو، محمد (ﷺ) ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پروا نہیں کرتے۔(۷)

(۱) ابوداؤد کتاب الدیات باب النفس بالنفس ج۲ص۱۵۷ (۲) ایضاً باب القود بغیر حدید ج۲ص۱۶۲ (۳) ابن اسحاق بروایت ابن ہشام طبقات ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی ص۴۵ (۴) صحیح بخاری باب بدء الوحی ج۱ص۳ (۵) صحیح بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق ج۲ص۸۹۲ (۶) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الدلیل علی ان الخمس لنوائب رسول اللہ الخ ج۱ص۴۳۹ (۷) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب ماسئل رسول اللہ شیئاً قط فقال لا الخ ج۲ص۲۹۰۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا آپؐ نے فرمایا، اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، تم میرے ساتھ آؤ، حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے، عرض کی کہ آپؐ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپؐ پر کیا ذمہ داری ہے، ایک اور صاحب حاضر تھے، انھوں نے کہا یارسول اللہ! آپؐ دیے جایئے اور عرش والے خدا سے نہ ڈریئے، وہ آپؐ کو محتاج نہ کرے گا، آپؐ فرطِ بشاشت سے مسکرا دیئے۔(۱)

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اگر آپؐ کے پاس کچھ سرمایہ موجود رہتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے، اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر دلیر ہو گئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامتِ نماز کے وقت ایک بدو آیا، آپؐ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے، خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں، اس کو پورا کر دیجئے، چنانچہ آپؐ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کی حاجت برآری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔(۲)

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے، قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اس کو بہ طور عطیہ کے عنایت فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خریدا اور پھر اسی وقت اس کو عبداللہ بن عمرؓ کو دے دیا(۳) حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی اس قسم کا ایک واقعہ مذکور ہے(۴)

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے بلکہ تمام صحابہ کو شریک فرما لیتے، کسی غزوہ میں ۱۳۰ صحابہ ہم راہ تھے، آپؐ نے ایک بکری خرید کر ذبح کروائی اور کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا، وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا۔(۵)

جو چیز آنحضرت ﷺ کے پاس آتی، جب تک صرف نہ ہو جاتی، آپؐ کو چین نہ آتا، بے قراری سی رہتی، ام المومنین ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا، ام سلمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ خیر ہے؟ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔(۶)

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ابوذر! اگر احد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو

---

(۱) شمائل ترمذی باب اخلاق ص ۲۸۱ (۲) الادب المفرد امام بخاری باب السخاوۃ ص ۵۶ (۳) صحیح بخاری کتاب البیوع باب اذا اشتری شیئاً فوهب من ساعته ج۱ ص ۲۸۴ (۴) ایضاً باب شری الامام الحوائج بنفسه ص ۲۸۲ (۵) صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب اکرام الضیف ج۲ ص ۱۹۹ (۶) مسند ابن حنبل ج۶ ص ۲۹۳۔

میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے لیکن ہاں وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کے لیے چھوڑوں۔(۱)

اکثر یہاں تک معمول تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کردی جاتی گھر میں آرام نہ فرماتے، رئیسِ فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمت نبویؐ میں بھیجا، حضرت بلالؓ نے بازار میں غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر اطلاع کی، آپؐ نے پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا، بولے کچھ بچ بھی رہا، فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہے گا میں نہیں جاسکتا، حضرت بلالؓ نے کہا میں کیا کروں، کوئی سائل نہیں، آنحضرت ﷺ نے مسجد میں رات بسر کی، دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آکر کہا یا رسول اللہ! خدا نے آپؐ کو سبک دوش کردیا، یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کردیا گیا، آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔(۲)

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلافِ معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گے اور پھر فوراً نکل آئے، لوگوں کو تعجب ہوا، آپؐ نے فرمایا، مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہوجائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے، اس لیے جا کر اس کو خیرات کردینے کو کہہ آیا۔(۳)

غزوۂ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرت ﷺ اس کو خیرات فرما کر واپس آرہے تھے، راہ میں بدوؤں کو خبر ملی کہ ادھر سے آنحضرت ﷺ کا گذر ہونے والا ہے، آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو، آپؐ اژدحام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہوگئے، انھوں نے ردائے مبارک تھام لی، بالآخر اس کشاکش میں جسم اطہر سے چادر اتر کر ان کے ہاتھ میں رہ گئی، فیاض عالمؐ نے کہا ”میری چادر دے دو، خدا کی قسم، اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دے دیتا اور پھر مجھ کو بخیل نہ پاتے، نہ دروغ گو نہ نامرد۔“(۴)

لوگوں کو عام حکم تھا کہ جو مسلمان مرجائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو،

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الاستقراض باب اداء الدیون ج اص ۳۲۱ (۲) ابوداؤد کتاب الخراج والامارة باب الامام یقبل هدایا المشرکین ج ۲ص ۳۱ و ۳۲ (۳) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من صلی بالناس فذکر حاجة الخ ج اص ۱۱۷
(۴) صحیح بخاری کتاب الجهاد باب الشجاعة فی الحرب ج اص ۳۹۶۔

میں اس کو ادا کروں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے (۱) مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔

ایک دفعہ آپ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، ایک بدو آیا اور آپ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچ کر بولا "محمد! یہ مال نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا ہے، ایک بارِ شتر دے" آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔ (۲)

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام میں نہیں آئی تھی، آپ نے حکم دیا کہ اس کو صحن مسجد میں ڈلوا دو، اس کے بعد جب آپ مسجد میں تشریف لائے، تو اس پر مڑ کر بھی نظر نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کی تقسیم شروع کی، جو سامنے آتا اس کو دیتے۔ چلے جاتے، حضرت عباسؓ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے، اتنا دیا کہ اٹھ کر چل نہیں سکتے تھے، اسی طرح اور لوگوں کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے، جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ (۳)

اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مر جائے تو اس کا ترکہ اس کے آقا کو ملتا ہے، ایک دفعہ آپ کا اسی قسم کا ایک غلام مر گیا، لوگ اس کا متروکہ سامان اٹھا کر آپ کے پاس لائے آپ نے دریافت فرمایا کہ کوئی اس کا یہاں ہم وطن ہے، لوگوں نے کہا ہاں ہے، آپ نے فرمایا یہ تمام چیزیں اسی کے حوالہ کر دو۔ (۴)

ایک دفعہ چند انصار نے آپ سے کچھ مانگا، آپ نے دے دیا، پھر مانگا، پھر دیا، پھر جب تک رہا آپ دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ نہیں رہا لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور درخواست کی، فرمایا میرے پاس جو کچھ ہو میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔ (۵)

ایثار: آپ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا، وہ ایثار تھا، اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت فاطمہ زہراؓ اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں تو فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے،

(۱) صحیح بخاری کتاب الاستقراض باب الصلوٰۃ علی من ترک دینا ج ۱ ص ۳۲۳ (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحلم و اخلاق النبیؐ ج ۲ ص ۱۸۵ ار روایت میں ہے کہ بدو کے ساتھ دو اونٹ تھے اور آپ نے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجوریں لدوا دیں۔ "ض" (۳) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما اقطع النبیؐ من البحرین ج ۱ ص ۴۴۸ (۴) مسند ابن حنبل ج ۲ ص ۱۷۵ (۵) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۸ کتاب الصدقات باب الاستعفاف عن المسئلۃ۔

تاہم حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستیں، خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں، چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے، ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، خود تو پاسِ حیا سے عرضِ حال نہ کر سکیں، جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے، آپؐ نے ارشاد فرمایا ابھی اصحابِ صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے میں اور طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کی صاحب زادیاں اور حضرت فاطمہؓ زہرا خدمتِ اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس و تنگ دستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اب کی غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں، آپؐ نے فرمایا کہ بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔ (۲)

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی، فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔ (۳)

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لا کر پیش کی، آپؐ کو ضرورت تھی، آپؐ نے لے لی، ایک صاحب حاضرِ خدمت تھے، انھوں نے کہا کیا اچھی چادر ہے، آپؐ نے اتار کر اس کو دے دی، جب اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کسی کا سوال رد نہیں کرتے، انھوں نے کہا ہاں لیکن میں نے تو برکت کے لیے لی ہے، کہ مجھ کو اسی چادر کا کفن دیا جائے۔ (۴)

زہد وقناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں، ان سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کس عسرت اور تنگ دستی میں بسر کرتے تھے، ۳ھ کے بعد فتوحات کو جو وسعت حاصل ہوئی ہے، عرب میں باغات سب سے بہتر جائداد تھے، ۳ ہجری (۵) میں یہودانِ بنو نضیر میں سے مخیریق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ میثب، صائفہ، دلال، حسنی، برقہ، اعواف، مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت آنحضرت ﷺ کو وصیت کر دیے، آپؐ نے سب کو خیرات کر دیا، یعنی وہ خدا کی راہ

---

(۱) یہ روایت کتب احادیث (سنن ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب بیان مواضع قسم الخمس ج ۲ ص ۲۳ وغیرہ) میں مختلف طریقوں سے مروی ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک دعا بتادی کہ یہ لونڈی سے بڑھ کر ہے، (۲) ابوداؤد حوالہ سابق (۳) مسند احمد ج ۱ ص ۷۹ (۴) صحیح بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق والسخا ج ۲ ص ۸۹۲ و کتاب الجنائز باب من استعد الکفن ج ۱ ص ۱۷۰ (۵) فتح الباری شرح کتاب الفرائض۔

میں وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا، غربا اور مساکین کو دے دیا جاتا تھا۔(۱)

ایک صحابیؓ نے شادی کی، سامانِ ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جا کر لے آئے، حالانکہ کاشانۂ نبوت میں اس ذخیرے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔(۲)

ایک دفعہ ایک غفاری آ کر مہمان ہوا، رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا، وہ آپؐ نے اس کے نذر کر دیا، یہ تمام رات خانۂ نبویؐ میں فاقہ سے گذری، حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔(۳)

مہمان نوازی: (عرب میں مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہِ نبویؐ میں آتے تھے، رملہؓ ایک صحابیہ تھیں، ان کا گھر دار الضیوف تھا (۴) یہیں لوگ مہمان اترتے تھے، ام شریکؓ جو ایک دولت مند اور فیاض انصاریہ تھیں، ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا، (۵) مخصوص لوگ مسجد نبویؐ میں اتارے جاتے تھے، چنانچہ وفد ثقیف یہیں اترا تھا، آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے، یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے، بغیر کچھ کھائے پئے واپس نہ آتے تھے۔(۶)

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا، مشرک و کافر سب آپؐ کے مہمان ہوتے اور آپؐ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے، جب اہلِ حبشہ کا وفد آیا تو آپؐ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا اور خود بہ نفس نفیس ان کی خدمت کی (۷) ایک دفعہ کافر مہمان ہوا، آپؐ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا، وہ سارے کا سارا پی گیا، آپؐ نے دوسری بکری منگوائی، وہ بھی کافی نہ ہوئی، غرض سات بکریوں تک نوبت آئی جب تک وہ سیر نہ ہوا، آپؐ پلاتے گئے۔(۸)

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آ جاتے اور گھر میں جو کچھ موجود رہتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے، (۹) آپؐ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔)(۱۰)

---

(۱) اصابہ تذکرہ مخیریق ج ۳ ص ۳۹۳ مطبعہ السعادۃ مصر ۱۳۲۸ھ (۲) مسند احمد ج ۴ ص ۵۸ (۳) مسند احمد ج ۶ ص ۳۹۷
(۴) زرقانی ج ۴ ذکر وفد بنی حنیفہ ص ۲۲ (۵) مسلم کتاب التوبہ باب خروج الدجال ج ۲ ص ۵۱۹ (۶) شمائل ترمذی ص ۱۵۵
(۷) شرح شفائے قاضی عیاض بہ سند متصل ج ۲ ص ۱۰۰ (۸) صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب المومن یاکل فی معیً ج ۲ ص ۲۰۲
(۹) مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۹۷ (۱۰) ابوداؤد کتاب الادب باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ ج ۲ ص ۲۰۷۔

صحابہؓ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحابِ صفہ کا تھا، وہ مسلمانوں کے مہمانِ عام تھے لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت ﷺ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا، ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمی کو ساتھ لے جائے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین آدمی کو ساتھ لائے لیکن آنحضرت ﷺ دس آدمیوں کو ہمراہ لے گئے۔ (۱)

اصحابِ صفہ میں حضرت ابوہریرہؓ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت درد انگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدتِ گرسنگی کی حالت میں گذرگاہِ عام پر بیٹھ گیا، حضرت ابوبکرؓ راستے سے گذرے تو میں نے بہ طور حسنِ طلب کے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گذر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گذر ہوا، تو آپؐ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ، آپؐ گھر میں پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا آپؐ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیتاً بھیجا ہے، آپؐ نے مجھ سے کہا کہ اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ میں ان کو بلا لایا تو آپؐ نے مجھ کو دودھ کا پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کر دو۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے، جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا، اور اصحابِ صفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ کو اُکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے۔ (۳)

مقدادؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی، ہم لوگوں نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کیا، آخر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ دولت خانہ پر لوا گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو، چنانچہ ہم میں ہر شخص دودھ دوہ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔ (۴)

(ایک دن اصحاب صفہ کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام الضیف ج۲ ص۲۰۰ (۲) ترمذی ابواب صفۃ الجنۃ ص۴۰۸
(۳) ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب ماجاء فی الاکل من اعلیٰ الصحفۃ ج۲ ص۹۲ (۴) صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام الضیف ج۲ ص۱۹۸۔

چونی کا پکا ہوا کھانا سامنے لاکر رکھا گیا، آپؐ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، اس کے بعد بڑے پیالہ میں دودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامانِ مہمانی کی آخری قسط تھی۔ (۱)

گداگری اور سوال سے نفرت: باوجود اس کے کہ آپؐ کا ابرِ کرم ہر وقت برستا رہتا تھا تاہم کسی کا بے ضرورتِ شدید سوال کرنا آپؐ پر سخت گراں ہوتا تھا، ارشاد فرماتے کہ "اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھ پیٹھ پر لادلائے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ (۲)

(ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا، آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟ بولے کہ بس ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا اور کچھ بچھالیتا ہوں اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے، آپؐ نے دونوں چیزیں منگوائیں، پھر فرمایا یہ چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے دو درہم لگائے، آپؐ نے فرمایا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟ ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیئے، آپؐ نے دونوں چیزیں دے دیں اور درہم انصاری کو دیئے کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر میں دے آؤ اور دوسرے سے رسی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں لاکر شہر میں بیچو، پندرہ دن کے بعد وہ خدمتِ اقدس میں آئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہو گئے تھے، اس سے کچھ کپڑا خریدا، کچھ غلہ مول لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت میں چہرہ پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے) (۳)

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا، آپؐ نے عنایت فرمایا، پھر جب تک کچھ رہا، آپؐ نے ان کی درخواست رد نہیں فرمائی، جب کچھ نہیں رہا تو آپؐ نے فرمایا میرے پاس جب تک کچھ رہے گا میں تم سے بچا کر اس کو نہیں رکھوں گا لیکن جو شخص اللہ سے یہ دعا مانگے کہ وہ اس کو سوال وگداگری کی ذلت سے بچائے تو وہ اس کو بچا دیتا ہے اور جو خدا سے غنا کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنا مرحمت فرماتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو صابر بنا دیتا ہے، اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہیں دی گئی ہے۔ (۴)

حکیمؓ بن حزام فتح مکہ میں اسلام لائے تھے، ایک دفعہ انھوں نے آپؐ سے کچھ طلب کیا،

---

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب فی الرجل ینبطح علی بطنه ج۲ص۳۰۶ (۲) صحیح بخاری کتاب الصدقات باب الاستعفاف عن المسئلة ج۱ص۱۹۹ (۳) ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب من یجوزله اخذ الصدقة ج۱ص۱۶۵ وترمذی صدقات ص۱۱۵ (۴) صحیح بخاری ج۱ص۱۹۸ کتاب الصدقات باب الاستعفاف عن المسئلة.

آپؐ نے عنایت فرمایا، کچھ دن کے بعد پھر مانگا، آپؐ نے پھر ان کو دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا، پھر کچھ مرحمت کیا، اس کے بعد فرمایا ''اے حکیم یہ دولت سبز و شیریں ہے، جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے، اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے، وہ اس سے محروم رہتا ہے، اور اس کی مثال اس شخص کی جیسی ہے جو کھاتا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا، دستِ بالا دستِ زیریں سے بہتر ہے۔'' حکیمؓ پر آنحضرت ﷺ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک زندہ رہے کبھی کسی سے کوئی معمولی چیز بھی نہیں مانگی۔ (۱)

حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آکر شامل ہوئے، آپؐ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے درست معلوم ہوئے، آپؐ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (۲)

قبیصہ نام ایک صاحب تھے، وہ مقروض ہو گئے تھے، آپؐ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی، آپؐ نے وعدہ کیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا ''اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے، ایک اس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار ہو، وہ مانگ سکتا ہے، لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیے، دوسرے اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا، اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے، جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے، تیسرے اس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلہ کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے، وہ حرام کھاتا ہے۔'' (۳)

صدقہ سے پرہیز: آنحضرت ﷺ اپنے خاندان کے لیے صدقہ و زکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ و عار سمجھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں، جی میں آتا ہے کہ اٹھا کر منہ میں ڈال لوں، پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو، اس لیے

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصدقات باب مذکور (۲) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب من یعطی الصدقۃ ج ۱ ص ۱۶۴

(۳) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ ج ۱ ص ۱۶۵۔

ڈال دیتا ہوں۔(۱)

ایک دفعہ راستہ میں ایک کھجور ہاتھ آ گئی، فرمایا اگر صدقہ کا شبہ نہ ہوتا تو میں اس کو کھا جاتا۔(۲)

ایک بار امام حسنؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے منہ میں ایک کھجور ڈال لی، آپؐ نے ڈانٹ کر کہا ''کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا۔'' (۳) پھر منہ سے اگلوا دیا۔

آپؐ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ تو آپؐ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرما دیتے۔

ہدایا اور تحفے قبول کرنا: (دوست واحباب کے ہدایا اور تحفے آپؐ قبول فرماتے تھے، بلکہ آپؐ نے اس کو ازدیاد محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے:

تهادوا تحابوا. (۴) باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی۔

اسی لیے صحابہؓ عموماً کچھ نہ کچھ روز آپؐ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے، جس دن آپؐ حجرۂ عائشہؓ میں قیام فرماتے تھے (۵) اوپر گذر چکا ہے کہ کوئی چیز آپؐ کے سامنے پیش کی جاتی تو آپؐ دریافت فرماتے تھے کہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے، ورنہ احتراز کرتے (۶) ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمتِ اقدس میں پیش کی، آپؐ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی، آپؐ نے ان کو عنایت فرما دی)(۷)

آس پاس کے ملوک وسلاطین بھی آپؐ کو تحفے بھیجا کرتے تھے، حدودِ شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا، (۸) عزیز مصر نے اک خچر مصر سے بھیجا تھا، ایک امیر نے آپؐ کو موزے بھیجے تھے۔(۹)

ایک دفعہ قیصرِ روم نے آپؐ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا کی سنجاف لگی

---

(۱) بخاری ج ۱ ص ۳۲۸ کتاب اللقطة باب اذا وجد تمرةً فی الطریق. (۲) بخاری ج ۱ ص ۳۲۸ کتاب اللقطہ باب مذکور (۳) بخاری ج ۱ ص ۲۰۲ کتاب الصدقات باب مایذکر فی الصدقة للنبیؐ واله (۴) موطا امام مالک باب ماجاء فی المهاجرة ص ۳۶۵ (۵) بخاری مناقب عائشہؓ ج ۱ ص ۵۳۲ (۶) صحیح بخاری کتاب الهبة باب قبول الهدية ج ۱ ص ۳۵۰ وصحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب قبول النبیؐ الهدية ج ۱ ص ۴۰۱ (۷) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من استعد الکفن ج ۱ ص ۱۷۰ (۸) زاد المعاد ابن قیم ج ۱ ص ۳۴ (۹) شمائل ترمذی ص ۹۲۔

ہوئی تھی، آپؐ نے ذرا دیر کے لیے پہن لی، پھر اتار کر حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کے پاس بھیج دی، وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”میں نے اس لیے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو“ عرض کی، پھر کیا کروں، ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو (۱) حضرت جعفرؓ ایک مدت یعنی فتحِ خیبر تک حبش میں رہے تھے اور نجاشی نے ان ہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی۔

ہدایا اور تحفے دینا: (جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے، ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کان یقبل الهدیة ویثیب علیها (۲) آنحضرت ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے) یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی، اس نے آنحضرت ﷺ کو ایک قیمتی حلہ بھیجا، جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تھا، آپؐ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حلہ ہدیتاً بھیجا جو ۲۰ سے کچھ زیادہ اونٹ دے کر خریدا گیا تھا۔ (۳)

(ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں ہدیتاً ایک اونٹنی پیش کی، آپؐ نے اس کا صلہ دیا تو سخت ناراض ہوا، آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں بہ قدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو، آئندہ قریش، انصار، ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔ (۴)

حضرت ایوبؓ انصاری جن کے مکان میں آپؐ چھ مہینہ تک فروکش رہے تھے، آپؐ اکثر ان کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے (۵) ہم سایوں اور پڑوسیوں کے گھروں میں بھی تحفے بھیجتے تھے، اصحابِ صفہ اکثر آپؐ کے تحفوں سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

عدم قبول احسان: کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے، حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جاں نثار کون ہوسکتا تھا، تاہم ہجرت کے وقت انھوں نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا تو آپؐ نے قیمت ادا کی (۶) مدینہ میں مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی مالکانِ زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی لیکن

---

(۱) ابوداؤد کتاب اللباس باب من کرہ الحریر ج ۲ ص ۱۱۴ (۲) بخاری کتاب الہبۃ باب المکافاۃ فی الهبة ج ۱ ص ۳۵۲ (۳) ابوداؤد ج ۲ کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر ص ۱۱۳ (۴) ادب المفرد امام بخاری باب من لم یقبل الهدیة الخ ص ۱۱۸ (۵) مسلم کتاب الاطعمہ باب اباحة اکل الثوم ج ۲ ص ۱۹۸ (۶) بخاری باب هجرة النبیؐ ج ۱ ص ۵۵۳۔

آپؐ نے قیمت دے کر لی۔(۱)

ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں ہم سفر تھے، عبداللہ بن عمرؓ کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت ﷺ کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، عبداللہ بن عمرؓ روکتے تھے لیکن وہ قابو کا نہ تھا، حضرت عمرؓ بار بار عبداللہ بن عمرؓ کو ڈانٹتے تھے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو، انھوں نے کہا کہ نذر ہے، آپؐ نے فرمایا نہیں دام لو، انھوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے، آپؐ نے انکار کیا، بالآخر حضرت عمرؓ نے دام لینے منظور کیے، آپؐ نے خرید کر عبداللہ بن عمرؓ کو دے دیا کہ اب یہ تمہارا ہے۔(۲)

عام تشدد: حضرت معاذؓ بن جبل (جو اکابر صحابہ میں سے تھے) ایک محلہ میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں، ابومسعود انصاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا، جس قدر اس موقع پر دیکھا، آپ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں، جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے، مختصر پڑھائے، کیوں کہ نماز میں بوڑھے، کمزور، کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔(۳)

حدو قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا درگذر کرنا چاہتے، ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو زنا میں مبتلا ہو گئے تھے، لیکن فوراً مسجد میں آئے اور کہا یارسول اللہ! میں نے بدکاری کی آپؐ نے منھ پھیر لیا، وہ دوسری سمت آئے، آپؐ نے اور طرف منھ پھیر لیا، آپؐ بار بار منھ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آکر زنا کا اقرار کرتے بالآخر آپؐ نے فرمایا کہ تم کو جنون تو نہیں ہے؟ بولے نہیں، پھر پوچھا تمہاری شادی ہو چکی ہے، بولے ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا، بولے نہیں بلکہ مجامعت کی، آخر مجبور ہو کر آپؐ نے حکم سنا دیا کہ سنگسار کیے جائیں۔(۴)

---

(۱) طبقات ابن سعد ج اق ۲ ص ۲ (۲) بخاری کتاب البیوع باب اذا اشتریٰ شیئًا فوھب من ساعتہ ج ۱ ص ۲۸۴ (۳) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من شکا امامہ ج ۱ ص ۹۸ و کتاب الاحکام باب ھل یقضی الحاکم وھو غضبان ج ۲ ص ۱۰۶۰ (۴) یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں ہے، موقع کے لیے کتاب المحاربین باب سوال الامام المقر ج ۲ ص ۱۰۰۸ دیکھنا چاہیے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا، آپؐ حد (سزا) کا حکم دیں، آپؐ چپ رہے اور نماز کا وقت آگیا، نماز کے بعد انھوں نے پھر آکر وہی درخواست کی، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، بولے ہاں پڑھ لی، ارشاد فرمایا تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا۔(۱)

ایک دفعہ قبیلہ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی، آپؐ نے فرمایا ''واپس جاؤ'' دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپؐ مجھ کو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں، خدا کی قسم مجھ کو حمل رہ گیا ہے، آپؐ نے فرمایا واپس جاؤ، وہ چلی گئی، تیسرے دن پھر واپس آئی، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو، جب بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لیے ہوئے آئی (یعنی اب زنا کی سزا دینے میں کیا تامل ہے؟) آپؐ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا، جب رضاعت کا زمانہ گذر گیا تو پھر حاضر ہوئی، اب آپؐ نے مجبور ہو کر سنگ سار کرنے کا حکم دیا، لوگوں نے اس پر پتھر برسانے شروع کیے، ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرہ پر لگا اور خون کی چھینٹیں اڑ کر ان کے چہرہ پر آئیں، انھوں نے اس کو گالی دی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''زبان روکو، خدا کی قسم اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا۔'' (۲)

ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک میں رہتے ہیں، کیا ان کے برتنوں میں کھانا کھا لیا کریں؟ فرمایا اور برتن ہاتھ آئیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو۔ (۳)

(ایک بار ایک صحابیؓ نے ماہ رمضان تک کے لیے اپنی بی بی سے ظہار کر لیا لیکن ابھی یہ مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ اس سے مقاربت کر لی، پھر لوگوں کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلو، سب نے انکار کر دیا، انھوں نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، آپؐ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا، پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا انھوں نے ناداری کا عذر کیا تو آپؐ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی، انھوں نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے، اب آپؐ نے ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کرنے کو فرمایا، انھوں نے کہا ہم تو خود فاقہ کر رہے

---

(۱) بخاری کتاب المحاربین باب اذا اقرّ بالحد ص ۱۰۰۸ (۲) ابوداؤد کتاب الحدود باب المرأۃ التی أمر النبیؐ برجمها ج۲ ص ۱۵۱ (۳) بخاری کتاب الذبائح باب صید القوس ج۲ ص ۸۲۳۔

ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمہیں ایک وسق کھجور دے گا، اس میں سے ساٹھ مسکینوں کو دے دینا اور جو بچے اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا، وہ پلٹے تو لوگوں سے کہا کہ تم لوگ متشدد اور بدتدبیر تھے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حسنِ رائے اور آسانی نظر آئی۔ (۱)

ایک بار ایک اور صحابیؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! میں برباد ہوگیا، روزہ میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا، آپؐ نے فرمایا، ایک غلام آزاد کرسکتے ہو، کہا نہیں، فرمایا دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو، کہا نہیں، فرمایا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو، کہا اس کی بھی قدرت نہیں، آنحضرت ﷺ نے تامل فرمایا، کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیتاً پیش کی، آپؐ نے فرمایا سائل کہاں گیا، سائل نے کہا یارسول اللہؐ میں یہ ہوں، فرمایا ان کھجوروں کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات دے دو، سائل نے عرض کی یارسول اللہ! مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا، آنحضرت ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا "جاؤ گھر ہی والوں کو کھلا دو۔" (۲)

تقشّف ناپسند تھا: رہبانیت اور تقشّف کو ناپسند فرماتے تھے، صحابہؓ میں سے بعض بزرگ میلانِ طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا، بعض صحابہؓ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کرسکتے تھے اور ضبطِ نفس پر بھی قادر نہ تھے، انھوں نے قطعِ اعضا کرنا چاہا، آپؐ نے سخت ناراضی ظاہر کی، قدامہؓ بن مظعون ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترکِ حیوانات اور دوسرے نے ترکِ نکاح کا عزم کرلیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ "میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں" آپؐ کی مرضی نہ پاکر دونوں صاحب اپنے ارادے سے باز رہے، عرب میں صومِ وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا، یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے، صحابہؓ نے بھی اس کا ارادہ کیا لیکن آپؐ نے سختی سے روکا، حضرت عبداللہؓ بن عمرو نہایت مرتاض زاہد تھے، انھوں نے عہد کرلیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے، عرض کی "ہاں" فرمایا "تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں۔" عبداللہ بن عمرو نے کہا مجھ کو اس سے زیادہ طاقت ہے، فرمایا کہ اچھا تیسرے دن، بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں،

---

(۱) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۰ کتاب النکاح باب الظہار (۲) بخاری ج ۱ ص ۲۶۰ کتاب الصوم باب اذا جامع فی رمضان.

ارشاد فرمایا کہ ایک دن بیچ دے کر کہ یہی داؤدؑ کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے، انھوں نے عرض کی کہ مجھ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے، ارشاد ہوا کہ بس اس سے زیادہ بہتر نہیں۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہؓ بن عمرو کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا، آپؐ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا کہ تم کو مہینہ میں تین روزے بس نہیں کرتے، عرض کی نہیں، فرمایا پانچ، بولے نہیں، غرض آپؐ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہ ہوتے، بالآخر آپؐ نے فرمایا کہ اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو۔ (۲)

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کروں، نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے، آنحضرت ﷺ چپ رہے، حضرت ابوہریرہؓ نے پھر ان ہی الفاظ کا اعادہ کیا، آپؐ چپ رہے، سہ بارہ کہا تو آپؐ نے فرمایا خدا کا حکم ٹل نہیں سکتا۔ (۳)

(قبیلہ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے، پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا، لیکن اتنے ہی زمانہ میں ان کی شکل وصورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرت ﷺ ان کو نہ پہچان سکے، انھوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے، تمہاری صورت کیوں بگڑ گئی، انھوں نے کہا جب سے آپؐ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا اپنی جان کو کیوں عذاب میں ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے، انھوں نے کہا اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں، آپؐ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا، انھوں نے اور اضافہ کی درخواست کی، آپؐ نے تین کر دیئے، ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی، تو آپؐ نے شہر حرام کے روزوں کا حکم دیا۔ (۴)

ایک دن چند صحابہؓ خاص اس غرض سے ازواجِ مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی عبادت کے حالات دریافت کریں، وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے، حالات سنے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے، بولے کہ بھلا

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الصوم باب صوم الدھر ج ۱ص ۲۶۵ (۲) بخاری کتاب الصوم باب صوم داؤدؑ ج ۱ص ۲۶۶ وکتاب النکاح باب لزوجک علیک حق ج ۲ص ۷۸۳ (۳) ایضاً باب مایکرہ من التبتل والخصاء ج ۲ ص ۷۵۹ (۴) ابوداؤد کتاب الصوم باب صوم الاشھر الحرم ج ۱ص ۲۴۱۔

ہم کو آنحضرت ﷺ سے کیا نسبت؟ ان کے پچھلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کر دیئے ہیں، پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزے رکھوں گا، ایک اور صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا، آنحضرت ﷺ سن رہے تھے، فرمایا کہ "خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے۔"(۱)

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گذر ہوا، جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیاں تھیں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی، یارسول اللہ! مجھ کو ایک غار مل گیا ہے، جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشیں ہو کر ترک دنیا کرلوں، آپؐ نے فرمایا "میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا، میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔"(۲)

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی: مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ مجلسِ اقدس میں ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپؐ نے فرمایا "تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی" یہ الفاظ چند بار فرمائے، پھر ارشاد کیا کہ تم کو اگر کسی کی خواہی نہ خواہی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔"(۳)

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا حضرت مقدادؓ بھی موجود تھے، انھوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منھ میں جھونک دی اور کہا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منھ میں خاک بھر دیں۔(۴)

ایک دفعہ آپؐ مسجد میں تشریف لائے، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، محجن ثقفیؓ سے پوچھا، یہ کون ہے؟ محجنؓ نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی، ارشاد فرمایا کہ "دیکھو، یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا، یعنی دل میں غرور پیدا ہوگا، جو موجب ہلاکت ہوگا۔"(۵)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح ج۲ص ۷۵۷ (۲) مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۶۶ (۳) ادب المفرد باب ماجاء فی التمادح ص ۶۶ (۴) ایضاً باب یحثی فی وجوہ المداحین ص ۶۷ (۵) ایضاً ص ۶۸۔

ایک دفعہ اسود بن سریع جو شاعر تھے، خدمت عالی میں آئے اور عرض کی کہ "میں نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں" فرمایا کہ ہاں خدا کو حمد پسند ہے، اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے اسی اثنا میں کوئی صاحب باہر سے آگئے، آپؐ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتیں کر کے چلے گئے، پھر اسود نے پڑھنے شروع کیے، وہ صاحب پھر آگئے، آپؐ نے اسود کو روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا، اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے لیے آپؐ مجھ کو بار بار روک دیتے ہیں، فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔(۱)

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ حسانؓ کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے، اللّٰھم ایدہ بروح القدس حالانکہ یہ اشعار آنحضرت ﷺ کی مدح میں ہوتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسانؓ کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے، عرب میں شعرا کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ زورِ کلام سے جس شخص کو چاہتے ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے، ابن الزبعری اور کعب اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کو ضرر پہنچانا چاہا تھا، حسانؓ کی مداحی ان کا ردِ عمل تھا۔

سادگی اور بے تکلفی: معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے۔(۲)

روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے، ارشاد تھا کہ ایک دن بیچ دے کر کنگھا کرنا چاہیے۔(۳)

(کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کسی چیز میں تکلف نہ تھا، کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے، پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔(۴) آپؐ کے لیے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی (۵) کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے، لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے، سامانِ آرائش سے آپؐ طبعاً نفور تھے (۶) غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔)

---

(۱) ادب المفرد باب من مدح فی الشعر ص ۶۸ (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب اذا قام من مجلس ثم رجع ج ۲ ص ۱۹۱ (۳) دیکھو شمائل ترمذی ص ۶۳ (۴) ایضاً ابواب مختلفہ (۵) صحیح بخاری کتاب الاطعمہ باب النفخ فی الشعیر ج ۲ ص ۸۱۴ (۶) صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد واقعات ہیں۔

امارت پسندی سے اجتناب: اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے لا رهبانية في الاسلام اسی بنا پر آپ ہر قسم کے جائز حظوظِ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے، تاہم ناز ونعمت تکلف وعیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا، حضرت فاطمہؓ زہرا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا، حضرت علیؓ گئے اور آپ ﷺ سے جا کر عرض کی، آپ ﷺ تشریف لائے لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے (حضرت علیؓ نے واپسی کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب وزینت کے مکان میں داخل ہو) (۱)

فرمایا کرتے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔ (۲)

ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، حضرت عائشہؓ رہ گئیں، لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔ (۳)

ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا، جس کا گنبد بہت بلند تھا، آپ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے، لوگوں نے نام بتایا، آپ ﷺ چپ ہو رہے، جب وہ حسب معمول خدمت اقدس میں آئے اور سلام کیا تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا، انھوں نے پھر سلام کیا، آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا، وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے، جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا، ایک دن آپ ﷺ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا، ارشاد فرمایا کہ ''ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لیے وبال ہے۔'' (۴)

ایک دفعہ کسی نے کم خواب کی قبا بھیجی، آپ ﷺ نے پہن لی، پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ

---

(۱) ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب اجابة الدعوة اذا حضرها مکروہ ج۲ ص۹۰ (۲) ایضاً ج۲ ص۱۲۲، کتاب اللباس باب فی الفرش (۳) ایضاً باب فی الصور ص۱۲۲ و۱۲۳ (۴) ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی البناء ص۲۲۵۔

کے پاس بھیج دی، حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپؐ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھ کو عنایت ہوتی ہے، ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کے لیے نہیں بلکہ فروخت کے لیے دی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ہزار درہم اٹھے۔(۱)

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا، آپؐ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا، وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے، آپؐ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا کہ ''میں نے اس لیے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنائی جائیں۔''(۲)

مہر کرنے کی ضرورت سے جب آپؐ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی، آپؐ کی تقلید سے صحابہؓ نے بھی زریں انگوٹھیاں بنوائیں، آپؐ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ ''اب نہ پہنوں گا'' صحابہؓ نے بھی اسی وقت اتار کر پھینک دیں۔(۳)

(جس طرح آپؐ خود سادگی پسند فرماتے تھے، اسی طرح آپؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپؐ کے اہل وعیال بھی سادہ زندگی بسر کریں اور تکلف وتنعم سے پاک رہیں، عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے، مگر آنحضرت ﷺ اہلِ بیتِ کرام کے لیے اس بات کو بھی خلافِ اولیٰ تصور فرماتے تھے۔)

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔(۴)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (مسکۃ) دیکھے، فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر روپہلی کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا۔(۵)

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً بھیجے، ان میں ایک انگوٹھی تھی، جس میں حبشی پتھر کا نگینہ جڑا تھا، آپؐ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوئے، لکڑی سے

(۱) ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی لبس الحریر حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ ایک ہی باب کی دو روایتوں میں ہے، پہلی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قبا کو اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا جو مکہ میں رہتا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ان سے کہا کہ اس کو فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرو۔ ''ض'' (۲) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۳ کتاب اللباس باب ماجاء فی لبس الحریر (۳) ابوداؤد کتاب الخاتم ج ۲ ص ۱۲۸ (۴) نسائی کتاب الزینۃ باب الکراھیۃ للنساء فی اظہار الحلی والذھب ص ۷۶۴ (۵) ایضاً ص ۷۶۵۔

اس کو چھوتے تھے، ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔(۱)

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیتاً بھیجا، آپؐ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا، پھر فرمایا "پرہیز گاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہیں۔"(۲)

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کو خیال تھا کہ جمعہ وعیدین میں یا سفرا کے ورود کے موقع پر آپؐ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں، اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلہ سیرا) بک رہا تھا، حضرت عمرؓ نے موقع پا کر عرض کیا، یارسول اللہ یہ کپڑا حضور خرید لیں اور جمعہ میں اور سفرا کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں، ارشاد فرمایا کہ "یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور ان ہی کپڑوں میں وفات پائی۔(۳)

بستر کمل کا تھا، کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی کھال بھری ہوتی تھی، کبھی معمولی کپڑے کا جو دو تہ کر دیا جاتا تھا، حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے بسترِ مبارک چار تہ کر کے بچھایا کہ ذرا نرم ہو جائے، صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے ناگواری ظاہر فرمائی۔(۴)

۹ رہجری میں جب کہ یمن سے شام تک صرف اسلامی حکومت تھی، فرماں روائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا(۵) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آپؐ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا(۶) صحابہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادِ راہ کے لیے"(۷)

ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے، اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یارسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں، ارشاد ہوا کہ مجھ کو دنیا سے کیا

(۱) مسند ابن حنبل ج۶ص۱۱۹ (۲) صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ ج۲ص۲۰۹ (۳) اوپر کی تمام روایتیں صحیح بخاری کتاب اللباس ج۲ص۸۶۳ و مابعد سے ماخوذ ہیں (۴) شمائل ترمذی ص۲۵۳ (۵) صحیح بخاری کتاب اللباس باب ماکان النبیؐ یتجوز من اللباس و ابسط ج۲ص۸۶۹ روایت میں حصیر (چٹائی) کا لفظ ہے۔ "ض" (۶) مسند ابن حنبل ج۶ص۱۰۸ (۷) ابن ماجہ کتاب الزہد باب مثل الدنیا ص۳۱۳۔

غرض؟ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ (۱)

ایلا کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھری تھی حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرور عالمؐ کے بیت قدس میں دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسمِ مبارک پر صرف ایک تہبند ہے، ایک کھرّی چارپائی (۲) بچھی ہے، سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے، جس میں خرمے کی چھال بھری ہے، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے، کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی یارسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں، چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑگئی ہیں، یہ آپؐ کے اسباب کی کوٹھری ہے، اس میں جو سامان ہے وہ نظر آرہا ہے، قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپؐ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپؐ کے سامانِ خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا کہ ''اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت۔''! (۳)

مساوات: (آپؐ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے، سلمانؓ و صہیبؓ و بلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپؐ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے، ایک دفعہ حضرت سلمانؓ و بلالؓ ایک موقع پر جمع تھے، اتفاق سے ابوسفیان نکلے، ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمنِ خدا کے گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا، ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا بھائیو، آپؐ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے، ان لوگوں نے کہا نہیں، خدا تم کو معاف کرے۔ (۴)

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی، اسامہؓ بن زید جن سے

---

(۱) جامع ترمذی کتاب الزہد ص۳۹۲ (۲) روایت میں حصیر (چٹائی) کا لفظ ہے ''ض'' (۳) صحیح مسلم کتاب الطلاق باب تخییر الازواج ج۱ ص۵۷۸ (۴) صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہؓ باب فضائل سلمانؓ و صہیبؓ ج۲ ص۳۶۲۔

آنحضرت ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے، لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمت نبویؐ میں بھیجا، آپؐ نے فرمایا ''اسامہ! کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔'' پھر آپؐ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا ''تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے برباد ہوگئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔'' (۱)

غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے، قیدیوں کو زرِ فدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا، بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپؐ سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے، عرض کی کہ یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرِ فدیہ معاف کر دیں، آپؐ نے فرمایا نہیں، ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔ (۲)

مجلس میں جو چیزیں آتیں ہمیشہ داہنی طرف سے ان کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر و غریب، صغیر و کبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا۔)

ایک دفعہ خدمت اقدس میں صحابہؓ کا مجمع تھا، اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے، جو بہت کم سن تھے، بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہؓ تھے، کہیں سے دودھ آیا، آپؐ نے نوش فرما کر عبداللہ بن عباسؓ سے کہا تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں، انھوں نے عرض کی ''اس عطیہ میں میں ایثار نہیں کر سکتا، چوں کہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیبِ مجلس کی رو سے ان ہی کا حق تھا، آپؐ نے ان ہی کو ترجیح دی۔ (۳)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کا پانی مانگا، میں نے بکری کا دودھ پیش کیا، مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ بائیں جانب، حضرت عمرؓ سامنے اور ایک بدو داہنی جانب تھا، آپؐ نے پی لیا، تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا، یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو، آپؐ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے، یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدو کو

---

(۱) بخاری کتاب الحدود باب کراهية الشفاعة فی الحد ج۲ص۱۰۰۳ و مسلم کتاب الحدود باب قطع السارق ج۲ص۶۳ وابوداؤد کتاب الحدود باب فی الحد يشفع فيه ج۲ص۱۴۴،۱۴۵ (۲) صحیح بخاری کتاب الجهاد باب فداء المشركين ج۱ ص۴۲۸ (۳) صحیح بخاری کتاب الاشربۃ باب هل يستاذن من الرجل عن يمينه فی الشرب ج۱ص۸۴۰۔

عنایت فرمایا۔(۱)

(قریش اپنے فخر و امتیاز کے لیے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا، بعثت (۲) سے پہلے اور بعثت کے بعد (۳) بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے، علاوہ بریں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہیں خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپؐ کے لیے مخصوص کردی جائے اور وہاں سایہ کے لیے کوئی چھپر ڈال دیا جائے، صحابہؓ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا ''جو پہلے پہنچ جائے، اسی کا مقام ہے۔'' (۴)

صحابہؓ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے، مدینہ میں آکر سب سے پہلا کام مسجدِ نبویؐ کی تعمیر تھی، اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہؓ کی طرح خود آنحضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک تھے، خود اپنے دستِ مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابہؓ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں قربان، آپؐ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپؐ اپنے فرض سے باز نہ آتے (۵) غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہؓ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے، آپؐ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی۔(۶)

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہؓ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا، لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا، جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت ﷺ نے اپنے ذمہ لیا، صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ! یہ کام ہم خدام کرلیں گے، فرمایا ''ہاں سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں، خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا، جو اپنے ہم راہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔'' (۷)

غزوۂ بدر میں سواریوں کا سامان بہت کم تھا، تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا، لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے، آنحضرت ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ

---

(۱) بخاری کتاب الھبة باب من استسقیٰ ج۱ص۳۵۰ (۲) ابوداؤد کتاب المناسک (ابوداؤد میں اس مضمون کی کوئی روایت نہیں ملی بلکہ یہ صراحت موجود ہے کہ قریش کے ظن وگمان کے برخلاف آپ نے مزدلفہ پار کرکے وادیٔ نمرہ میں قیام فرمایا''ض'' (۳) ایضاً باب الوقوف بعرفة ج۱ص۲۶۵ (۴) مسند ابن حنبل ج۶ص۱۸۷ (۵) صحیح بخاری باب ھجرة النبیؐ واصحابه الی المدینة ج۱ص۵۵۵ (۶) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة احزاب ج۲ص۵۸۹ (۷) زرقانی ج۴ص۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری، یہ روایت کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔

میں دو آدمیوں کے ساتھ شریک تھے، ہم راہ جاں نثارانہ اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! آپؐ سوار رہیں، حضورؐ کے بدلہ ہم پیادہ چلیں گے، ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں)(۱)

تواضع: گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے (گدھے کی سواری سے آپؐ کو عار نہ تھا، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا)(۲) ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا کہ ''اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اٹھو۔''(۳)

غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے، مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے، صحابہؓ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپؐ کو پہچان نہ سکتا، کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔(۴)

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا رعب اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپؐ فرمایا کہ ''گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔''(۵)

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپؐ اکڑو بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ''میں بندہ اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں'' ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آ گئے، آپؐ اکڑوں بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے، ایک بدو بھی مجلس میں شریک تھا، اس نے کہا محمدؐ! یہ کیا طرزِ نشست ہے، آپؐ نے فرمایا خدا نے مجھے خاک سار بندہ بنایا ہے، جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔(۶)

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے، ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپؐ کو خطاب کیا ''اے ہمارے آقا، اور ہمارے آقا

---

(۱) مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۴۲۲ و مسند ابوداؤد طیالسی جزء ۲ ص ۴۷ (۲) شمائل ترمذی باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ص ۲۵۵ (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب قیام الرجل للرجل ج ۲ ص ۳۲۴ (۴) شمائل ترمذی حوالہ مذکور (۵) مستدرک ج ۳ ص ۴۸ علیٰ شرط الشیخین واقعہ فتح مکہ (۶) ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی الاکل من اعلیٰ الصحفة ج ۲ ص ۹۲۔

کے فرزند اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند'' آپؐ نے فرمایا، لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گرانہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول، مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا، میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔'' (۱)

ایک دفعہ ایک شخص نے آپؐ کو یاخیر البریۃ (یعنی اے بہترین خلق) کہہ کر مخاطب کیا، آپؐ نے فرمایا وہ ابراہیم تھے۔ (۲)

عبداللہ بن شخیر کا بیان ہے کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمتِ اقدس میں آئے تو عرض کی کہ حضورؐ ہمارے آقا (سید) ہیں، ارشاد فرمایا کہ'' آقا خدا ہے'' پھر ہم لوگوں نے عرض کی کہ آپؐ ہم میں سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں، ارشاد ہوا کہ ''بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا ہے۔'' (۳)

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی، جس کے دماغ میں کچھ فتور تھا، آپؐ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ محمد ﷺ! مجھ کو تم سے کچھ کام ہے، فرمایا جہاں کہو چل سکتا ہوں، وہ آپؐ کو ایک کوچہ میں لوا گئی اور وہیں بیٹھ گئی، آپؐ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے، اور جو کام تھا انجام دے دیا۔ (۴)

مخرمہؓ ایک صحابی تھے، ایک دفعہ انھوں نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے چادریں آئی ہیں اور وہ تقسیم فرمارہے ہیں آؤ ہم بھی چلیں، آئے تو آپؐ زنانہ میں تشریف لے جاچکے تھے کہا آواز دو انھوں نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو آواز دوں، مخرمہؓ نے کہا بیٹے! محمد ﷺ جبار نہیں ہیں، ان کی جرأت دلانے سے مسور نے آواز دی، آنحضرت ﷺ فوراً نکل آئے اور ان کو دیبا کی قبا عنایت کی جس کی گھنڈیاں زریں تھیں۔ (۵)

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی، یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ پر تعریض ہے، غصہ میں آکر اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس فریادی آیا، آپؐ نے انصاری کو بلا بھیجا اور واقعہ کی

---

(۱) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۵۳ (۲) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراھیمؑ ج ۲ ص ۳۰۷ (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب کراھیۃ التمادح ج ۲ ص ۱۸۸ (۴) ایضاً باب الجلوس فی الطرقات ج ۲ ص ۱۸۸ (۵) بخاری کتاب اللباس باب المزخرف بالذھب ج ۲ ص ۸۷۱۔

تحقیق کے بعد فرمایا کہ ''مجھ کو انبیا پر فضیلت نہ دو۔'' (۱)

(انسان کے غرور و ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہے، جب وہ اپنے چپ و راست جلو میں ہزاروں آدمیوں کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے، جو اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، خصوصاً جب وہ فاتحانہ ایک جرار و پرجوش لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے تواضع و خاکساری کا منظر اس وقت اور نمایاں ہو جاتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جب آپؐ شہر میں داخل ہوئے تو تواضعاً سرِ مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آکر مل گیا۔ (۲) غزوۂ خیبر میں جب آپؐ کا داخلہ ہوا تو آپؐ ایک گدھے پر سوار تھے، جس میں لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی (۳) حجۃ الوداع میں جس کجاوہ پر آپؐ سوار تھے، سن چکے ہو کہ اس کی قیمت کیا تھی۔)

تعظیم اور مدحِ مفرط سے روکتے تھے: (شرک کا پہلا دیباچہ انبیا اور صلحا کی مبالغہ آمیز تعظیم ہے، آنحضرت ﷺ اس نکتہ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، حضرت عیسیٰؑ کی مثال پیش نظر تھی، فرمایا کرتے تھے کہ ''میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریمؑ کی کرتے ہیں، میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں۔ (۴)

قیس بن سعد کہتے ہیں ایک دفعہ میں حیرہ گیا، وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیسِ شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے تو آپؐ اس کے زیادہ مستحق ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گذرو گے تو سجدہ کرو گے؟ کہا نہیں، فرمایا تو جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔ (۵)

معوذ بن عفرا کی صاحب زادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے اور دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا، اس پر بیٹھ گئے، گھر کی لڑکیاں آس پاس جمع ہو گئیں اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں، گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا:

---

(۱) بخاری کتاب الانبیا ذکر موسیٰ ج ۱ ص ۴۸۴، اس روایت میں صرف حضرت موسیٰ پر فضیلت نہ دینے کا حکم ہے، البتہ ایک دوسری روایت جو حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے اس میں تعمیم ہے، دیکھئے حاشیہ مولوی احمد علی صاحب صفحہ مذکور ''ض''
(۲) شرح شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۱۳۱ و سیرت ابن ہشام، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۱۷ (۳) مشکوٰۃ باب اخلاق النبیؐ ص ۵۱۱ بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی (۴) صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ کتاب الانبیا (۵) ابوداؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأۃ ج ۱ ص ۲۱۲۔

فینا نبیّ یعلم مافی غد. ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے

فرمایا "یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔" (۱)

آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ نے جس روز انتقال کیا، اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا، لوگوں کے خیال میں ایک پیغمبر کی ظاہری عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ اس درد وصدمہ سے کم از کم اجرامِ سماوی میں انقلاب پیدا ہو جائے، لوگوں نے اس اتفاقی واقعہ کو اسی قسم کے واقعہ پر محمول کیا، ایک جاہ پسند انسان کے لیے اس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہو سکتا تھا لیکن نبوت کی شان اس سے بدرجہا ارفع واعلا ہے، آنحضرت ﷺ نے اسی وقت لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا خدا کی آیاتِ قدرت میں سے ہے، کسی کی زندگی اور موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔ (۲)

(ایک دفعہ آنحضرت ﷺ وضو کر رہے تھے، وضو کا پانی جو دستِ مبارک سے گرتا، فدائی برکت کے خیال سے اس کو چلّو میں لے کر بدن میں مل لیتے، آپؐ نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کر رہے ہو، انھوں نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت میں، فرمایا، اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ جب باتیں کرے سچ بولے، جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے اور کسی کا پڑوسی ہے تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نباہے۔ (۳)

ایک صاحب بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، اثنائے گفتگو میں انھوں نے کہا "جو خدا چاہے اور جو آپؐ چاہیں۔" ارشاد ہوا "تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا کہو کہ جو خدا تنہا چاہے) (۴)

شرم وحیا: (صحاح میں ہے کہ آپؐ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، شرم اور حیا کا اثر آپؐ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا، کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی، بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے، تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندہ وقہقہہ سے آشنا نہیں ہوئے۔)

بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے، چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور اور صحابہؓ متنبہ ہو جاتے۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ ج۲ص۷۷۳ (۲) صحیح بخاری ابواب الکسوف ج۱ص۱۴۱ و مسلم کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الکسوف ج۱ص۳۳۱ (۳) مشکوٰۃ کتاب الآداب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص۴۱۶ بحوالہ شعب الایمان بیہقی (۴) ادب المفرد امام بخاری ص۱۵۷ مصر۔

عرب میں اور ممالک کی طرح شرم وحیا کا بہت کم لحاظ تھا، ننگے نہانا عام بات تھی، حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں، ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو، لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو، عرب میں حمام نہ تھے لیکن شام وعراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے، وہاں کثرت سے حمام تھے، اس بنا پر آپ نے فرمایا کہ تم جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام ملیں گے، ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔

ایک دفعہ عورتیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئیں، انھوں نے وطن پوچھا، بولیں، حمص (شام کا ایک شہر ہے) حضرت ام سلمہؓ نے کہا تم ہی وہ عورتیں ہو جو حمام میں نہاتی ہیں؟ بولیں کیا حمام کوئی بری چیز ہے، فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے (۱) ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حمام میں نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا، پھر مردوں کو پردوں کی قید کے ساتھ اجازت دی، لیکن عورتوں کے لیے وہی حکم قائم رہا (۲) عرب میں جائے ضرور نہ تھے (۳) لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے لیکن پردہ نہیں کرتے تھے، بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے، آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔ (۴)

معمول تھا کہ رفعِ حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے، مکہ معظمہ میں جب تک قیام تھا، حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا: (اگرچہ تمام صحابہؓ آپؐ کے جاں نثار خادموں میں داخل تھے،

(۱) یہ تمام روایتیں ترغیب وترہیب منذری کتاب الطہارۃ باب الترھیب من دخول الرجال الحمام الخ ج۱ص۴۳ مطبع عامرہ مصر ۱۳۲۴ھ میں کتب حدیث کے حوالہ سے منقول ہیں (۲) ابوداؤد کتاب الحمام ج۲ص۱۱۱ (۳) صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک ج۲ص۵۹۵ (۴) ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب کراھیۃ الکلام عندالخلاء ج۱ص۳ وابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب النھی عن الاجتماع علی الخلاء ص۲۹۔

بایں ہمہ آپؐ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہؓ، ابوسعید خدریؓ اور امام حسنؓ سے روایت ہے کہ کان یخدم نفسہ یعنی آپؐ اپنے کام خود اپنے دستِ مبارک سے انجام دیا کرتے تھے(۱) ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپؐ گھر میں کیا کیا کرتے تھے، جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے، گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے، دودھ دوہ لیتے تھے، بازار سے سودا خرید لاتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے، اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔(۲)

ایک دفعہ حضرت انسؓ بن مالک خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا، آپؐ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہیں، ان سے دوسری روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ آپؐ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے ہیں، تیسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ آپؐ بکریوں کو داغ لگا رہے تھے۔(۳) ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے، دیکھا تو مسجد میں کسی نے ناک صاف کی ہے، آپؐ نے خود دستِ مبارک سے ایک کنکر لے کر اس کو کھرچ ڈالا اور آئندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔(۴)

آپؐ جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، تو اس وقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے (۵) مسجد قبا اور مسجد نبویؐ کی تعمیر اور خندق کے کھودنے میں جس طرح عام مزدوروں کے ساتھ مل کر آپؐ نے کام کیا، خود دستِ مبارک سے جس طرح پتھر اٹھا اٹھا کر دیا اور جس طرح زمین کھودی اس کی تفصیل جلد اول کے واقعات میں گذر چکی ہے، ایک سفر میں صحابہؓ نے بکری ذبح کی اور اس کو پکانے کے لیے آپس میں کام بانٹ لیے، آپؐ نے فرمایا ”جنگل سے لکڑی میں لاؤں گا“ صحابہؓ نے تامل کیا تو فرمایا ”میں امتیاز پسند نہیں کرتا۔“ (۶) ایک اور سفر میں آپؐ کی

(۱) شرح شفائے قاضی عیاض ج ۱ ص ۱۱۰ (۲) صحیح بخاری کتاب الادب باب مایکون الرجل فی مھنة اھله میں مجمل ہے، قاضی عیاض نے شفا ج ۲ ص ۱۱۶ میں متعدد حدیثوں سے لے کر اور ٹکڑے بھی جمع کر دیے ہیں، زرقانی نے ج ۴ ص ۳۰۴ میں مسند احمد و ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے (۳) یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں، پہلی روایت کتاب الادب باب استحباب تحنيك المولود ج ۲ ص ۲۳۲ میں اور دوسری اور تیسری کتاب اللباس والزینة باب جواز وسم الحیوان ج ۲ ص ۲۲۴ میں ہے (۴) سنن نسائی کتاب المساجد باب البصاق فی المسجد ص ۱۲۳ (۵) صحیح بخاری باب بنیان الکعبة ج ۱ ص ۵۴۰ (۶) زرقانی ج ۴ ص ۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری۔

جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، آپؐ نے خود اس کو درست کرنا چاہا، ایک صحابیؓ نے عرض کی یارسول اللہ لایئے میں ٹانک دوں، فرمایا "یہ تشخص پسندی ہے، جو مجھے محبوب نہیں ہے" (۱) دو صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ آپؐ خود اپنے دستِ مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہیں، ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہوگئے، جب کام ختم ہوگیا تو آپؐ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی۔ (۲)

دوسروں کے کام کر دینا: (خباب بن ارت ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا، خباب کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا، اس بنا پر آپؐ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے (۳) حبش سے جو مہمان آئے تھے، صحابہؓ نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت گذاری کریں لیکن آپؐ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ "انھوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے، اس لیے میں خود ان کی خدمت گذاری کا فرض انجام دوں گا۔" (۴) کفارِ ثقیف جنھوں نے طائف میں آپؐ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا، ۹ رہجری میں وفد لے کر آئے تو آپؐ نے ان کو مسجد نبویؐ میں اتارا اور بہ نفس نفیس ان کی مہمانی کے فرائض ادا کیے۔

مدینہ کی لونڈیاں آپؐ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں "یارسول اللہ میرا یہ کام ہے۔" آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے، مدینہ میں ایک پاگل لونڈی تھی، وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپؐ کا دستِ مبارک پکڑ لیا، آپؐ نے فرمایا "اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں تو چاہے بیٹھ میں تیرا کام کر دوں گا" چنانچہ آپؐ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اور اس کی ضرورت پوری کی (۵) عبداللہ بن ابی بن اوفی ایک صحابی ہیں، وہ فرماتے:

ولایأنف ولایستنکف ان یمشی مع الارملة والمسکین فیقضی لهما حاجتهما. (۶)

بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں آپ کو عار نہ تھا۔

ایک دفعہ آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپؐ کا دامن پکڑ کر بولا "میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں، پہلے اس کو کر دو"، آپؐ اس کے ساتھ فوراً

---

(۱) زرقانی بحوالہ کتاب تمثال النعل الشریف لابی الیمن بن عساکر (۲) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۴۶۹ (۳) ابن سعد حصہ ششم ص ۲۱۳ ترجمہ بنت خبابؓ (۴) شفائے قاضی عیاض بسند متصل ج ۲ ص ۱۰۰ بحوالہ بیہقی (۵) مسلم اور ابوداؤد کتاب الادب باب الجلوس فی الطرقات ج ۱ ص ۱۸۸ (۶) سنن دارمی باب تواضع رسول اللہ ص ۲۰ نظامی پریس کانپور ۱۲۹۳ھ۔

مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی۔(۱)

عزم واستقلال: خدا نے قرآن مجید میں اولوالعزم من الرسل کہہ کر انبیائے کبار کی مدح فرمائی ہے، آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم الرسل تھے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپؐ کی ذات میں ودیعت کیا تھا، ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت ﷺ کے عزم واستقلال کا مظہرِ اتم ہے، عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے، بے یار و مددگار دعوتِ حق کی صدائیں بلند کرتا ہے، ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقارِ نبوت اور عزم ربانی سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے۔

تیرہ برس کی متواتر ناکامیوں کے بعد بھی ذاتِ اقدس جبن و یاس سے آشنا نہیں ہوتی اور بالآخر وہ دن آتا ہے جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جاں نثاروں کو چھوڑ کر دنیائے فانی کو الوداع کہتا ہے، ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہؓ نے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر خدمت مبارک میں عرض کی کہ ''آپؐ ہمارے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے'' آپؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ''تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں، جس سے گوشت پوست علاحدہ ہو جاتا تھا لیکن یہ آزمائشیں بھی ان کو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں، خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ کر رہے گا، یہاں تک کہ صنعا سے حضر موت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا آئے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔''(۲)

مکہ میں روسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انھوں نے آپؐ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی، ان میں سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگا دینے کے لیے کافی تھی لیکن آپؐ نے ذلت کے ساتھ ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہم دم وہم ساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور وفکر کا آخری لمحہ اور عزم واستقلال کا آخری امتحان تھا، اس وقت آپؐ نے جواب میں جو فقرے

(۱) ابوداؤد کتاب الادب وبخاری کتاب الصلوٰۃ باب الکلام اذا اقیمت الصلوٰۃ میں مختصراً ذکر ہے، (۲) صحیح بخاری ج ا باب ما لقی النبیؐ الخ ص ۵۴۳۔

فرمائے، عالمِ کائنات میں ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقۂ تعبیر ہے، آپؐ نے فرمایا ''چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلانِ حق سے باز نہ آؤں گا۔'' (۱)

غزوۂ بدر میں جب تین سو بے سروسامان مسلم، ایک ہزار باساز و سامان فوج سے معرکہ آرا تھے، کفار قریش اپنے زور و کثرت سے بپھرتے آتے تھے، اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت ﷺ کے پہلو میں آجاتے تھے اور بااین ہمہ نبوت کا کوہِ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا۔ (۲)

غزوۂ احد میں آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا، تو سب نے حملہ کی رائے دی لیکن جب آپؐ زرہ پہن کر تیار ہو گئے تو صحابہؓ نے رک جانے کا مشورہ دیا، آپؐ نے فرمایا ''پیغمبر زرہ پہن کر اتار نہیں سکتا۔'' (۳)

غزوۂ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے قدر اندازوں نے متصل تیروں کی بوچھار کی تو اکثر صحابہؓ کے قدم اکھڑ گئے لیکن آپؐ نہایت سکون و اطمینان سے چند جاں نثاروں کے ساتھ میدان میں جمے رہے، اس وقت زبانِ مبارک پر یہ رجز جاری تھا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب (۴) — میں پیغمبر صادق ہوں، میں فرزند عبدالمطلب ہوں۔

ایک بار آپؐ کسی غزوہ میں درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے، ایک کافر آیا اور اسی حالتِ خواب میں تلوار کھینچ کر بولا ''محمد ﷺ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے''؟ آپؐ نے فرمایا ''خدا'' اس عزم و استقلال اور جرأتِ صادقہ نے اس کو اس قدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس نے تلوار میان میں کر لی اور پاس بیٹھ گیا۔ (۵)

شجاعت: (یہ وصف انسانیت کا اعلا جوہر اور اخلاق کا سنگِ بنیاد ہے، عزم، استقلال، حق گوئی، راست گفتاری، پُر دلی، یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں، آنحضرت ﷺ کو سیکڑوں مصائب و خطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی، غزوۂ بدر کی گھمسان لڑائی میں ۳۰۰ نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکزِ نبوت ہی کے دامن میں آکر پناہ لیتے تھے، حضرت

---

(۱) ابن ہشام ج۱ص۱۶۴ (۲) مسند ابن حنبل ج۱ص۱۲۶ (۳) بخاری کتاب الاعتصام ج۲ص۱۰۹۵ باب قول اللہ وَاَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ۔ (۴) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ حنین ج۲ص۶۱۷ (۵) ایضاً باب غزوۃ ذات الرقاع ج۲ص۵۹۳۔

علیؓ جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، کہتے ہیں کہ جب بدر میں زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپؐ ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی، آپؐ سب سے زیادہ شجاع تھے، مشرکین کی صف سے اس دن آپؐ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔ (۱)

غزوۂ حنین میں ہوازن کے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی، تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج دفعتاً میدان سے ہٹ گئی لیکن آپؐ مع چند جاں نثاروں کے بہ دستور میدان میں کھڑے رہے، اس وقت بار بار آپؐ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے لیکن جاں نثار مانع آتے تھے، اب دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپؐ کی ذات تھی، بااین ہمہ پائے اقدس میں لغزش نہیں ہوئی، حضرت براءؓ جو اس معرکہ میں شریک تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حنین میں تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا ہاں یہ سچ ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے، خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپؐ ہی کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے، ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپؐ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ (۲)

حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے، ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آ گئے، لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت ﷺ تھے، جلدی میں آپؐ نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے، گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپؐ تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے اور واپس آ کر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ (۳)

آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے دستِ خاص سے قتل نہیں کیا، ابی بن خلف آپؐ کا سخت دشمن تھا، بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا کہ ''میرے پاس ایک گھوڑا ہے، جس کو میں ہر روز جوار کھلایا کرتا ہوں، اسی پر چڑھ کر محمد ﷺ کو قتل کروں گا۔'' احد میں اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپؐ کے پاس پہنچ گیا، مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو بیچ میں روک لیں، آپؐ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر آپؐ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی

(۱) مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۲۶ (۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ حنین ج ۲ ص ۸۳ (۳) صحیح بخاری (کتاب الجہاد) کے متفرق ابواب میں یہ حدیث ہے، مثلاً باب الشجاعۃ فی الحرب ج ۱ ص ۳۹۵ و باب اذا فزعوا باللیل ص ۴۲۶۔

گردن میں انی چھبودی، وہ چنگھاڑ مار کر بھاگا، لوگوں نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں، تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟ اس نے کہا ہاں سچ ہے لیکن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے۔(۱)

راست گفتاری: (راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے اور اس کا وجود ان کی ذات سے کبھی منفک نہیں ہوسکتا، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے عنوان میں اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی لیکن اس موقع پر ہم صرف ان شہادتوں کو قلم بند کرنا چاہتے ہیں جو دشمنوں کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار میں جو لوگ آپؐ سے واقف تھے، انھوں نے آپؐ کو کاذب اور دروغ گو یقین نہیں کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپؐ کے حواس درست نہیں ہیں، یا اب عقل بجا نہیں رہی ہے، یا یہ کہ ان میں اب شاعرانہ تخیل پرستی آگئی ہے، اسی بنا پر انھوں نے آپؐ کو مجنون کہا، مسحور کہا، شاعر کہا، لیکن کاذب نہیں کہا۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپؐ کا ذکر ہو رہا تھا، نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاں دیدہ تھا، کہا اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے، اب تک تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمد تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول اور امین تھا، اب جب اس کے بالوں میں سپیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم میں نے ان کی باتیں سنی ہیں، محمد میں یہ کوئی بات نہیں، تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہے۔(۲)

ابوجہل کہا کرتا تھا ''محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ جو کچھ کہتے ہو، ان کو صحیح نہیں سمجھتا'' قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے:(۳)

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَايُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ. (انعام ۶:۳۳)	ہم جانتے ہیں کہ اے پیغمبر ان کافروں کی باتیں تم کو غم گین کرتی ہیں، کیوں کہ وہ تجھ کو جھٹلاتے نہیں، البتہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ کو پیش گاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہلِ خاندان کو اسلام کی دعوت

(۱) شرح شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۶۴ بحوالہ بیہقی بسند صحیح و مصنف عبدالرزاق و ابن سعد وواقدی (۲) ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۳ (۳) جامع ترمذی ابواب التفسیر تفسیر سورہ انعام ص ۵۰۰۔

دو، تو آپؐ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے، تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا ہاں، کیوں کہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔'' (۱)

قیصر روم نے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں جو مدعی پیدا ہوا ہے، اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا، ابوسفیان نے کہا نہیں، آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا میں نے تم سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز رہتا۔ (۲)

ایفائے عہد: (ایفائے عہد آپؐ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپؐ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کیے، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد ﷺ نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں (۳) وحشی جنھوں نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے، اہلِ طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیے جو وفد مرتب کیا، اس میں ان کا نام بھی تھا لیکن ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے لیکن خود دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف وخطر جاؤ، محمد سفرا کو قتل نہیں کرتے، چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے (۴) صفوان بن امیہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنوں میں تھے، جب مکہ فتح ہوا تو بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے، عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے عمامۂ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے، عمیر عمامۂ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں، تم کو امان ہے، جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپؐ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں یہ سچ ہے۔ (۵)

ابورافع ایک غلام تھے، حالتِ کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورہ آئے، روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہو گئی، عرض کی

---

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ تبت ج۲ ص ۷۴۳ (۲) صحیح بخاری باب بدء الوحی ج۱ ص ۴ (۳) ایضاً (۴) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ احد ج۲ ص ۵۸۳ (۵) ابن ہشام ج۲ ص ۲۷۶ و ۲۷۷۔

یارسول اللہ! اب میں بھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا، ارشاد ہوا نہ میں عہد شکنی کر سکتا اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا، تم اس وقت واپس جاؤ، اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آجانا، چنانچہ وہ اس وقت واپس گئے پھر اسلام لائے۔ (۱)

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا، اہلِ مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا، عین اس وقت جب معاہدہ کی یہ شرطیں زیرِ تحریر تھیں، ابو جندلؓ پابہ زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور رسول اللہ ﷺ سے فریادی ہوئے، تمام مسلمان اس درد انگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت ﷺ نے بہ اطمینان تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''اے ابو جندلؓ! صبر کرو ہم بدعہدی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ عن قریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔'' (۲)

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمسا نے آنحضرت ﷺ سے کچھ معاملہ کیا اور آپؐ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آکر حساب کر دیتا ہوں، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا، تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے، ان کو دیکھ کر فرمایا میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ (۳)

غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے، لیکن آپؐ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے، حذیفہؓ بن الیمان اور ابو حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آرہے تھے، راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمد کے پاس جا رہے ہو، انھوں نے انکار کیا، آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپؐ کا ساتھ نہ دیں گے، یہ دونوں صاحب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورتِ حال عرض کی، فرمایا تم دونوں واپس جاؤ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (۴)

زہد و قناعت: مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ میں تھے،

---

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب یستجن بالامام فی العہود ج ۱ ص ۲۷۵ (۲) صحیح بخاری کتاب الشروط باب مایجوز من الشروط ج ۱ ص ۳۷۴ آخری فقرے ابن ہشام ج ۲ ص ۳۱۰ میں ہیں (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی العدۃ ج ۲ ص ۲۰۳ (۴) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الوفا بالعہد ج ۲ ص ۸۹۔

پیغمبر تھے، مدینہ میں پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیرنگیں ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے، صحیح بخاری کتاب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جَو پر گرو تھی، جن کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جب تمام حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زروسیم کا سیلاب آچکا ہے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ آپؐ کی مہماتِ فرائض میں رہبانیت کا قلع قمع کرنا بھی تھا، جس کی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا (حدید۔۵۷:۲۷) اس بنا پر آپؐ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کیے ہیں لیکن اصلی میلانِ طبع زخارفِ دنیوی سے اجتناب تھا، (فرمایا کرتے، فرزندِ آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کے لیے گھر، ستر پوشی کے لیے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی (۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ولا یطوی له ثوب کبھی آپؐ کا کوئی کپڑا تہ کر کے نہیں رکھا گیا، یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جا سکتا۔ (۲)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ کسی طرف سے آگئے، پوچھا کیا شغل ہے، عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کی دیوار کی مرمت کر رہا ہوں، ارشاد ہوا کہ اتنی مہلت کہاں؟ (۳)

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپؐ اور سارا گھر بھوکا سورہتا تھا:

کان رسول اللّٰه یبیت اللیالی المتتابعة طاویا واهله لایجدون عشاء. (۴)

آپؐ اور آپؐ کے اہل وعیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیوں کہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن زبیرؓ نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور، البتہ ہم سائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے (۵) آپؐ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی

(۱) جامع ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی الزهادة فی الدنیا ص ۳۸۸ (۲) ابن ماجہ کتاب اللباس باب لباس رسول اللہ ص ۲۶۲ (۳) ترمذی ابواب الزہد باب فی قصر الامل ص ۳۸۷ (۴) ایضاً باب معیشة النبیؐ ص ۳۹۰ (۵) صحیح بخاری کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبیؐ ج ۲ ص ۹۵۶۔

صورت نہیں دیکھی (۱) میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں، کبھی نظر سے نہیں گذرا، سہلؓ بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں، ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں؟ بولے نہیں، لوگوں نے پھر پوچھا کہ آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے، بولے منھ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے، جو رہ جاتا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے۔ (۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپؐ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ (۳)

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر میں محدثین اور اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ آپؐ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے، یہ واقعہ بظاہر روایات مذکورہ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونوں صحیح ہیں، بے شبہہ آپؐ بقدرِ نفقہ آمدنی میں سے لے لیتے، باقی فقرا اور اہلِ حاجت کو دیتے تھے لیکن آپؐ اپنے لیے جو رکھ لیتے تھے، وہ بھی اہل حاجت کے نذر ہو جاتا تھا، احادیث میں آپؐ کی فاقہ کشی اور تنگ دستی کے واقعات نہایت کثرت سے موجود ہیں، چند روایتیں اس موقع پر ہم درج کرتے ہیں:

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں، آپؐ نے ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو، جواب آیا گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، آپؐ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب آیا، مختصراً یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ (۴)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے، سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔ (۵)

حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ مسجد میں زمین

(۱) صحیح بخاری کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبیؐ ج ۲ ص ۹۵۶ (۲) شمائل ترمذی ص ۱۳۰ (۳) ایضاً ص ۱۲۹ (۴) صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام الضیف ج ۲ ص ۱۹۸ و صحیح بخاری کتاب الفضائل باب ویؤثرون علیٰ انفسھم ج ۱ ص ۵۳۵ (۵) صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب جواز استتباعہ غیرہ الی دار من یثق ج ۲ ص ۱۹۳۔

پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔ (۱)

ایک دفعہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے، آپؐ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔ (۲)

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہؓ آپؐ کی حالت سمجھ جاتے تھے، ایک دن ابوطلحہؓ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے، میں نے ابھی رسول اللہ کو دیکھا ان کی آواز کمزور ہو گئی ہے۔ (۳)

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے، یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بے تاب تھے، آپؐ سب کو لے کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر آئے، ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کے لیے دودھ مہیا رکھتے تھے، آج آپؐ کے آنے میں دیر ہوئی تو انھوں نے بچوں کو کھلا دیا، آنحضرت ﷺ ان کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے، ان کی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئیں اور عرض کی ''حضورؐ کا آنا مبارک'' آپؐ نے پوچھا ابوایوب کہاں ہیں، نخلستان پاس ہی تھا، وہ آواز سن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی، یہ حضور کے آنے کا وقت نہیں، آپؐ نے حالت بیان کی، وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا میں گوشت تیار کراتا ہوں، ایک بکری ذبح کی، آدھے کا سالن، آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لا کر رکھا تو آنحضرت ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ فاطمہؓ کو بھجوا دو، کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے، پھر خود صحابہؓ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا، متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور فرمایا کہ ''خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہوگا وہ یہی چیزیں ہیں۔'' (۴)

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت ﷺ صبح کو ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کرتیں نہیں، آپؐ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔ (۵)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب جواز استتباعة غيره الىٰ دار من يثق ج ۲ ص ۱۹۳ (۲) شمائل ترمذی ص ۲۹۰ (۳) مسلم حوالہ سابق ص ۱۹۱ (۴) ترغیب وترہیب كتاب الطعام الترغيب فى حمدالله بعدالاكل ج ۲ ص ۵۷ (یہ واقعہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۰ میں بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہے) (۵) مسند ابن حنبل ج ۲ ص ۴۹۔

عفو و حلم: ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، بجز اس صورت کے کہ اس نے احکامِ الٰہی کی تفضیح کی ہو۔(۱)

(جنگ احد کی شکست سے زیادہ رؤسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطرِ اقدس پر گراں تھی،(۲) تاہم دس برس کے بعد غزوۂ طائف میں جب وہ ایک منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برسا رہے تھے، تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم وعفو انسان (خود آنحضرت ﷺ) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انھیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانۂ اسلام پر جھکا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ۹ رہجری میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپؐ نے صحنِ مسجد میں ان کو مہمان اتارا اور عزت اور حرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔(۳)

قریش نے آپؐ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپؐ کی شان میں گستاخیاں کیں، نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا لیکن آپؐ نے کبھی ان باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی، غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے، ایک صاحب جنھوں نے آنحضرت ﷺ کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ فرما رہے تھے کہ ''لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو تو نجات پاؤ گے'' پیچھے پیچھے ابو جہل تھا، وہ آپؐ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا ''لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں، یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو'' راوی کہتا ہے کہ آپؐ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔(۴)

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا، جب کہ منافقین نے حضرت عائشہؓ صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی، حضرت عائشہؓ آپؐ کی محبوب ترین ازواج اور ابوبکرؓ جیسے یارِ غار اور افضل الصحابہ کی صاحب زادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا، جنھوں نے دم بھر میں اس خبر

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۴ کتاب الادب باب قول النبیؐ یسّروا ولا تعسّروا (۲) صحیح بخاری کتاب بدء الخلق ج ۱ ص ۴۵۸ (۳) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب ماجاء فی خبر الطائف ج ۲ ص ۲۸ و مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸

(۴) مسند احمد ج ۴ ص ۶۳۔

کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا، دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح، یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں، تاہم رحمتِ عالمؐ نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمام تر بانی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا اور آپؐ کو اس کا بخوبی علم تھا، بااین ہمہ آپؐ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمعِ عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا ''مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھ کو ستاتا ہے، اس سے میری داد کون لے سکتا ہے'' حضرت سعدؓ بن معاذ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور اٹھ کر کہا میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں، آپؐ نام بتائیں تو اس کا سر اڑا دوں، سعدؓ بن عبادہ نے جو عبداللہ بن اُبی کے حلیف تھے، مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف کے حمایتی کھڑے ہو گئے، قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں، آپؐ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا، واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی اور تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی، تاہم عبداللہ بن ابی اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا اور ثبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی، تہمت لگانے والوں میں جن کو سزا دی گئی، ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے، ان کی معاش کے کفیل حضرت ابوبکرؓ تھے، تہمت لگانے کے جرم میں حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بند کر دیا، اس پر یہ آیت اتری:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔ (نور۔۲۴: ۲۲)	تم میں سے جو لوگ صاحب فضیلت اور ذی مقدور ہیں ان کو یہ قسم نہیں کھانا چاہیے کہ قرابت داروں اور مسکینوں اور مجاہدوں سے سلوک نہ کریں گے تم کو عفو اور درگذر سے کام لینا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو بخش دے، خدا غفور رحیم ہے۔

اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بہ دستور جاری کر دیا۔

تہمت لگانے والوں میں (جیسا کہ صحیح ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نور ص ۵۲۵ میں تصریح ہے) حضرت حسانؓ بھی تھے، حضرت عائشہؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا لیکن یہ آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت کا اثر تھا کہ جب عروہؓ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے روک دیا کہ یہ (حسانؓ) آنحضرت ﷺ کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے۔(۱)

مدینہ کے منافق یہودیوں میں سے لبید بن اعصم نے آپؐ پر سحر کیا تاہم آپؐ نے کچھ

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی قصۂ افک ج ۲ ص ۵۹۷۔

تعرض نہ فرمایا (حضرت عائشہؓ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا میں لوگوں میں شورش نہیں پیدا کرانا چاہتا) (۱)

زید بن سعنہ جس زمانہ میں یہودی تھے، لین دین کا کاروبار کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کچھ قرض لیا، میعادِ ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے، تقاضے کو آئے، آنحضرت ﷺ کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہہ کر کہا ''عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یوں ہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو''، حضرت عمرؓ غصہ سے بے تاب ہو گئے، اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''او دشمنِ خدا تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے؟'' آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا ''عمر! تم سے کچھ اور امید تھی، اس کو سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں'' یہ فرما کر حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دیدو۔ (۲)

(ایک دفعہ آپؐ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا، پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہو جاتا، اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے، حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجیے، آنحضرت ﷺ نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا، اس گستاخ نے کہا ''میں سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یوں ہی اڑا لیں اور دام نہ دیں'' آنحضرت ﷺ نے یہ ناگوار جملے سن کر صرف اس قدر فرمایا کہ ''وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں'') (۳)

ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپؐ رک گئے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا ''صبر کرو'' وہ آپؐ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی، ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے، آپؐ چلے آئے، لوگوں نے عورت سے کہا تو نے نہیں پہچانا، وہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوڑی ہوئی آئی اور کہا میں حضورؐ کو پہچانتی نہ تھی، ارشاد فرمایا، صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔ (۴)

ایک دفعہ حضرت سعدؓ بن عبادہ بیمار ہوئے، آپؐ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے، راہ میں ایک جلسہ تھا، آپؐ ٹھہر گئے، عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، وہ بھی جلسہ میں موجود تھا،

---

(۱) صحیح مسلم کتاب السلام باب السحر ج ۲ ص ۳۶ (۲) یہ روایت بیہقی، ابن حبان، طبرانی اور ابونعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے (شرح شفا از شہاب خفاجی ج ۲ ص ۳۱، ۳۲) (۳) جامع ترمذی کتاب البیوع باب ماجاء فی الرخصة فی الشراء الی اجل ص ۲۰۷ (۴) بخاری کتاب الجنائز باب زیارة القبور ج ۱ ص ۱۷۱۔

آپؐ کی سواری کی گرد اڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت ﷺ سے کہا دیکھو گرد نہ اڑاؤ (جب آنحضرت ﷺ قریب پہنچے تو اس نے کہا ''محمد اپنا گدھا ہٹاؤ، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کردیا'' آنحضرت ﷺ نے سلام کیا، پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا ''ہمارے گھر آ کر ہم کو نہ ستاؤ، جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو۔'' عبداللہ بن رواحہؓ جو مشہور شاعر تھے انھوں نے کہا آپؐ ضرور تشریف لائیں، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آئیں، آنحضرت ﷺ نے دونوں فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا) جلسہ سے اٹھ کر آپؐ سعد بن عبادہ کے پاس آئے اور ان سے کہا، تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں، سعدؓ بن عبادہ نے عرض کی کہ آپؐ کچھ خیال نہ فرمائیں، یہ وہ شخص ہے کہ آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے اہلِ مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کرلیا تھا۔ (۱)

غزوۂ حنین میں آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا ''یہ تقسیم خدا کی رضامندی کے لیے نہیں ہے۔'' آپؐ نے سنا تو فرمایا ''خدا موسیٰؑ پر رحم کرے، ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا۔'' (۲)

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا، آپؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی، آدابِ مسجد سے واقف نہ تھا، وہیں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں، آپؐ نے فرمایا ''جانے دو'' اور پانی کا ایک ڈول لاکر بہادو، خدا نے تم لوگوں کو دشواری کے لیے نہیں بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے۔ (۳)

حضرت انسؓ جو خادم خاص تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا میں نے کہا نہ جاؤں گا، آپؐ چپ رہ گئے، میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا، دفعتاً آنحضرت ﷺ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑلی، میں نے مڑ کر دیکھا تو آپؐ ہنس رہے ہیں، پھر پیار سے فرمایا ''انس! جس کام کے لیے کہا تھا اب تو جاؤ'' میں نے عرض کی اچھا جاتا ہوں، انسؓ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے سات برس آپؐ کی ملازمت کی، کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے

(۱) صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب عیادۃ المریض ج ۲ ص ۸۴۵، ۸۴۶ (۲) ایضاً کتاب المغازی غزوۂ حنین ص ۶۲۱
(۳) ایضاً کتاب الوضو باب صب الماء علی البول ج ۱ ص ۳۵۔

یہ کام کیوں کیا، یا یہ کیوں نہیں کیا۔(۱)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے، جب اٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے، ایک دن حسب معمول مسجد سے نکلے، ایک بدو آیا اور اس نے آپؐ کی چادر اس زور سے پکڑ کر کھینچی کہ گردن سرخ ہوگئی، آپؐ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے، آپؐ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو، تب غلہ دیا جائے گا، وہ بار بار کہتا تھا کہ خدا کی قسم میں ہرگز بدلہ نہ دوں گا، آپؐ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لدوا دیں اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔(۲)

(قریش نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، ضد سے آپؐ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے، بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے لیکن آپؐ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ ''تمھیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیوں کر پھیرتا ہے، وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں'' (۳)

جس زمانہ میں آپؐ فتح مکہ کے لیے تیاریاں کر رہے تھے، اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو، حاطبؓ بن بلتعہ ایک صحابی تھے، انھوں نے چاہا کہ قریش کو اس کی اطلاع کر دیں، چنانچہ ایک خط لکھ کر انھوں نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا، آپؐ کو اس کی خبر ہوگئی، حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اسی وقت بھیجے گئے، جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے، حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انھوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معذرت چاہی، یہ موقع تھا کہ ہر سیاست داں مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا لیکن آنحضرت ﷺ نے اس لیے ان کو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے بدر میں تھے، عورت جو اس جرم میں شریک تھی، اس سے بھی

(۱) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب کان رسول اللہ احسن الناس خلقا ج ۲ ص ۲۸۹ وابوداؤد کتاب الادب باب فی الحلم واخلاق النبیؐ ج ۲ ص ۱۸۵ (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب مذکور (یہی واقعہ حضرت انسؓ سے بخاری کتاب الادب باب التبسم والضحک ج ۲ ص ۸۹۹ و مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اعطاء من سال بفحش وغلظة ج ۱ ص ۳۸۸ میں مروی ہے بتغییر یسیر) (۳) مشکوٰۃ کتاب الفتن باب اسماء النبیؐ ص ۵۰۷۔

کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا (۱) حالانکہ یہ خط اگر دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

فرات بن حیان ایک شخص تھا، ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا، آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ پکڑ گیا تو آنحضرتؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا، لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے جب انصار کے ایک محلہ میں پہنچا تو بولا کہ میں مسلمان ہوں، ایک انصاری نے آکر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ایمان کا حال ہم ان ہی پر چھوڑتے ہیں، ان میں سے ایک فرات بن حیان ہے (۲) مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بعد کو صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو یمامہ میں ایک زمین عنایت فرمائی جس کی آمدنی ۴۲۰۰ تھی۔ (۳)

دشمنوں سے عفو و درگذر اور حسنِ سلوک: (انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کم یاب، نادرالوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگذر ہے لیکن حاملِ وحی و نبوت کی ذاتِ اقدس میں یہ جنس فراواں تھی، دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرۂ شریعت میں آکر یہ فرضیت مکروہ تحریمی بن جاتی ہے، تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتحِ حرم کا دن تھا، جب کہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے، جو آنحضرت ﷺ کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دستِ ستم سے آپؐ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا:

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء (۴) — تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوتِ بازو اور آنحضرت ﷺ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی فتح مکہ ج ۲ ص ۶۱۲ (۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب الجاسوس الذمی ج ۱ ص ۲۶۲ یہ حدیث سفیان ثوری کے واسطہ سے دو طریقوں سے مروی ہے، ایک میں ابوہمام الدلال ہے اور یہی ابوداؤد کا طریق ہے، یہ طریق ضعیف ہے، دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہے جو صحیح ہے، امام احمد نے بھی مسند ج ۴ ص ۳۳۶ میں یہ روایت نقل کی ہے (۳) اصابہ ترجمۂ فرات مذکور ج ۳ ص ۲۰۱ (۴) ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۳ ابن ہشام اور دوسری کتابوں میں لاتثریب علیکم الیوم کے الفاظ نہیں ہیں۔ "ض"

تھا، مکہ میں رہتا تھا، جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا، وہ بھاگ کر طائف آیا، طائف نے بھی آخر سرِ اطاعت خم کیا اور وحشی کے لیے یہ بھی مامن نہ رہا لیکن اس نے سنا کہ آنحضرت ﷺ سفرا سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے، ناچار خود رحمتِ عالمؐ کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا، آنحضرت ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا کہ ”میرے سامنے نہ آیا کرنا(۱) کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔“

ہند ابوسفیان کی بیوی، جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور دل وجگر کے ٹکڑے کیے، فتحِ مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت ﷺ پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعتِ اسلام کر کے سندِ امان حاصل کر لے، پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی آنحضرت ﷺ نے ہند کو پہچان لیا لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا، ہند اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی ”یارسول اللہ! آپؐ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا لیکن آج آپؐ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔“(۲)

عکرمہ دشمنِ اسلام ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے، فتحِ مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہوچکی تھیں، وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو تسکین دی اور ان کو مسلمان کیا اور خدمتِ اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی،(۳) اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

مرحبا بالراکب المهاجر۔ (۴) اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔

صفوان بن امیہ، قریش کے رؤسائے کفر میں سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، ان ہی نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت ﷺ کے قتل پر مامور کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائیں، عمیر بن وہب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ ﷺ! صفوان بن امیہ اپنے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ ج ۲ ص ۵۸۳ (۲) صحیح بخاری کتاب الفضائل ذکر ہند ج ۱ ص ۵۳۹ ہند کی بیعت کا واقعہ طبری ج ۳ ص ۱۶۴۳ میں ہے ”ض“ (۳) موطا امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجته قبله ص ۱۹۸ (۴) مشکوۃ کتاب الادب باب المصافحة والمعانقة ص ۳۹۴ بحوالہ ترمذی۔

قبیلے کے رئیس ہیں، وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دیں، ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے، مکرر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمائیے، جس کو دیکھ کر ان کو میرا اعتبار آئے، آپؐ نے عمامۂ مبارک ان کو عنایت فرمایا، جس کو لے کر وہ صفوان کے پاس پہنچے، صفوان نے کہا مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا ڈر ہے، عمیر نے جواب دیا ''صفوان! ابھی تمہیں محمدؐ کے حلم وعفو کا حال معلوم نہیں'' یہ سن کر وہ عمیر کے ساتھ دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عمیر کہتے ہیں کہ تم نے مجھے امان دیا ہے، فرمایا ''سچ ہے'' صفوان نے کہا ''تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو'' ارشاد ہوا کہ ''دو نہیں تم کو چار مہینے کے مہلت دی جاتی ہے۔''

اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے، یہ واقعہ بہ تفصیل ابن ہشام میں مذکور ہے۔ (۱)

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی، حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، کفار نے مزاحمت کی، ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرا دیا، جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا، اس کے علاوہ اور بھی بعض جرائم کا وہ مرتکب ہوا تھا، اور اسی بنا پر فتحِ مکہ کے وقت ہبار اشتہاریانِ قتل میں داخل تھا، چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ داعیِ ہدایت نے خود آستانۂ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے، میری نسبت آپؐ کو جو خبریں پہنچی تھیں وہ صحیح تھیں، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں، دفعتاً بابِ رحمت وا تھا اور دوست ودشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔ (۲)

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے، غزواتِ نبویؐ کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباسؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو آپؐ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمرؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپؐ نے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنا دیا،

(۱) ج ۲ ص ۲۷۶، ۲۷۷ (۲) اصابہ ذکر ہبار ج ۶ ص ۲۷۹، ۲۸۰ بروایت ابن اسحاق وغیرہ۔

فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہوگا۔" (۱) کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا، اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنوحنیفہ کا قبیلہ تھا، جس میں مسیلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا، ثمامہ بن اثال اس قبیلہ کے رؤسا میں تھا، اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا، گرفتار کر کے مدینہ لے آئے، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا جائے، اس کے بعد آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو، اس نے کہا "اے محمدؐ! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گذار پر احسان ہوگا اور اگر زرفدیہ چاہتے ہو تو تم مانگو میں دوں گا"، یہ جواب سن کر آپؐ خاموش رہے، دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی، تیسرے دن بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو اور آزاد کر دو، ثمامہ پر اس خلافِ توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں واپس آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپؐ سے زیادہ مبغوض نہ تھا اور اب آپؐ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں، کوئی مذہب آپؐ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپؐ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور اب وہی پسندیدہ ہے۔"

قریش کی ستم گری و جفا گری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں، یاد ہوگا کہ شعبِ ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے اور یہ بے درد ان کی آوازیں سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے لیکن معلوم ہے کہ رحمتِ عالمؐ نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن اثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیلِ مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انھوں نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہؐ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا" اس بندش سے مکہ میں

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم فتح مکہ مع فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۔

اناج کا کال پڑ گیا، آخر گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا، حضورؐ کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھالو، چنانچہ پھر حسب دستور غلہ جانے لگا)۔(۱)

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ: کفار کے ساتھ آپؐ کے حسنِ خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مورخینِ یورپ مدعی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا، اس لیے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں، جب کہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔

(ابوبصرہ غفاری کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے، مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر مہمان رہے، رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپؐ نے کچھ نہ فرمایا، رات بھر تمام اہل بیتِ نبویؐ بھوکا رہا۔(۲)

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں، شب کو ایک کافر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا، آپؐ نے بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا، پھر تیسری، پھر چوتھی، یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور وہ سب دودھ پیتا گیا، آنحضرت ﷺ نے کوئی تنغص ظاہر نہ فرمایا، شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔(۳)

حضرت اسماؓ بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں، اعانت خواہ، مدینہ حضرت اسماؓ کے پاس آئیں، ان کو خیال ہوا کہ اہلِ شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا ''ان کے ساتھ نیکی کرو۔''(۴) حضرت ابوہریرہؓ کی ماں کافرہ تھیں اور بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں، جہالت سے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتی تھیں، ابوہریرہؓ نے خدمتِ اقدس میں عرض کی، آپؐ نے بجائے غیظ و غضب کے دعا

(۱) ثمامہ کا پورا واقعہ صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفۃ ج ۲ ص ۶۲۷ میں ہے، آخری ٹکڑا ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱۴ میں مذکور ہے (۲) مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۹۷ (۳) جامع ترمذی ابواب الاطعمہ باب ان المومن یاکل فی معٔ واحد ص ۳۰۷ (۴) صحیح بخاری کتاب الادب باب صلۃ الولد المشرک ج ۲ ص ۸۸۴۔

کے لیے ہاتھ اٹھائے۔(۱)

آنحضرت ﷺ کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد تھا، روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا، ان کے پاس رہتا، ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو اس سے ادا کردیا کرتے، ایک دفعہ بازار جارہے تھے، ایک مشرک نے دیکھا، ان سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو، انھوں نے قبول کیا، ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا اور ان سے کہا "او حبشی!" انھوں نے اس بدتہذیبی کے جواب میں "لبیک" کہا، بولا "کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہیں، تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا" یہ عشا پڑھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور سارا حال بیان کرکے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے، کل وہ مشرک آکر مجھ کو فضیحت کرے گا، اس لیے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں، پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا، تو واپس آجاؤں گا، غرض رات کو جا کر سو رہے اور سامان سفر یعنی تھیلا، جوتی، ڈھال، سر کے نیچے رکھ لی، صبح اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہا، آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا ہے، یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مبارک ہو، یہ اونٹ رئیسِ فدک نے بھیجے ہیں، انھوں نے بازار میں جا کر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کرکے مسجد نبویؐ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہو گیا۔(۲)

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے، جو ہجرت کا ساتواں سال ہے، حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے، ایک مشرک ان کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ "تجھ سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا" حضرت بلالؓ اس کی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ یہ باتیں سنتے ہیں لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے، نہ بلالؓ کی حمایت اور دل دہی کی تدبیر کرتے، اتفاق سے غلہ آجاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کیا جاتا ہے، یہ حلم وعفو، یہ تحمل رحمتِ عالم کے سوا کس سے ہو سکتا ہے؟

(۱) اصابہ ج ۴ ص ۲۰۶ ذکر ابوہریرہؓ (۲) ابوداؤد ج ۲ کتاب الخراج والامارۃ باب قبول ھدایا المشرکین ص ۳۱۔

سب سے مشکل معاملہ منافقین کا تھا، یہ کفار کا ایک گروہ تھا، جس کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا، آنحضرت ﷺ جس زمانہ میں مدینہ میں تشریف لائے، اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کرلیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرماں روا بنا دیا جائے، جنگِ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا، اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہوگئی، یہ لوگ درپردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے، قریش اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے، ان کو مسلمانوں کے مخفی رازوں کی خبر دیتے رہتے، بااین ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے، جمعہ جماعت میں شریک ہوتے اور لڑائیوں میں ساتھ جاتے تھے، آنحضرت ﷺ ان کے حالات اور ایک ایک کے نام ونشان سے واقف تھے لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام، دلوں کے اسرار سے نہیں، بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں، اس لیے آپؐ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے، یہاں تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا لیکن فیاض دلی اور عفو وحلم کے اقتضا سے آپؐ ان سے ہمیشہ حسنِ اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا، انصاری نے کہا ”یاللانصار“ (یعنی انصار کی دہائی) مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہیں“ دونوں رک گئے، عبداللہ بن ابی نے سنا تو کہا مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا، ساتھیوں سے کہا آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھالو، یہ خود تباہ ہوجائیں گے، چنانچہ قرآن مجید میں یہ واقعہ مذکور ہے:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا. (منافقون۔۶۳:۷)	یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تا کہ وہ منتشر ہوجائیں۔
يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. (منافقون۔۶۳:۸)	کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے، اس نے صاف انکار کیا، حضرت عمرؓ موجود تھے، بولے یارسول اللہ ﷺ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں،

آپؐ نے فرمایا لوگ چرچا کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔(۱)

جنگ احد میں عبداللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا، جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا، تاہم آنحضرت ﷺ نے درگذر فرمایا (اور وہ جب مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباسؓ کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا، مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود آپؐ نے اپنا قمیص مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا۔(۲)

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ: خلقِ عمیم میں کافر و مسلم، دوست و دشمن، عزیز و بے گانہ کی تمیز نہ تھی، ابرِ رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا، (یہود کو آنحضرت ﷺ سے جس شدت کی عداوت تھی، اس کی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپؐ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا، آپؐ ان میں ان ہی کی تقلید فرماتے۔(۳)

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسرِ بازار کہا ’’قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیا پر فضیلت دی‘‘ ایک صحابیؓ یہ کھڑے سن رہے تھے، ان سے رہا نہ گیا، انھوں نے پوچھا کیا محمد ﷺ پر بھی؟ اس نے کہا ’’ہاں‘‘ انھوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے مار دیا، آنحضرت ﷺ کے عدل اور اخلاق پر دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپؐ نے ان صحابیؓ پر برہمی ظاہر فرمائی۔(۴)

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی، اس نے کہا کہ ’’آپؐ جو فرماتے ہیں اس کو بجالاؤ‘‘ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔(۵)

ایک دفعہ سرِ راہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپؐ کھڑے ہو گئے۔(۶)

ایک دفعہ چند یہودی آپؐ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت ہو) کہا حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آکر ان کو بھی سخت جواب دیا لیکن آپؐ نے

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ منافقون ج ۲ ص ۷۲۸ (۲) بخاری میں یہ واقعہ متعدد روایتوں و متعدد طریقوں سے منقول ہے۔

(۳) بخاری کتاب الصوم باب صیام یوم عاشوراء ج ۱ ص ۲۶۸ وغیرہ (۴) صحیح بخاری کتاب الفضائل ذکر موسیٰ ص ۴۸۴۔

(۵) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی ج ۱ ص ۱۸۱۔ (۶) ایضاً باب من قام لجنازۃ یہودی ج ۱ ص ۱۷۰۔

روکا اور فرمایا ”عائشہؓ بدزبان نہ بنو، نرمی کرو، اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔(۱)

یہودیوں کے ساتھ دادوستد کرتے تھے، ان کے سخت وناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے، یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے، اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں، ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ ”محمد ﷺ! دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے“ آپؐ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔

نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کی مہمان داری کی، مسجدِ نبویؐ میں ان کو جگہ دی، بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپؐ نے منع فرمایا۔(۲)

یہود ونصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے، نکاح ومعاشرت کی اجازت دی اور ان کے لیے مخصوص امتیازی احکام شریعت اسلامیہ میں جاری فرمائے۔)

غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت: (مسلمانوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی دولت مند بھی اور فاقہ کش بھی لیکن آنحضرت ﷺ کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا، بلکہ غریبوں کے ساتھ آپؐ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی، ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے آپؐ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہِ احدیت سے اس پر باز پرس ہوئی، مکہ کا واقعہ ہے، آنحضرت ﷺ کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے اور آپؐ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتفاق سے عبداللہ بنؓ ام مکتوم جو آنکھوں سے معذور غریب تھے، ادھر آنکلے اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر آپؐ سے باتیں کرنے لگے، رؤسائے قریش چوں کہ سخت متکبر اور فخار تھے، ان کو یہ برابری ناگوار گذری، آپؐ نے ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس امید پر ان ہی سے باتیں کرتے رہے کہ شاید اشقیا اسلام کی سعادت قبول کرلیں اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اتری: (۳)

عَبَسَ وَتَوَلّٰی. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی. وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ — پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الادب ج ۲ ص ۲۳۹ باب النهی عن ابتداء اهل الکتاب بالسلام (۲) زاد المعاد ج ۲ ص ۳۵
(۳) ترمذی تفسیر سورہ عبس ص ۵۵۴۔

يَزَّكّٰى اَوْيَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى. اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى. فَاَنْتَ لَهُ تَصَدّٰى. وَمَاعَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى. وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى. وَهُوَ يَخْشٰى. فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى. كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ. فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ. (عبس۔۸۰:۱-۱۲)

(اے پیغمبر) تجھے کیا خبر کہ تیری باتوں سے وہ پاک ہو جاتا، یا نصیحت حاصل کرتا، تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی لیکن جو بے پروائی برتتا ہے، اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک وصاف نہ بنے اور تیرے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے، نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت عام ہے، جو چاہے اس کو قبول کرے۔

یہی غربا اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جاں نثار بنے تھے، آنحضرت ﷺ ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو رؤسائے قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھ کر استہزاءً کہتے تھے:

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْۢ بَيْنِنَا. (انعام۔۶:۵۳) یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔

لیکن آپؐ ان کے اس استہزا کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے، آپؐ نے ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ ان ہی غریبوں کی بدولت آتی ہے۔'' (۱)

اسامہؓ بن زید سے فرمایا ''میں نے درِ جنت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب مفلس ہی لوگ اس میں داخل ہیں۔'' (۲)

عبداللہ بن عمروؓ بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اس اثنا میں آپؐ تشریف لے آئے اور ان ہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے، یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا آپؐ نے فرمایا ''فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔'' عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ''میں نے دیکھا کہ یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی ان ہی میں ہوتا۔'' (۳)

ایک دفعہ آپؐ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گذرا، آپؐ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ ''اس کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ یہ امرا کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں، خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے

(۱) مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب فضل الفقراء ص ۴۳۸ بروایت صحیح بخاری (۲) حوالہ مذکور بروایت بخاری ومسلم

(۳) حوالہ مذکور ص ۴۴۰، ۴۴۱ بروایتِ دارمی۔

تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے۔" یہ سن کر آپؐ خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب اسی راہ سے گذرے، آپؐ نے پھر اس سے استفسار فرمایا کہ "اس کی نسبت کیا کہتے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! "یہ فقرائے مہاجرین میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا جائے اور سفارش کرے تو رد کر دی جائے، اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے" ارشاد ہوا کہ "تمام روئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے یہ ایک غریب بہتر ہے۔" (۱)

آنحضرت ﷺ اکثر دعا میں فرماتے تھے "خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔" حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا، یارسول اللہ! ﷺ یہ کیوں؟ فرمایا "اس لیے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے" پھر فرمایا "اے عائشہؓ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہؓ غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔" (۲)

ایک دفعہ چند غریب مسلمانوں نے آ کر خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ! امرا ہم سے درجۂ اخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں، نماز، روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں، وہ بھی کرتے ہیں لیکن صدقات وخیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں، ان سے ہم محروم ہیں، آپؐ نے فرمایا "کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے" عرض کی ہاں یارسول اللہ! بتایئے "ارشاد ہوا ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ دفعہ سُبحانَ اللّٰہ اور الحمدُلِلّٰہ، اللّٰہ اکبر پڑھ لیا کرو کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کر دیا، فرمایا ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ (الجمعہ ۶۲:۴) یعنی یہ خدا کی دین ہے جس کو چاہے دے۔ (۳)

مسلمانوں سے جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا کہ:

تؤخذ من اغنياء هم وترد على فقرائهم. (۴) ہر قبیلہ کے یا ہر شہر کے امرا سے لے کر وہیں کے غربا میں تقسیم کر دی جائے۔

(۱) حوالہ مذکور ص ۴۳۸ بروایت صحیح بخاری وصحیح مسلم (۲) حوالہ مذکور ص ۴۳۹ بروایت ترمذی وبیہقی وابن ماجہ (۳) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۶ و مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۳ (۴) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۹۔

صحابہؓ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔(۱)

مساوات کے بیان میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ و بلالؓ کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے، ڈانٹا، آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ ''تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا'' یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی، وہ بیمار پڑی، اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مر جائے گی، آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مر جائے تو میں جنازہ کی نماز خود پڑھاؤں گا اس کے بعد دفن کی جائے اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا، اس کا جنازہ جب تیار ہو کر لایا گیا تو آپؐ آرام فرما رہے تھے، صحابہؓ اس وقت آپؐ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھے اور رات کو ہی دفن کر دیا، صبح کو آپؐ نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا، آپؐ یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور صحابہؓ کو ساتھ لے کر دوبارہ اس کی قبر پر جا کر نمازِ جنازہ ادا کی۔(۲)

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافر وار حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے بندھی ہوئی، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی، ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ بے حد متاثر ہوئے، چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب میں آپؐ اندر گئے، باہر آئے، پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کے لیے آمادہ کیا)۔(۳)

دشمنانِ جان سے عفو و درگذر: (جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو درگذر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے، جس شب کو آپؐ نے ہجرت فرمائی ہے، کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمدؐ کا سر قلم کر دیا جائے، اس لیے دشمنوں کا ایک دستہ

---

(۱) ابوداؤ کتاب الزکوٰۃ باب فی الزکوٰۃ تحمل من بلد الیٰ بلد ص۱۶۲ (۲) یہ واقعہ بخاری وغیرہ میں بھی ہے لیکن سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ باللیل ص۲۱۸ سے لیا گیا ہے (۳) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ ج۱ص۳۲۶۔

رات بھر خانۂ نبویؐ کا محاصرہ کیے کھڑا رہا، اگرچہ اس وقت دشمنوں سے انتقام لینے کی آپؐ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف آنحضرت ﷺ کے رحم وکرم پر موقوف تھی لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت ﷺ کے سر کی قیمت مقرر کی تھی اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے، جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے آپؐ کے قریب پہنچے، آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھ کر اپنی نیت بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سندِ امان لکھ دی جائے، چنانچہ سندِ امان لکھ کر ان کو دی گئی (۱) اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرفِ سوال بھی درمیان میں نہیں آیا۔ (۲)

عمیر بن وہب آنحضرت ﷺ کا سخت دشمن تھا، مقتولینِ بدر کے انتقام کے لیے جب سارا قریش بے تاب تھا، تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ وہ چپکے سے جا کر نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کا کام تمام کر دے، عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آیا لیکن وہاں پہنچنے کے ساتھ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا، حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی لیکن آپؐ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتیں کیں اور اصلی راز ظاہر کر دیا، یہ سن کر وہ سناٹے میں آ گیا لیکن آپؐ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا، یہ دیکھ کر وہ اسلام لایا اور مکہ میں جا کر دعوتِ اسلام پھیلائی، یہ واقعہ ۲ ہجری کا ہے۔ (۳)

ایک دفعہ آپؐ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ایک میدان آیا، دھوپ تیز تھی، لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگا دیئے، آنحضرت ﷺ نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا، تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی، کفار موقع کے منتظر رہتے تھے، لوگوں کو غافل دیکھ کر ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آ کر بے خبری میں تلوار اتار لی، دفعتاً آپؐ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سرہانے کھڑا ہے اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے، آپ کو بیدار دیکھ کر بولا ''کیوں محمد ﷺ! اب

---

(۱) صحیح بخاری باب الہجرۃ ج ۱ ص ۵۵۴ (۲) سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کا حال، استیعاب ج ۲ ص ۵۹۷ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۱۹ھ واصابہ ج ۲ ص ۱۹ وغیرہ میں دیکھو (۳) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۳۵۲ تا ۱۳۵۴ بروایت عروہ بن زبیرؓ۔

بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''اللہ'' یہ پُر اثر آواز سن کر اس نے تلوار نیام میں کرلی، اتنے میں صحابہؓ آگئے، آپؐ نے ان سے واقعہ دہرایا اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔(۱)

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہؓ اس کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کے سامنے لائے، وہ آپؐ کو دیکھ کر ڈر گیا، آپؐ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا ''ڈرو نہیں اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کر سکتے تھے۔''(۲)

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ منھ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر کر آیا اور چھپ کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے:(۳)

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم. (فتح۔۴۸:۲۴)	اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لیے۔

خیبر میں ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کو کھانے میں زہر دیا، آپؐ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا، آپؐ نے یہودیوں کو بلا کر دریافت کیا تو انھوں نے اقرار کیا لیکن آپؐ نے کسی سے کچھ تعرض نہیں فرمایا لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی نے انتقال کیا تو آپؐ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خود آنحضرت ﷺ کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا۔)(۴)

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر: دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے، جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو ان کے تشنۂ خون ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں، ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت ﷺ پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے، اس داستان کے دہرانے کے لیے بھی سنگ دلی درکار ہے، اسی زمانہ میں خبابؓ بن ارت ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! دشمنوں کے حق میں بددعا فرمایئے، یہ سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا(۵) ایک دفعہ

(۱) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب تفرق الناس عن الامام عند القائلة ج۱ص۴۰۸ (۲) مسند ابن حنبل ج۳ص۴۷۱
(۳) جامع ترمذی تفسیر سورہ فتح ص۵۴۰ (۴) صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ ووفاته ج۲ص۶۳۷
(۵) صحیح بخاری کتاب الفضائل باب مالقی النبیؐ ج۱ص۵۴۳۔

چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا کہ "میں دنیا کے لیے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" (۱)

وہ قریش جنھوں نے تین برس تک آپؐ کو محصور رکھا اور جو آپؐ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے پہنچنے کے روادار نہ تھے، ان کی شرارتوں کی پاداش میں دعائے نبویؐ کی استجابت نے ابرِ رحمت کا سایہ ان کے سر سے اٹھا لیا اور مکہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "محمد ﷺ! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو۔" آپؐ نے بلا عذر فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔ (۲)

جنگِ احد میں دشمنوں نے آپؐ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندانِ مبارک کو شہید کیا، جبین اقدس کو خون آلودہ کیا لیکن ان حملوں کا وار آپؐ نے جس سپر پر روکا وہ صرف یہ دعا تھی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قومی فَاِنّھم لایعلمون. (۳) خدایا، ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہیں۔

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزا اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طائف جس نے داعیِ اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا، ان کی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے، جواب ملتا ہے کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو" (۴) دس بارہ برس کے بعد یہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے، جاں نثاروں کی لاشیں پر لاشیں گر رہی ہیں، صحابہؓ عرض کرتے ہیں کہ "یارسول اللہ ﷺ! ان کے حق میں بددعا کیجئے"۔ آپؐ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور ان کے حق میں بددعا فرمائیں گے لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں "خداوندا! ثقیف (اہلِ طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا" (۵) وہ تیر جو میدان جنگ میں نشانہ پر نہیں لگے تھے، وہ مدینہ کے صحنِ مسجد میں زبان مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے، یعنی وہ مدینہ آکر خاص مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر، جہاں وہ مہمان ٹھہرائے گئے تھے، مسلمان ہوئے۔ (۶)

---

(۱) مشکوٰۃ اخلاق النبی ص ۵۱۱ بحوالہ صحیح مسلم (۲) صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان ج ۲ ص ۷۱۵ (۳) صحیح بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد ج ۲ ص ۵۸۳ مع فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۶ (۴) زرقانی ج ۱ ص ۳۴۶ بروایت بخاری و مسلم (۵) ابن سعد، جزء ثانی قسم اول ص ۱۱۵ (۶) زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۔

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا، طفیلؓ بن عمرو دوسی اسی قبیلہ کے رئیس تھے، وہ قدیم الاسلام تھے، مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا، ناچار وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور قبیلے کی حالت عرض کر کے گذارش کی کہ ان کے حق میں بددعا فرمایئے، لوگوں نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک نہیں رہا لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے جن الفاظ میں دعا فرمائی، وہ یہ تھے: (۱)

اللّٰھم اھد دوسا وائت بھم. خداوندا! دوس کو ہدایت کر اور ان کو لا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ماں مشرکہ تھیں، اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے وہ ابا کرتی تھیں، ایک دن انھوں نے اسلام کی دعوت دی تو ان کی ماں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی، حضرت ابو ہریرہؓ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے اور اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا، آپؐ نے دعا کی ''الٰہی ابو ہریرہؓ کی ماں کو ہدایت نصیب کر'' وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کہ کواڑ بند ہیں اور ماں نہا رہی ہیں، غسل سے فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا۔ (۲)

عبداللہ بن ابی ابن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا، اور کوئی موقع اس نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور علانیہ استخفاف واہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا، کفارِ قریش کے ساتھ اس کی خفیہ خط و کتابت تھی، غزوۂ احد میں عین موقع پر اپنے ہم راہیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو گیا، واقعۂ افک میں حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگے تھا، بااین ہمہ اس کی فرد جرم کو رحمت عالمؐ کا حلم وعفو ہمیشہ دھوتا رہا، وہ مرا تو آپؐ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی، اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ''یارسول اللہ ﷺ! آپؐ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا، یہ سن کر آپؐ متبسم ہوئے اور فرمایا ''ہٹو اے عمرؓ'' جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا ''اگر مجھے اختیار دیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اگر ستّر دفعہ میں نماز پڑھوں تو اس شخص کی بخشش ہو سکتی ہے تو میں اس سے بھی زیادہ پڑھتا۔'' (۳)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الفضائل مناقب دوس ج ۲ ص ۳۶۷ (۲) صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہؓ جلد ۲ ص ۳۵۷ (۳) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من الصلوۃ علی المنافقین ج ۱ ص ۱۸۲۔

بچوں پر شفقت: بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے، معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے (۱) (راستہ میں بچے مل جاتے تو ان کو خود سلام کرتے) (۲)

ایک دن خالدؓ بن سعید خدمت اقدسؐ میں آئے، ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن میں تھا، آپؐ نے فرمایا سَنہ سَنہ، حبشی زبان میں حسنہ کو سَنہ کہتے ہیں، چونکہ ان کی پیدائش حبش میں ہوئی تھی، اس لیے آپؐ نے اس مناسبت سے حبشی تلفظ میں حسنہ کے بجائے سَنہ کہا، آنحضرت ﷺ کے پشت پر جو مہر نبوت تھی ابھری ہوئی تھی، بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں، وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگیں، خالدؓ نے ڈانٹا، آنحضرت ﷺ نے روکا کہ کھیلنے دو۔ (۳)

ایک دفعہ آپؐ کے پاس کہیں سے کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر بھی تھی، جس میں دونوں طرف آنچل تھے، آپؐ نے حاضرین سے کہا یہ چادر کس کو دوں، لوگ چپ رہے، آپؐ نے فرمایا "ام خالدؓ کو لاؤ" (۴) وہ آئیں تو آپؐ نے ان کو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا "پہننا اور پرانی کرنا" چادر میں جو بوٹے تھے، آپؐ ان کو دکھا دکھا کر فرماتے تھے، ام خالدؓ دیکھنا یہ سناہ ہے یہ سناہ ہے (۵) اوپر گذر چکا ہے کہ ام خالدؓ حبش میں پیدا ہوئی تھیں اور کئی مہینے تک وہیں رہی تھیں، اس لیے ان سے حبشی زبان میں خطاب کیا۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا تھا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا، لوگ مجھ کو خدمتِ اقدس میں لے گئے، آپؐ نے پوچھا ڈھیلے کیوں مارتے ہو، میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لیے، ارشاد فرمایا کہ کھجوریں جو زمین پر ٹپکتی ہیں، ان کو اٹھا کر کھا لیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہہ کر سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ (۶)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل عبداللہ بن جعفر ج۲ص۳۳۲ (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب فی السلام علی الصبیان ج۲ص۳۲۲وص۷۰۷ مطبوعہ کلکتہ (۳) بخاری کتاب الادب باب من ترک صبیة غیرہ حتی تلعب الخ ج۲ص۸۸۶ (۴) بخاری میں ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھیں کہ لوگ ان کو گود میں اٹھا کر لائے۔ (۵) بخاری کتاب اللباس باب الخمیصة السوداء ج۲ص۸۶۶، سناہ حبشی میں حسن کو کہتے ہیں (ایک روایت میں سنہ سنہ کا لفظ ہے "ض") (۶) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ابن السبیل یاکل من التمر ج۱ص۲۵۹وص۳۵۲ کلکتہ۔

ماں بچے کی محبت کے واقعات سے آپؐ پر سخت اثر ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی، دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھیں، اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ نہ تھا، ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی، وہی اٹھا کر دے دی، عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور دونوں میں برابر تقسیم کر دیا، آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سنایا، ارشاد فرمایا ''خدا جس کو اولاد کے محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجالائے وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔(۱)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے، میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں گا، دفعتاً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔(۲)

(یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے، آپؐ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے، ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ مشرکین کے بچے تھے، آپؐ نے فرمایا ''مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔''(۳)

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمت اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا، اس کو عنایت فرماتے (۴) بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپؐ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا، اس نے کہا ''تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو، میرے دس بچے ہیں، مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا'' آپؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں۔''(۵)

جابرؓ بن سمرہ صحابی تھے، وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد الخ ج۲ص ۸۸۷ (۲) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الایجاز فی الصلوٰۃ واکمالہا ج۱ص ۹۸ (۳) مسند ابن حنبل ج۳ص ۴۳۵ (۴) معجم صغیر طبرانی باب المیم معجم محمد۔ص ۱۶۳ مطبع انصاری دہلی ۱۸۹۴ء (۵) صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد ج۲ص ۸۸۷ و مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ الصبیان ج۲ص ۲۹۱و۲۹۲۔

آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپؐ اپنے گھر کی طرف چلے، میں بھی ساتھ ہولیا کہ ادھر سے چند اور لڑکے نکل آئے، آپؐ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔(۱)

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں آپؐ کا داخلہ ہو رہا تھا، انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گارہی تھیں، جب آپؐ کا ادھر گذر ہوا، فرمایا ’’اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو‘‘ سب نے کہا ’’ہاں یارسول اللہ!‘‘ فرمایا ’’میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔‘‘(۲)

حضرت عائشہؓ کم سنی میں بیاہ کر آئی تھیں، محلہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں، آپؐ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپؐ کا لحاظ کر کے ادھر اُدھر چھپ جاتیں، آپؐ انھیں تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے۔(۳)

غلاموں پر شفقت: آنحضرت ﷺ غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ’’یہ تمہارے بھائی ہیں، جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ۔‘‘(۴) آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے، ان کو آپؐ ہمیشہ آزاد فرمادیتے تھے، لیکن وہ حضورؐ کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہوسکتے تھے، ماں، باپ، قبیلہ، رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپؐ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زیدؓ بن حارثہ غلام تھے، آنحضرت ﷺ نے اُن کو آزاد کردیا، ان کے باپ ان کو لینے آئے لیکن وہ آستانۂ رحمت پر باپ کے ظلِ عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کردیا(۵) زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ سے آپؐ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو میں اس کو زیور پہناتا، خود اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔(۶)

غلاموں کو لفظ ’’غلام‘‘ کا سن کر اپنی نظروں میں اپنی آپ ذلت محسوس ہوتی تھی، آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، فرمایا کوئی ’’میرا غلام‘‘، ’’میری لونڈی‘‘ نہ کہے ’’میرا بچہ‘‘، ’’میری بچی‘‘ کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو ’’خداوند‘‘ نہ کہیں، خداوند خدا ہے، ’’آقا‘‘ کہیں۔(۷)

(۱) صحیح مسلم کتاب الفضائل بـاب طیـب رائـحة النبی ﷺ ج۲ص۲۹۴ (۲) سیرۃ جلد اول، ہجرت ص۱۸۹ (طبع جدید ۱۹۹۷ء) (۳) ابوداؤد کتاب الادب بـاب فی اللعب بالبنات ج۲ص۱۹۷، ص۶۷۵ مطبوعہ کلکتہ (۴) الادب المفرد بـاب لایکلف العبد من العمل ص۴۰ وباب یطعم العبد مما یاکل ص۴۱ مطبوعہ نظارت مصر ۱۳۰۴ھ (۵) فتح الباری ج۷ص۶۹ (۶) طبقات ابن سعد، جزء اول، قسم ثانی ص۴۳ (۷) الادب المفرد باب لایقول عبدی ص۴۳ مطبوعہ معارف نظارت ۱۳۰۴ھ۔

آنحضرت ﷺ کو غلاموں پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ ''غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرنا۔'' (۱)

حضرت ابوذرؓ بہت قدیم الاسلام صحابی تھے اور آنحضرت ﷺ ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے، ایک دفعہ انھوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو برا بھلا کہا، غلام نے آنحضرت ﷺ سے جا کر شکایت کی، آپؐ نے ابوذرؓ کو زجر فرمایا کہ ''تم میں اب تک جہالت باقی ہے، یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے، اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو، جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہ ان کو پہناؤ، ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں اور اگر اتنا کام دو تو خود بھی ان کی اعانت کرو۔'' (۲)

ایک دفعہ ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی، ابو مسعود! تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے، خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے، ابو مسعودؓ نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ تھے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا، فرمایا ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتشِ دوزخ تم کو چھو لیتی۔''

ایک شخص خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا، عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟'' آپؐ خاموش رہے، اس نے پھر عرض کی، آپؐ نے پھر خاموشی اختیار کی، اس نے تیسری بار عرض کی، آپؐ نے فرمایا ''ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔''

آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی، ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لونڈی کو تھپڑ مارا، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو، لوگوں نے کہا ''یا رسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادمہ ہے، آپؐ نے فرمایا ''اچھا اس وقت تک خدمت گذاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ، جب حاجت نہ رہے، تو وہ آزاد ہے۔'' (۳)

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے، جن کے وہ بہت شاکی تھے، وہ ان کو مارتے تھے، برا

---

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک ج۲ ص۳۱۸ (۲) بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاھلیۃ ج۱ ص۹ و ابوداؤد، کتاب الادب حوالہ سابق (۳) یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الادب باب حق المملوک ج۱ ص۳۱۸ میں مذکور ہے۔

بھلا کہتے تھے لیکن وہ دونوں باز نہ آتے تھے، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا، آپؐ نے فرمایا ''تمہاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہوگی، اس کے برابر تمہیں بھی خدا سزا دے گا'' یہ سن کر وہ بے قرار ہو گئے اور گریہ وزاری شروع کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا، وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ، الخ (انبیاء۔۲۱: ۴۷) یہ سن کر انھوں نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! بہتر یہ ہے کہ میں ان کو اپنے سے جدا کردوں، آپؐ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں۔'' (۱)

غلاموں کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے، جبراً ان میں تفریق کر دیتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا اور پھر دونوں میں علاحدگی کرنی چاہی، غلام نے خدمتِ نبویؐ میں آکر شکایت کی، آپؐ نے منبر پر خطبہ دیا کہ ''لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں، نکاح وطلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔'' (۲)

اسی رحم وشفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آپؐ انھیں آزاد فرما دیتے تھے (۳) مالِ غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپؐ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے (۴) جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے، چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا، اس لیے جو آمدنی وصول ہوتی تھی، اس میں سب سے پہلے آپؐ انہی کو عنایت فرماتے تھے۔)

مستورات کے ساتھ برتاؤ: دنیا میں یہ صنفِ ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہیں، اس لیے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیشِ نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے، جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت ومنزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی، اس لیے شارعِ اسلام کے واقعاتِ زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرزِ عمل کیا تھا۔

(۱) مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۲۸۰ (۲) سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق باب طلاق العبد ص ۱۵۲ (۳) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی عبید المشرکین یلحقون بالمسلمین ج ۱ ص ۲۶۸ وص ۳۶۸ مطبوعہ کلکتہ ومسند احمد ج ۱ ص ۲۴۳ (۴) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قسم الفیٔ ج ۲ ص ۱۸ وص ۴۱۰ مطبوعہ کلکتہ۔

صحیح بخاری (۱) میں آنحضرت ﷺ کے ایلا (ازواج مطہرات سے چند روز علاحدگی) کی جو روایت مذکور ہے، اس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابلِ التفات سمجھتے تھے، مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں،'' آنحضرت ﷺ نے جس طرح اپنے ارشاد واحکام سے ان کے حقوق قائم کیے، آپؐ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا، ازواجِ مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں، یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے دربار میں چوں کہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا، عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اس لیے ہمارے لیے ایک دن خاص مقرر کر دیا جائے، آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی (۲) اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

جن لوگوں نے آغاز اسلام میں حبش ہجرت کی تھی، ان میں اسما بنت عمیس بھی تھیں، خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین حبش مدینہ میں آئے تو وہ بھی آئیں، ایک دن وہ حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں، اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں، حضرت حفصہؓ نے نام بتایا، حضرت عمرؓ نے کہا ''ہاں وہ حبش والی وہ سمندر والی'' اسماءؓ بنت عمیس نے کہا ہاں وہی، حضرت عمرؓ نے کہا ''ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی اور اس لیے رسول اللہ ﷺ پر ہمارا زیادہ حق ہے۔'' اسماءؓ کو سخت غصہ آیا، بولیں ''ہرگز نہیں، تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور، بے گانے حبشیوں میں رہتے تھے، لوگ ہم کو ستاتے تھے اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ آگئے، اسماءؓ نے کہا ''یا رسول اللہ! عمرؓ نے یہ یہ کہا'' آپؐ نے فرمایا تم نے کیا جواب دیا، انھوں نے ماجرا سنایا، آپؐ نے فرمایا ''عمرؓ کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں، عمر اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں۔''

---

(۱) کتاب التفسیر سورۂ تحریم باب قولہ قد فرض اللہ لکم الخ ج۲ص۷۲۹ (۲) صحیح بخاری کتاب العلم باب هل یجعل للنساء یوماً علی حدۃ ج۱ص۲۰۔

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق در جوق اسماءؓ کے پاس آتے اور آنحضرت ﷺ کے الفاظ ان سے بار بار دہروا کر سنتے، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ سے زیادہ مسرت انگیز نہ تھی۔(۱)

حضرت انسؓ بن مالک جو خادم خاص تھے، ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا (جو رضاعت کے رشتہ سے آپؐ کی بھی خالہ تھیں) معمول تھا، جب آپ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے، وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپؐ نوش فرماتے، آپؐ سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں۔(۲)

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ سے آپؐ کو نہایت محبت تھی، آپؐ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے، وہ بچھونا بچھا دیتیں، آپؐ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تو وہ آپؐ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملایا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔(۳)

ایک دفعہ حضرت انسؓ کی دادی مُلیکہ نے آپؐ کی دعوت کی، کھانا خود تیار کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرما کر فرمایا ''آؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں۔'' گھر میں صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی، حضرت انسؓ نے پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیے بچھایا، آنحضرت ﷺ نے امامت کی، حضرت انسؓ اور ان کی دادی اور یتیم (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے، آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی اور واپس آئے۔(۴)

حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی (اسماءؓ) جو حضرت عائشہؓ کی علاتی بہن تھیں، حضرت زبیرؓ سے بیاہی تھیں، مدینہ میں آئیں تو اس وقت حضرت زبیرؓ کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا، حضرت اسماءؓ خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں، حضرت زبیرؓ کو جو زمین آنحضرت ﷺ نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی، وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں، ایک دن وہ گٹھلیاں لیے ہوئے آ رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا، آپؐ اس وقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لیں، حضرت اسماءؓ شرمائیں، آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے،

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر ج۲ص۶۰۷ (۲) بخاری کتاب الجہاد باب الدعاء بالجہاد ج۱ ص۳۹۱ (۳) بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوماً فقال عندھم ج۲ص۹۲۹ (۴) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الحصیر ج۱ص۵۵۔

حضرت اسمأؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا، مجھ کو اس قدر غنیمت معلوم ہوا گویا میں غلامی سے آزاد ہوگئی۔(۱)

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی تھیں، آنحضرت ﷺ سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں، حضرت عمرؓ آئے تو سب اٹھ کر چل دیں، آنحضرت ﷺ ہنس پڑے، حضرت عمرؓ نے کہا خدا آپؐ کو خنداں رکھے، کیوں ہنسے، فرمایا ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ وہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف مخاطب ہوکر کہا ''اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت ﷺ سے نہیں ڈرتیں'' سب نے کہا ''تم رسول اللہ ﷺ کی نسبت سخت مزاج ہو''۔(۲)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آپؐ منہ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے، عید کا دن تھا، چھوکریاں گا بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ان کو گانے دو، ان کی عید کا دن ہے۔''(۳)

عورتیں نہایت دلیری کے ساتھ آپؐ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہؓ کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپؐ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔

چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں، ان کی خاطر داری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خواں تھے، یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے، ایک دفعہ سفر میں ازواجِ مطہرات ساتھ تھیں، انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے، اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا ''انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں۔''(۴)

حیوانات پر رحم: حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے، ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے عرب میں چلے آتے تھے، موقوف کرادیئے، اونٹ کے گلے میں قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا، اس کو روک دیا۔(۵)

(۱) بخاری کتاب النکاح باب الغیرۃ ج۲ص۷۸۶ (۲) صحیح بخاری کتاب الفضائل مناقب عمرؓ بن خطاب ج۱ص۵۲۰ (۳) مسلم کتاب العیدین باب الرخصۃ فی اللعب الخ ج۱ص۳۲۷ (۴) بخاری کتاب الادب باب ماجاء فی قول الرجل ویلک ج۲ص۹۱۰ (۵) صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب کراھۃ قلادۃ الوتر فی رقبۃ البعیر ج۲ص۲۲۴۔

(زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے، اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اس کو منع کردیا(۱) جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ ''دم ان کا مورچھل ہے اور ایال ان کا لحاف ہے'' (۲) جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ ''جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ'' (۳) اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانا ناجائز بتایا، ایک بے رحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشقِ تیراندازی کرتے تھے، اس سنگ دلی کی بھی قطعاً ممانعت کردی۔(۴)

ایک دفعہ ایک گدھا راہ میں نظر پڑا جس کا چہرہ داغا گیا تھا، فرمایا کہ ''جس نے اس کا چہرہ داغا ہے، اس پر خدا کی لعنت ہے'' (۵) علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا، ایسی حالت میں آپؐ ان اعضا کو داغتے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بکریوں کے ریوڑ میں گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بکریوں کے کان داغ رہے ہیں۔(۶)

(ایک بار آپؐ کسی سفر میں جارہے تھے، لوگوں نے مقام پر منزل کیا، وہاں ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا، ایک شخص نے وہ انڈا اٹھالیا، چڑیا بے قرار ہوکر پر مار رہی تھی، آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ ''اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی'' ان صاحب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''وہیں رکھ دو'' (۷)

ایک صحابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، ان کے ہاتھوں میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے بچے تھے، آپؐ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ''ایک جھاڑی سے آواز آرہی تھی جاکر دیکھا تو یہ بچے تھے، میں نے ان کو نکال لیا، پرندہ نے یعنی ان بچوں کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی'' آپؐ نے فرمایا ''جاؤ اور بچوں کو وہیں پھر رکھ آؤ۔'' (۸)

(۱) ترمذی ابواب الصید باب ماجاء ماقطع من الحی الخ ص۲۵۶ (۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی کراھیة جز نواصی الخیل الخ ج ۱ ص ۲۵۳ و ص ۳۴۴ مطبوعہ کلکتہ (۳) ایضاً باب فی الوقوف علی الدابة ج ۱ ص ۲۵۵ و ۳۴۷ مطبوعہ کلکتہ (۴) مسلم کتاب الصید باب النھی عن صبر البھائم ج ۲ ص ۱۵۸ (۵) ایضاً کتاب اللباس باب النھی عن ضرب الحیوان الخ ج ۲ ص ۲۲۳ (۶) ایضاً باب جواز وسم الحیوان ج ۲ ص ۲۲۲ (۷) ادب المفرد امام بخاری باب اخذ البیض من الحمرة ص ۷۶۔ (۸) مشکوٰۃ باب رحمة اللہ بحوالہ ابوداؤد کتاب الجنائز باب الامراض المکفرة للذنوب ج ۲ ص ۳۵۔

ایک بار راستہ میں ایک اونٹ نظر سے گذرا جس کے پیٹ اور پیٹھ شدتِ گرسنگی سے ایک ہوگئے تھے، فرمایا کہ ''ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو'' (۱) ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ میں آپؐ تشریف لے گئے، ایک گرسنہ اونٹ نظر پڑا، آپؐ کو دیکھ کر بلبلایا، آپؐ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا، پھر لوگوں سے اس کے مالک کا نام پوچھا، معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے، ان سے آپؐ نے فرمایا کہ ''اس جانور کے معاملہ میں تم خدا سے نہیں ڈرتے۔'' (۲)

رحمت ومحبتِ عام: حضور انور ﷺ کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آئی تھی، حضرت مسیحؑ نے کہا تھا ''میں امن کا شہزادہ ہوں'' لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں لیکن امن کے شہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ. (الانبیاء۲۱:۱۰۷)　　محمدؐ! ہم نے تم کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تم آنحضرت ﷺ کے حلم وعفو، مسامحت ودرگذر کے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے، نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت میں دوست ودشمن، کافر ومسلم، بوڑھے، بچے، عورت، مرد، آقا وغلام، انسان وحیوان ہر ایک صنفِ ہستی برابر کی حصہ دار تھی۔

ایک صاحب نے آپؐ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضب ناک ہو کر فرمایا ''میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں آیا ہوں، رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' (۳) آپؐ نے دنیا کو پیغام دیا:

لاتباغضوا ولا تحاسدوا ولاتدابروا وکونوا عباداللّٰہ اخوانا. (۴)　　ایک دوسرے پر بغض وحسد نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا:

احب للناس ماتحب لنفسک تکن مسلما. (۵)　　لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلم ہوگے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لایومن احدکم حتی یحب للناس مایحب لنفسہ وحتی یحب المرء لایحبہ الا اللّٰہ عزوجل. (۶)　　تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لیے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہے، جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے لیے پیار نہ کرے۔

---

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایؤمر بہ من القیام علی الدواب ج ۱ص ۳۵۴ و ۳۴۵ مطبوعہ کلکتہ (۲) ایضاً (۳) زرقانی ج ۴ص ۲۸۹ (۴) صحیح بخاری کتاب الادب باب الھجرۃ ج ۲ص ۸۹۷ (۵) جامع ترمذی ابواب الزہد بسند غریب ص ۳۸۳ (۶) مسند احمد ج ۳ص ۲۷۲۔

ایک شخص نے مسجد نبویؐ میں آکر دعا کی ''خدایا! مجھ کو اور محمدؐ کو مغفرت عطا کر'' آپؐ نے فرمایا ''خدا کی رحمت کو تم نے تنگ کر دیا'' (۱) ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبویؐ میں آیا اور آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بولا ''خداوندا! مجھ پر اور محمدؐ پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر'' آپؐ نے صحابہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ'' (۲) یعنی آپؐ نے اس قسم کی دعا کو ناپسند فرمایا۔)

رقیق القلبی: آنحضرت ﷺ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے، (مالک بن حویرث ایک وفد کے رکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، ان کو بیس دن تک مجلس نبویؐ میں شرکت کا موقع ملا تھا، وہ فرماتے تھے:

کان رسول اللہ ﷺ رحیمًا رقیقا. (۳) آنحضرت ﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انھوں نے آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے، مجبوراً آپؐ تشریف لے گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ بھی ساتھ تھے، بچہ کو لوگ ہاتھ میں لے کر سامنے لائے، وہ دم توڑ رہا تھا، بے اختیار آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت سعدؓ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا ''خدا ان ہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔'' (۴)

غزوۂ احد کے بعد جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا، مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں، یہ دیکھ کر آپؐ کا دل بھر آیا اور فرمایا ''حمزہؓ (عم رسول اللہ) کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔'' (۵)

ایک بار ایک صحابیؓ جاہلیت کا اپنا ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی، عرب میں لڑکیوں کے مار ڈالنے کا کہیں کہیں دستور تھا، میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا، وہ ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا، اس بے دردی کو سن کر

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمة الناس والبهائم ج ۲ ص ۸۸۸ (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب من رد عن مسلم غيبة ج ۲ ص ۱۹۴ (باب من ليست له غيبة ج ۲ ص ۶۷۰ مطبوعہ کلکتہ ''ض'') شاید یہ دونوں واقعے ایک ہوں (۳) بخاری کتاب الادب باب رحمة الناس ج ۲ ص ۸۸۸ (۴) صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب عيادة الصبيان ج ۲ ص ۸۴۴۔ (۵) سیرت ج اذکر احد بحوالہ مسند احمد ج ۲ ص ۸۴۔

آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، آپؐ نے فرمایا کہ "اس قصہ کو پھر دہراؤ" ان صحابیؓ نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا، آپؐ بے اختیار روئے یہاں تک کہ روتے روتے محاسنِ مبارک تر ہو گئے۔(۱)

حضرت عباسؓ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھ دیئے تھے اور وہ درد سے کراہتے تھے، ان کے کراہنے کی آواز گوشِ مبارک میں بار بار پہنچ رہی تھی لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ رحم دلی ہے، تاہم نیند نہیں آتی تھی، آپؐ بے چین ہو ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے، لوگوں نے بے قراری کا سبب سمجھ کر گرہیں ڈھیلی کر دیں، حضرت عباسؓ کی کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپؐ نے استراحت فرمایا۔) (۲)

مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے، جو اسلام سے پہلے بہت ناز و نعمت میں پلے تھے، ان کے والدین بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے، خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ دیکھ کر کہ لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے، والدین کی محبت دفعتاً عداوت سے بدل گئی، ایک دفعہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و قاقم میں ملبوس رہتا تھا، اس پر پیوند سے ایک کپڑا اسالم نہ تھا، یہ پُر اثر منظر دیکھ کر آپؐ آب دیدہ ہو گئے۔(۳)

عیادت و تعزیت و غم خواری و عزا: بیماروں کی عیادت میں دوست و دشمن، مومن و کافر کسی کی تخصیص نہ تھی، (سنن نسائی میں ہے **کان النبی ﷺ احسن شیء عیادۃ للمریض**(۴) آنحضرت ﷺ بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے، بخاری و ابوداؤد وغیرہ) میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپؐ عیادت کو تشریف لے گئے۔(۵)

عبداللہ بن ثابتؓ جب بیمار ہوئے اور آپؐ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی، آواز دی، وہ خبر نہ ہوئے، فرمایا "افسوس ابوالربیع تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا"۔ یہ سن کر عورتیں بے اختیار چیخ

(۱) مسند دارمی **باب ما کان علیه الناس قبل مبعث النبی** ص ۳و۴ (۲) طبقات ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۷ (۳) ترغیب و ترہیب ج ۲ ص ۲۴۷ بحوالہ ترمذی و مسند ابویعلیٰ (۴) کتاب الجنائز **باب عدد التکبیر علی الجنازۃ** ص ۳۲۱ (۵) صحیح بخاری کتاب المرضیٰ **باب عیادۃ المشرک** ج ۲ ص ۸۴۴۔

اٹھیں اور رونے لگیں، لوگوں نے روکا، آپؐ نے ارشاد فرمایا ''اس وقت رونے دو، مرنے کے بعد البتہ رونا نہیں چاہیے،'' عبداللہ بن ثابت کی لڑکی نے کہا، مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی، کیوں کہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیے تھے، آپؐ نے فرمایا ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔(۱)

حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا، پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے،(۲) ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپؐ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو گئے، ان پر غشی طاری تھی، پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا، جابر ہوش میں آگئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اپنا ترکہ کس کو دوں، اس پر یہ آیت اتری یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ (۳)(نساء۔۴:۱۱)

ایک صاحب بیمار ہوئے، آپؐ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے، جب انھوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے، آپؐ کو تکلیف ہوگی، خبر نہ کی اور دفن کر دیا، صبح کو معلوم ہوا تو آپؐ نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔(۴)

عبداللہ بنؓ عمرو نے غزوۂ احد میں شہادت پائی تھی اور کافروں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے، ان کی لاش آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی، ان کے صاحب زادے (جابرؓ) آئے اور جوشِ محبت میں چاہا کہ کپڑا اٹھا کر دیکھیں، حاضرین نے روکا، انھوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا، لوگوں نے پھر روک دیا، آنحضرت ﷺ نے دردِ پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے، چادر کا اٹھانا تھا کہ عبداللہؓ کی بہن بے اختیار چلا اٹھیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، رونے کی بات نہیں، فرشتے ان کو اپنے پروں کے سایہ میں لے گئے۔(۵)

ایک دفعہ حضرت سعدؓ بن عبادہ بیمار ہوئے، آپؐ عیادت کو تشریف لے گئے، ان کو دیکھ کر آپؐ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے، آپؐ کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے۔(۶)

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا(۷) مر گیا تو لوگوں نے آپؐ کو خبر نہ کی، ایک دن

---

(۱) ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی فضل من مات فی الطاعون ج۲ص۳۷ وص۴۴۳ مطبوعہ کلکتہ (۲) ایضاً باب المشی فی العیادۃ ص۳۶ وص۴۴۱ مطبوعہ کلکتہ (۳) صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ نساء آیت مذکور ج۲ص۶۵۸ (۴) بخاری کتاب الجنائز باب صفوف الصبیان ج۱ص۱۷۶ (۵) بخاری کتاب الجنائز ج۱ص۱۷۲ (۶) ایضاً باب البکاء عند المریض ج۱ص۱۷۴ (۷) ایضاً باب الصلوٰۃ علی القبر ص۱۷۸ میں ابوہریرہؓ کی روایت کے راوی نے شک کیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت، لیکن دوسری روایتوں میں اس کا عورت ہونا بہ تحقیق ذکر ہے (ام محجن اس کا نام تھا)۔

آپؐ نے اس کا حال دریافت فرمایا، لوگوں نے کہا وہ انتقال کر گیا، ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھ کو خبر نہ کی، لوگوں نے اس کی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپؐ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی) آپؐ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔(۱)

جنازہ جاتا تو آپؐ کھڑے ہو جاتے، بخاری میں روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو یا اس کے ساتھ جاؤ، ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے۔(۲)

اگرچہ آپؐ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے، خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپؐ کو سخت صدمہ ہوتا تھا، تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے، حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی تھے) سے آپؐ کو نہایت محبت تھی، جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپؐ مجلسِ ماتم میں بیٹھے، اسی حالت میں کسی نے آ کر کہا کہ جعفرؓ کی عورتیں رو رہی ہیں، آپؐ نے فرمایا جا کر منع کر دو، وہ گئے اور واپس آ کر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپؐ نے دوبارہ منع کرا بھیجا، پھر بھی وہ باز نہ آئیں، سہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ باز نہ آئیں تو فرمایا کہ جا کر ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔(۳)

لطفِ طبع: کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے، ایک دفعہ حضرت انسؓ کو پکارا تو فرمایا ''او دو کان والے'' (۴) اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انسؓ نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے، حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی کا نام ابوعمیر تھا، وہ کم سن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا، اتفاق سے وہ مر گیا، ابوعمیر کو بہت رنج ہوا، آپؐ نے ان کو غم زدہ دیکھا تو فرمایا **یااباعمیر مافعل النغیر** (۵) یعنی ابوعمیر تمہارے ممولے نے یہ کیا کیا۔

ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں آ کر عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو، ارشاد ہوا کہ ''میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا'' انھوں نے کہا ''یارسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا۔'' آپؐ نے فرمایا کہ ''کوئی اونٹ بھی ایسا ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔''(۶)

---

(۱) بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی القبر بعد مایدفن ج۱ص۱۷۸ (۲) ایضاً باب القیام للجنازۃ ج۱ ص۱۷۵ (۳) بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عندالمصیبۃ ج۱ص۱۷۳ (۴) شمائل ترمذی ص۱۸۸ (۵) صحیح بخاری کتاب الادب باب الانبساط الی الناس ج۲ص۹۰۵ (۶) شمائل ترمذی ص۱۹۰۔

ایک بڑھیا خدمتِ اقدس میں آئی کہ حضور میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھ کو بہشت نصیب ہو، آپؐ نے فرمایا بڑھیاں بہشت میں نہ جائیں گی، اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی، آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ "بڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔" (۱)

ایک بدوی صحابیؓ تھے، جن کا نام زاہرؓ تھا، وہ دیہات کی چیزیں آپؐ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، ایک دفعہ وہ شہر میں آئے، گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے، ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے، اتفاقاً آپؐ ادھر سے گذرے، زاہرؓ کے پیچھے جا کر ان کو گود میں دبالیا انھوں نے کہا کون ہے چھوڑ دو، مڑ کر دیکھا تو سرورِ عالمؐ تھے، اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرت ﷺ کے سینہ سے لپٹا دی، آپؐ نے فرمایا کوئی اس غلام کو خریدتا ہے! بولے کہ یا رسول اللہ! مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائے گا، آپؐ نے فرمایا لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہیں۔ (۲)

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے، فرمایا شہد پلاؤ، وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے، آپؐ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی، سہ بارہ آئے، پھر وہی جواب ملا، چوتھی بار آئے تو ارشاد فرمایا کہ "خدا سچا ہے (قرآن میں ہے کہ شہد میں شفا ہے) لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا کر شہد پلاؤ" اب کی پلایا تو شفا ہوگئی (۳) معدہ میں مادۂ فاسد کثرت سے موجود تھا، جب پورا تنقیہ ہوگیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبت: اولاد سے نہایت محبت تھی، معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریابِ خدمت ہوتا، وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں، ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے، اس اثنا میں حضرت فاطمہؓ نے دونوں صاحبزادوں (حسنین علیہما السلام) کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازے پر پردے لٹکائے، آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو خلافِ معمول حضرت فاطمہؓ کے گھر نہیں گئے، وہ سمجھ گئیں فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لیے، صاحبزادے روتے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، آپؐ نے کنگن لے کر بازار میں بھیج

(۱) شمائل ترمذی ص ۱۹۳ (۲) ایضاً ص ۱۹۲ (۳) بخاری کتاب المرضیٰ باب الدواء بالعسل ج ۲ ص ۸۴۸۔

دیے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لا دو۔(۱)

حضرت فاطمہؓ جب آپؐ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپؐ کھڑے ہوجاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔(۲)

ابوقتادہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد نبویؐ میں حاضر تھے کہ دفعتاً رسول اللہ ﷺ امامہؓ (آنحضرت ﷺ کی نواسی تھیں) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے، اسی طرح پوری نماز ادا کی۔(۳)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا، جس قدر آپؐ کرتے تھے، آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ عوالی میں پرورش پاتے تھے، جو مدینہ سے تین چار میل ہے، ان کے دیکھنے کے لیے مدینہ سے پیادہ پا جاتے، گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا، گھر میں جاتے بچہ کو انا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منھ چومتے، پھر مدینہ کو واپس آتے۔(۴)

ایک دفعہ اقرع بنؓ حابس عرب کے ایک رئیس خدمت اقدس میں آئے، آپؐ حضرت امام حسینؓ کا منہ چوم رہے تھے، عرض کی کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا، ارشاد فرمایا کہ ''جو اوروں پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا'' (۵) (یعنی خدا اس پر رحم نہیں کرتا)۔

حسنین علیہما السلام سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ میرے گلدستے ہیں، حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا، وہ صاحبزادوں کو لاتیں، آپؐ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے۔(۶)

ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے، اتفاق سے حسین علیہ السلام سرخ کرتے پہنے ہوئے آئے، کم سنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے، آپؐ ضبط نہ کر سکے، منبر سے اتر کر گود میں اٹھا لیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہے، اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ.

(۱) ابوداؤد کتاب الترجل باب فی الانتفاع بالعاج ج۲ص ۱۲۷ وص ۵۷۹ مطبوعہ کلکتہ (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب فی القیام ج۲ص ۲۲۳ وص ۷۰۸ مطبوعہ کلکتہ (۳) نسائی کتاب المساجد باب ادخال الصبیان المساجد ص ۱۲۰ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث مذکور ہے (۴) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ الصبیان والعیال ج۲ص ۲۹۱ (۵) بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد ج۲ص ۸۸۷ (۶) جامع ترمذی ج۲ص ۲۱۸۔

فرمایا کرتے تھے، حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں، خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔(۱)

ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ دوش مبارک پر سوار تھے، کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے، آپؐ نے فرمایا سوار بھی کیسا ہے۔(۲)

ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ (راوی کو بہ تعین یاد نہیں رہا) آپؐ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے، آپؐ نے فرمایا اوپر چڑھ آؤ، انھوں نے آپؐ کے سینہ پر قدم رکھ دیئے، آپؐ نے منہ چوم کر فرمایا، اے خدا میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی رکھ۔(۳)

ایک دفعہ آپؐ کہیں دعوت میں جا رہے تھے، امام حسین علیہ السلام راہ میں کھیل رہے تھے، آپؐ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیئے، وہ ہنستے ہوے پاس آ آ کر نکل جاتے تھے، بالآخر آپؐ نے ان کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا، پھر فرمایا حسین میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔(۴)

اکثر امام حسن علیہ السلام کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔

آپؐ کے داماد (حضرت زینبؓ کے شوہر) جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کہلا بھیجا، حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا، یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینبؓ کے جہیز میں حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے، پھر صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینبؓ کو بھیج دوں، سب نے بہ سر و چشم منظور کیا۔(۵)

حضرت زینبؓ کی کم سن صاحبزادی کا نام امامہ تھا، ان سے آپؐ کو بہت محبت تھی، آپؐ نماز پڑھتے میں بھی ان کو ساتھ رکھتے، جب آپؐ نماز پڑھتے تو وہ دوشِ مبارک پر سوار ہو جاتیں،

---

(۱) یہ تمام روایتیں جامع ترمذی ابواب المناقب مناقب الحسنین ص۲۴۶ و ج ۲ ص ۲۱۸ مطبوعہ دیوبند میں مذکور ہیں (۲) اس حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کو ضعیف الحافظ کہا ہے، ترمذی حوالہ مذکور ص۶۲۵ (۳) ادب المفرد بخاری باب الانبساط الیٰ الناس ص۵۱ (۴) ایضاً باب معانقة الصبی ص۷۳ (۵) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فداء الاسیر بالمال ج ۱ ص ۲۶۷۔

رکوع کے وقت آپؐ ان کو کاندھے سے اتار دیتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تو وہ سوار ہو جاتیں (۱) روایتوں کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو کاندھوں پر بٹھا لیتے اور اتار دیتے تھے لیکن ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے، وہ خود سوار ہو جاتی ہوں گی اور منع نہ فرماتے ہوں گے۔(۲)

(آپؐ کی ایک نواسی خالتِ نزع میں تھیں صاحبزادی نے بلا بھیجا، آپؐ تشریف لے گئے، تو لڑکی اسی حالت میں آغوشِ مبارک میں رکھ دی گئی، آپؐ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ یہ کیا کر رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا یہ رحم ہے، جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔(۳)

حضرت ابراہیمؑ کی وفات میں بھی آپؐ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا تھا، آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غم زدہ ہو رہا ہے لیکن منھ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے (۴) لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل واولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عموماً بچوں سے آپؐ کو انس تھا۔)

(۱) بخاری کتاب الصلوۃ باب اذا حمل جاریة صغیرة علی عنقه ج۱ ص۷۴ (۲) یہ تاویل ابن القیم نے نہیں بلکہ خطابی نے کی ہے، دیکھئے ارشاد الساری قسطلانی ج۱ ص۵۴۷ "ض" (۳) بخاری کتاب المرضی باب عیادة الصبیان ج۲ ص۸۴۴

(۴) بخاری کتاب الجنائز باب قول النبیؐ انا بک لمحزونون ج۱ ص۱۷۴۔

ازواجِ مطہرات

حضرت خدیجہؓ

سلسلۂ نسب یہ ہے خدیجہ بنت خویلد بن اسعد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں، ان کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ تھیں، ان کے والد اپنے قبیلہ میں ممتاز تھے، مکہ میں آ کر سکونت اختیار کی اور بنوعبدالدار کے حلیف بنے (۱) عامر بن لوی کے خاندان میں فاطمہ بنت زائدہ سے نکاح کیا، ان کے بطن سے حضرت خدیجہؓ پیدا ہوئیں، ان کی پہلی شادی ابوہالہ ابن زرارہ تمیمی سے ہوئی، ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک کا نام ہند (۲) تھا اور دوسرے کا حارث، ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عایذ مخزومی کے عقدِ نکاح میں آئیں، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا، اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں (۳) ہند نے اول اسلام قبول کیا، آنحضرت ﷺ کا مفصل حلیہ ان ہی کی روایت سے منقول ہے، نہایت فصیح و بلیغ تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور شہید ہوئے۔ (۴)

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ رسول اللہؐ کے عقدِ نکاح میں آئیں، جس کے مفصل حالات گذر چکے، آنحضرت ﷺ سے چھ اولادیں ہوئیں، دو صاحب زادے کہ دونوں بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحب زادیاں، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ، ان سب کے حالات آگے آئیں گے۔

---

(۱) طبقات ابن سعد ذکر خدیجہؓ، کتاب النساء ج ۸ ص ۸ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) اصابہ ذکر ہند ج ۳ ص ۶۱۱۔

حضرت خدیجہؓ کی ایک بہن ہالہ تھیں، وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت ﷺ کو بے انتہا محبت تھی، جب وہ عقدِ نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے، نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہیں، ان کی زندگی تک آنحضرت ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپؐ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہؓ کی ہم نشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا، کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ میں نے اس پر آپؐ کو رنجیدہ کیا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ ''خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔'' (۱)

ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی، آپؐ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپؐ بے جھجک اٹھے اور فرمایا کہ ''ہالہ ہوں گی'' حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں، ان کو نہایت رشک ہوا، بولیں کہ ''آپؐ کیا ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں دیں'' (۲) صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے، لیکن استیعاب میں ہے کہ جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انھوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انھوں نے میری مدد کی۔'' (۳)

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

ازواجِ مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقدِ نکاح میں آئیں، وہ ابتدائے نبوت

(۱) صحیح مسلم فضائلِ خدیجہؓ ج ۲ ص ۳۳۳ (۲) بخاری کتاب المناقب باب تزویج النبیؐ خدیجۃ وفضلھا ج ۱ ص ۵۳۹

(۳) ایضاً ج ۲ ص ۷۴۱۔

میں مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، ان کی شادی پہلے سکران بن عمروؓ سے ہوئی تھی، حضرت سودہؓ ان ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی، حبشہ سے مکہ کو واپس آئیں، سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا، جس کا نام عبدالرحمٰن تھا، انھوں نے جنگِ جلولا میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غم گین تھے، یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپؐ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے، آپؐ نے فرمایا ہاں، گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق تھا، آپؐ کے ایما سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحا، پھر نکاح کا پیغام سنایا، انھوں نے کہا ہاں، محمد شریف کفو ہیں لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہوگئے، تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا(۱) چار سو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہؓ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہوگیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔

حضرت عائشہؓ اور سودہ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا، اس لیے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے، عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ کے بعد نکاح میں آئیں۔

شکل و شباہت: حضرت سودہؓ بلند بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں حجۃ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انھوں نے آنحضرت ﷺ سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔(۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶ طبقات میں ہے کہ رمضان ۱۰ ھ ہجری میں ان کا نکاح ہوا، زرقانی نے ۸ ھ ہجری بھی لکھا ہے، یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ خود حضرت خدیجہؓ کے وفات کے سنہ میں اختلاف ہے (۲) اصابہ ج ۴ ص ۳۳۸۔

آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھیں، حضرت عمرؓ کو یہ ناگوار ہوتا تھا، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے لیکن ابھی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہؓ رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلیں، چونکہ ان کا قد نمایاں تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، سودہؓ! تم کو ہم نے پہچان لیا، اسی واقعہ کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی۔(۱)

اخلاق وعادات: آنحضرت ﷺ کے اخلاق وعادات میں سخاوت وفیاضی ایک نمایاں وصف تھا، اس بنا پر صحابہ میں جس کو آپؐ سے جس قدر تقرب حاصل تھا، اسی قدر اس پر اس وصفِ خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا، ازواجِ مطہرات کو آپؐ کے اخلاق وعادات وفیضِ صحبت سے متمتع ہونے کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا، اس لیے یہ وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے، حضرت سودہؓ اس وصف میں بہ استثنائے حضرت عائشہؓ سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا، اس میں کیا ہے، بولا درہم، بولیں، کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔(۲)

اطاعت اور فرماں برداری بھی ان کا خاص وصف ہے اور اس وصف میں وہ تمام ازواجِ مطہرات سے ممتاز ہیں۔

روایتِ حدیث: ان کے ذریعہ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے، صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور یحییٰؒ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ

---

(۱) بخاری کتاب الوضو باب خروج النساء الی البراز ج ۱ ص ۲۶۔ آیت حجاب کے شانِ نزول میں سخت اختلاف ہے، ایک روایت تو یہی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپؐ کے یہاں نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش آپؐ ان کو پردے کا حکم دیتے، ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، حضرت عائشہؓ بھی شریک طعام تھیں، ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے چھوگیا، رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گذرا، اس پر آیت حجاب اتری، عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت زینبؓ کے دعوتِ ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی، چنانچہ صحاح میں یہ واقعہ بہ تفصیل موجود ہے، حافظ ابن حجر نے ان روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ آیتِ حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے، جن میں آخری سبب حضرت زینبؓ کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شانِ نزول ہے، کیوں کہ خود آیت میں واقعہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۹) (۲) الاصابہ ج ۸ ص ۳۳۹۔

ان سے روایت کی ہے۔

وفات: حضرت سودہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، واقدی کے نزدیک انھوں نے امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت ۵۴ ہجری میں وفات پائی، حافظ ابن حجر ان کا سالِ وفات ۵۵ ہجری قرار دیتے ہیں، امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں انتقال کیا، ذہبی نے تاریخ کبیر میں اس پر اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات کی، حضرت عمرؓ نے ۲۳ ہجری میں وفات پائی ہے، اس لیے ان کا زمانۂ وفات ۲۲ ہجری ہوگا، خمیس میں ہے کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔(۱)

حضرت عائشہؓ

عائشہؓ نام تھا(۲) اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت کرتی تھیں، ماں کا نام زینبؓ اور ام رومان کنیت تھی، بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔

۱۰ نبوی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح ہوا، اس وقت شش سالہ تھیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحب زادے سے منسوب تھیں، حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے نکاح کی تحریک کی، آپؐ نے رضامندی ظاہر کی، خولہ نے ام رومان سے کہا، انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے مذکور کیا، بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا، بہرحال ابوبکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ سے عقد کر دیا(۳) چار سو درہم مہر قرار پایا(۴) لیکن مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ازواجِ مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا۔(۵)

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۶۲ میں بہ تفصیل مذکور ہے، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷ میں صرف پہلی روایت نقل کی ہے،
(۲) حضرت عائشہؓ کے حالات اور خصوصاً ان کے علمی اجتہادات کے لیے الگ مستقل تصنیف درکار ہے، یہاں صرف ضروری سوانح زندگی لکھ دیے گئے ہیں (۳) صحیح بخاری کتاب النکاح باب تزویج الصغار ج ۲ ص ۷۶۰ و مسند احمد ص ۲۵
(۴) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۲ (۵) صحیح مسلم کتاب النکاح باب الصداق الخ ج ۱ ص ۵۴۵۔

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت ﷺ کا قیام ۳ سال تک رہا، ۱۳ نبویؐ میں آپؐ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے، اہل وعیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے، جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومان، اسما اور عائشہؓ کو لے آئیں، آنحضرت ﷺ نے بھی زید بن حارثہؓ اور ابورافع کو حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ وغیرہ کے لانے کے لیے روانہ فرمایا (۱) مدینہ میں آکر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں، اشتدادِ مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے (۲) صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں، کہ ام رومان نے حضرت عائشہؓ کو آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انھوں نے منہ دھویا، بال درست کیے، گھر میں لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی، چاشت کے وقت آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی (۳) شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی، زمانۂ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا، اس بنا پر اہلِ عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لیے مکروہ خیال کرتے تھے، اس خیال کے مٹانے کے لیے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا۔ (۴)

وفات: حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۹ برس تک زندگی بسر کی، ۹ سال کی عمر میں وہ آپؐ کے پاس آئیں اور جب آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی، آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ قریباً ۴۸ سال تک زندہ رہیں، ۵۷ ہجری میں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کی تھی، وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں، قاسم بنؓ محمد، عبداللہ بنؓ عبدالرحمٰن، عبداللہ بنؓ ابی عتیق، عروہ بنؓ زبیر اور عبداللہ بنؓ زبیر نے قبر میں اتارا، اس وقت حضرت ابوہریرہؓ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (۵)

آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی، اسی محبت سے آپؐ نے مرض الموت

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۳ (۲) صحیح بخاری باب ھجرة النبی ج ۱ ص ۵۵۷ (۳) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۳

(۴) صحیح مسلم کتاب النکاح باب التزویج فی شوال ج ۱ ص ۵۵۳ (۵) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۵۔

میں تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بسر کیے، اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا، ان کے متعلق احادیث وسیر میں نہایت کثرت سے واقعات درج ہیں۔

علمی زندگی: حضرت عائشہؓ کی علمی زندگی بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں، اکابرِ صحابہؓ پر انھوں نے دقیق اعتراضات کیے ہیں، جن کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں، جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے، بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں، ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے، (ترمذی میں ہے کہ صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آجاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہؓ ہی حل کرتی تھیں) (۱) ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا، تفسیر، حدیث، اسرارِ شریعت، خطابت اور ادب وانساب میں ان کو کمال تھا، شعرا کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے، حاکم نے مستدرک (ج ۴ ذکر عائشہؓ) میں اور ابن سعد نے طبقات (ج ۸ ذکر حضرت عائشہؓ) میں بہ تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حنبل وغیرہ میں بھی جستہ جستہ ان کے فضل وکمال کے دلائل وشواہد ملتے ہیں۔

حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ، حضرت عمرؓ کی صاحب زادی تھیں، ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا، بعثت سے پانچ برس پہلے عین اس سال جب قریش خانۂ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے، پیدا ہوئیں، ان کی پہلی شادی خنیسؓ بن حذافہ سے ہوئی اور ان ہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، خنیسؓ نے غزوۂ بدر میں زخم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی، (۲) خنیسؓ نے اپنی یادگار میں

---

(۱) ابواب المناقب عائشہؓ ص ۶۳۷ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۰ عام طور پر یہی مشہور ہے لیکن اصابہ میں ہے کہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے (ج ا ص ۴۵۶) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیہؓ کا انتقال غزوۂ بدر کے بعد ہوا اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ شریکِ غزوۂ بدر نہ ہو سکے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خنیسؓ نے غزوۂ بدر کے بعد (باقی ص ۳۲۷ پر)

حضرت حفصہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں چھوڑی (۱) حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہوجانے کے بعد حضرت عمرؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی، سوء اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا، اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمانؓ سے کی، انھوں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا، انھوں نے خاموشی اختیار کی، حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جنابِ رسالت پناہؐ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گذرا لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپؐ کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا، اگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح نہ کر لیا ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (۲)

حضرت حفصہؓ آخر حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں، اس لیے مزاج میں ذرا تیزی تھی، صحیح بخاری میں واقعۂ ایلا کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ''ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے، میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا، اتفاق سے میری بی بی نے مجھ کو مشورہ دیا، میں نے کہا تم کو ان معاملات میں کیا دخل ہے، بولیں کہ تم میری بات پسند نہیں کرتے حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہؐ کو برابر کا جواب دیتی ہے، میں اٹھا اور حفصہؓ کے پاس آیا، میں نے کہا بیٹی! تم رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہو، یہاں تک کہ آپؐ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں، بولیں، ہاں ہم ایسا کرتے ہیں، میں نے کہا خبردار، میں تمہیں عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہوں، تم اس کے گھمنڈ میں نہ آ جانا جس کے حسن نے رسول اللہؐ کو فریفتہ کر لیا ہے۔ (۳) (یعنی عائشہؓ)

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی، انھوں نے کہا مجھ کو حضرت حفصہؓ نے کہا ہے کہ ''تم یہودی کی بیٹی ہو۔'' آپؐ

(باقی حاشیہ ص ۳۲۶) وفات پائی، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ مغموم بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ ادھر سے گذرے اور پوچھا کہ حفصہؓ سے نکاح کرتے ہو، اس کی عدت گذر گئی، اگر خنیسؓ نے احد میں شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۴ھ ہوتا، حالانکہ ان کا نکاح ۳ھ میں ہوا، فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۲۔ (حاشیہ صفحہ ہٰذا) (۱) طبری ج ۴ ص ۱۷۷۱ (۲) بخاری کتاب النکاح باب عرض الانسان ابنتہ ج ۲ ص ۷۶۸ (۳) صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ تحریم ج ۲ ص ۷۳۰۔

نے فرمایا "تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کرسکتی ہے۔" (۱)

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ "ہم رسول اللہؐ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں، ہم آپؐ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی۔" حضرت صفیہؓ کو ناگوار گذرا، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپؐ نے فرمایا کہ "تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیوں کر معزز ہوسکتی ہو، میرے شوہر محمدؐ، میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں۔ (۲)

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں، جو تقرب نبویؐ میں دوش بدوش تھے، اس بنا پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک ورقابت کا اظہار ہوجایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں، رسول اللہؐ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہؓ راضی ہوگئیں، آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے، جس پر حفصہؓ سوار تھیں، جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپؐ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں اذخر (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھ کو ڈس جائے۔" (۳)

وفات: حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ؍ہجری میں جو امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، وفات پائی، وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبداللہ بنؓ عمر سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمرؓ نے ان کو کی تھی، کچھ جائداد بھی وقف کی اور کچھ مال صدقہ میں دیا (۴) مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بنؓ شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا،

---

(۱) ترمذی ص ۶۳۹ ابواب المناقب باب فضل ازواج النبیؐ (۲) ترمذی حوالہ مذکور ص ۶۳۸ (۳) صحیح بخاری کتاب النکاح ج ۲ ص ۷۸۴ باب القرعة بین النساء اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج مطہرات میں اس قسم کی روایتیں صرف حفصہؓ و حضرت عائشہؓ کے متعلق مذکور ہیں، اس کے اسباب کی تلاش کرنی چاہیے، حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہے (۴) زرقانی ج ۳ ص ۲۸۴۔

یہاں سے قبر تک حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو لے گئے، ان کے بھائی عبداللہ، عاصم، سالم، عبداللہ، حمزہ، عبداللہ بن عمرؓ کے لڑکوں نے قبر میں اتارا۔(۱)

حضرت زینب ام المساکینؓ

زینب نام تھا، چونکہ فقرا و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلاتی تھیں، اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے عبداللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھیں، عبداللہ بن جحشؓ نے جنگ احد ۳ رہجری میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کرلیا، نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنھوں نے وفات پائی، آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ

ہند نام، ام سلمہؓ کنیت تھی، باپ کا نام سہیل اور ماں کا نام عاتکہ تھا، پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں آئیں (جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں اور) جو ان کے چچازاد اور رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے حبشہ ہی میں پیدا ہوئے، حبشہ سے مکہ میں آئیں اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں، جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

---

(۱) حضرت حفصہؓ کے بھی سنہ وفات میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ انھوں نے جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ رہجری قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی، ایک روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ رہجری میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حفصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ رہجری میں فتح ہوا لیکن یہ سخت غلطی ہے، افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہے، اس دوسری فتح کا فخر حضرت معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے اور یہ فتح ۵۰ رہجری میں ہوئی، وہب بن مالک نے حفصہؓ کا سال وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہے۔

ان کے پہلے شوہر ابو سلمہؓ بڑے شہسوار تھے، مشہور غزوات بدر و احد میں شریک ہوئے، غزوۂ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جاں بر نہ ہو سکے اور جمادی الثانی ۴ھ ہجری میں وفات پائی، ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت ﷺ نے ۹ تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو سہو تو نہیں ہوا، فرمایا یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔

ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انھوں نے چند عذر پیش کیے:

۱۔ میں سخت غیور عورت ہوں۔

۲۔ صاحب عیال ہوں۔

۳۔ میرا سن زیادہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا۔

وفات: اہلِ سیر متفق اللفظ ہیں کہ ازواج مطہراتؓ میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی لیکن ان کے سنہ وفات میں نہایت اختلاف ہے، واقدی نے ۵۹ھ ہجری بتایا ہے، ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہجری ہے اور تقریب میں اسی کو صحیح کہا ہے، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ۵۸ھ ہجری میں وفات پائی، بعض روایتوں میں ہے کہ ۶۱ھ ہجری میں جب امام حسینؓ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت ان کا انتقال ہوا ہے، ابن عبد البر نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔(۱)

اس اختلافِ روایت کی حالت میں سنہ وفات کی تعیین مشکل ہے، تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعۂ حرہ تک زندہ تھیں، مسلم میں ہے کہ حارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عبد اللہ بن صفوان ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا، یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکرِ شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعۂ حرہ پیش آیا تھا (۲) واقعۂ حرہ ۶۳ھ ہجری میں پیش آیا ہے، اس لیے اس سے پہلے ان کی وفات کی تمام روایتیں صحیح نہیں۔

ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی وصیت کی بنا پر سعید بن زید نے نماز جنازہ

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ (۲) کتاب الفتن باب الخسف ج ۲ ص ۴۹۳۔

پڑھائی لیکن اس روایت کی صحت میں کلام ہے، سعید بن زید نے باختلاف روایت ۵۱ھ ہجری یا ۵۲ھ ہجری یا ۵۵ھ ہجری میں انتقال کیا ہے اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت ام سلمہؓ زندہ تھیں، واقدی نے لکھا ہے کہ ابوہریرہؓ نے ان کا جنازہ پڑھایا، اگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابوہریرہؓ خلاف وصیت کیوں کر نماز جنازہ پڑھ سکتے تھے، بہر حال ازواجِ مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی اور وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی۔(۱)

فضل وکمال: (ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد فضل وکمال میں ان ہی کا درجہ ہے، ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے، روایتِ حدیث اور نقلِ احکام میں حضرت عائشہؓ کے سوا اور تمام بیبیوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے، صلح حدیبیہ میں جب صحابہؓ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی میں تامل تھا تو حضرت ام سلمہؓ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور ان کی یہ دانش مندی اور عقل وذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری میں بہ تفصیل موجود ہے۔)(۲)

حضرت زینبؓ

ازواجِ مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہؓ کی ہم سری کا دعویٰ رکھتی تھیں، ان میں حضرت زینبؓ بھی تھیں، خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کانت تسامینی یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اس کا حق بھی تھا، نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، جمال میں بھی ممتاز تھیں، آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے نہایت محبت تھی، زہد وتورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ شریک تھیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انھوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

ماعلمت الا خیرًا. (۳) مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

حضرت عائشہؓ کو ان کے اس صدق واقرارِ حق کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں، جب آنحضرت ﷺ

---

(۱) زرقانی ج۳ ص ۲۷۶ (۲) کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد ج ا ص ۳۸۰ (۳) صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک ج ۲ ص ۵۹۶۔

نے ان کو عقد میں لانا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔(۱)

ایک دفعہ آپؐ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں، حضرت عمرؓ نے ڈانٹا، آپؐ نے فرمایا ان سے درگذر کرو، یہ اوّاہ ہیں(۲)(یعنی خاشع و متضرع ہیں)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا، انھوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو، برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے، انھوں نے کہا کہ کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے، وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاسی درہم نکلے، جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا، اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں، یہ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔(۳)

وفات: آنحضرت ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا تھا:

اسرعکن لحاقابی اطولکن یدًا(۴) | تم میں مجھ سے وہ جلد ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔

یہ استعارتاً فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور ازواجِ مطہرآت میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ازواجِ مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا، انھوں نے کہا وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا (چنانچہ اسامہؓ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا)(۵)

۲۰ھ ہجری میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی، واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جس وقت ان کا نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں(۶) لیکن دراصل ۳۸ سال کی تھیں۔

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۳ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۹۳ (۳) طبقات ابن سعد ص ۷۷ (۴) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل زینبؓ ج ۲ ص ۳۴۱ (۵) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۱ (۶) اصابہ ج ۸ ص ۹۳ ''ک،ص''۔

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا، مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی، جو غزوۂ مریسیع میں قتل ہوا، اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان ہی لونڈیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت ابن قیس بن شماسؓ انصاری کے حصہ میں آئیں۔

اسلام میں اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں، اس طریقہ کو فقہا کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں، اسی اصول کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں، ان کو شرط کے موافق ۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی وہ رسول اللہ کے پاس آئیں اور کہا ''یارسول اللہ ﷺ! میں مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہوں، جو اپنی قوم کا سردار ہے، مجھ پر جو مصیبتیں آئی ہیں، وہ آپ سے مخفی نہیں، میں ثابتؓ بن قیس کے حصہ میں آئی اور ۹ اوقیہ سونے پر ان سے عہدِ کتابت کیا، یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے آپ کے بھروسہ پر اس کو منظور کر لیا اور اب آپ سے اس کا سوال کرنے کے لیے آئی ہوں'' آپ نے فرمایا ''تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟'' انھوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں یہ رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں، وہ راضی ہو گئیں، آپ نے ثابتؓ بن قیس کو بلایا، وہ بھی راضی ہو گئے، آپ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا، یہ چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلۂ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلاموں کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے رشتۂ مصاہرت قائم کر لیا (۱) آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ''جویریہؓ کی برکت سے سیکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے'' (۲) بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے خود حضرت جویریہؓ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔

حضرت جویریہؓ نے ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا۔ (۳)

---

(۱) ابوداؤد کتاب العتاق باب فی بیع المکاتب ج ۲ ص ۱۰۵ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۴۴ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰ ''ک ص''

(۳) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۵۔

حضرت ام حبیبہؓ

رملہ نام اور ام حبیبہؓ کنیت تھی، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں، اور عبید اللہ بن جحش سے عقد ہو گیا، آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو دونوں مشرف با سلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی، ایک روایت ہے کہ ان کی بیٹی حبیبہ جن کی کنیت کے ساتھ وہ مشہور ہیں، حبشہ ہی میں پیدا ہوئیں، حبشہ میں جا کر عبید اللہ بن جحش نے عیسائیت قبول کر لی لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں، اختلاف مذہب کی بنا پر عبید اللہ بن جحش نے ان سے علاحدگی اختیار کی اور اب وہ وقت آگیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کی خدمت میں بہ غرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے، انھوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفرؓ ابن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا (۱) اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔ (۲)

تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی تو لوگوں نے بعد نکاح اٹھنا چاہا لیکن نجاشی نے کہا "دعوتِ ولیمہ تمام پیغمبروں کی سنت ہے، ابھی بیٹھنا چاہیے" چنانچہ کھانا آیا، لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم ام حبیبہؓ کو ملی تو انھوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دیئے،

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۸۹ سال نکاح میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ ۷ھ ہجری میں نکاح ہوا لیکن بعض روایتوں میں ۶ھ ہجری بھی بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن الضمری کو بہ غرض نکاح بھیجا ہو اور ۷ھ ہجری میں نکاح پڑھایا گیا ہو، اس میں بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہاں ہوا اور کس نے پڑھایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حبشہ میں نکاح ہوا اور نجاشی نے نکاح پڑھایا۔

(۲) صحیح روایت یہی ہے لیکن اور بھی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے، بعض روایتوں میں نو سو دینار ہے، بعضوں کے نزدیک چار ہزار دینار ہے، ابوداؤد کتاب النکاح باب الصداق ج ۱ ص ۲۰۹ میں دینار کے بجائے چار ہزار درہم ہے، زہری کی روایت میں چالیس اوقیہ کی تعداد کا ذکر ہے، اس لیے اگر چاندی ہوگی تو اس کے سولہ سو درہم ہوتے ہیں۔

لیکن اس نے اس رقم کو اس کنگن کے ساتھ جو پہلے دیئے گئے تھے، یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو منع کر دیا ہے، دوسرے روز ان کی خدمت میں عود، زعفران، عنبر وغیرہ لے کر آئی، جن کو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ ؐ کی خدمت میں لائیں، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہو گئے تو نجاشی نے ان کو شرحبیل بن حسنہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔(۱)

ام حبیبہؓ نے ۴۴ رہجری میں وفات پائی، (۲) اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ

میمونہ نام، باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا، پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں، مسعود نے طلاق دے دی، تو ابورہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کر لیا، ابورہم کے انتقال کے بعد رسول اللہ ؐ کے نکاح میں آئیں (۳) نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے اپنے غلام ابورافع کو اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انھوں نے ایجاب وقبول کیا لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے اس نکاح کی تحریک کی اور ان ہی نے نکاح پڑھایا۔(۴)

وفات: یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انھوں نے انتقال بھی کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا، صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی بی بی ہیں، جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، باادب آہستہ لے چلو۔(۵)

سالِ وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انھوں نے ۵۱ رہجری میں وفات پائی۔(۶)

---

(۱) مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۷ "ک ص" (۲) بعضوں نے سال وفات ۴۲ رہجری لکھا ہے ابن ابی خیثمہ کے نزدیک ان کا سالِ وفات ۵۹ رہجری ہے، بعض لوگوں نے ۵۰ رہجری اور بعضوں نے ۵۵ رہجری بیان کیا ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دمشق میں مدفون ہوئیں، زرقانی ج ۳ ص ۲۹۲ (۳) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے حضرت میمونہؓ سے حالتِ احرام میں نکاح کیا، بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ "ک ص" (۴) شرح زرقانی ج ۳ ص ۲۹۹ (۵) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸ "ک ص" (۶) زرقانی ج ۳ ص ۳۰۲۔

حضرت صفیہؓ

صفیہ اصل نام نہ تھا، زرقانی نے لکھا ہے کہ عرب میں مالِ غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوجاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے، چونکہ وہ جنگ خیبر میں اسی طریقہ کے موافق آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں، اس لیے صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں، ورنہ اصلی نام زینبؓ تھا، باپ کا نام حیی بن اخطب اور ماں کا نام ضرہ تھا، حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ قبیلہ بنوالنضیر کا سردار اور ماں قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی، حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، ابن مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں، کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا، حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں، جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انھوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا لیکن ایک صحابی نے آپؐ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپؐ نے رئیسۂ بنونضیر وقریظہ کو دحیہ کو دے دیا، وہ تو صرف آپؐ کے قابل ہے، آپؐ نے حکم دیا کہ دحیہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں، وہ صفیہؓ کو لے کر آئے، تو آپؐ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے نکاح کرلیا، خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوتِ ولیمہ فرمائی، وہاں سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کرلیا اور اپنے عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہوگئیں۔ (۱)

حضرت صفیہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دل جوئی فرماتے تھے، ایک بار آپؐ سفر میں تھے، ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں، حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہوگیا، حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپؐ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو، انھوں نے کہا کہ کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔ (۲)

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۳۰۶ و ۳۰۷ (۲) ایضاً ص ۳۰۹۔

ایک بار آپؐ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ رو رہی ہیں، آپؐ نے رونے کی وجہ پوچھی، انھوں نے کہا کہ عائشہ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ''ہم تمام ازواج میں افضل ہیں، ہم آپؐ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپؐ کی چچازاد بہن بھی ہیں'' آپؐ نے فرمایا ''تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں، اس لیے تم لوگ کیوں کر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟'' (۱)

حضرت صفیہؓ نے ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ (۲)

☆☆☆

(۱) ترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبیؐ ص ۶۳۸۔ اس روایت میں حضرت زینبؓ کے بجائے حضرت حفصہؓ کا نام مذکور ہے۔ ''ض'' (۲) زرقانی ج ۳ ص ۳۱۰۔

اولاد

آنحضرت ﷺ کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے، متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپؐ کے چھ اولادیں تھیں، قاسم، ابراہیم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ، ان تمام لڑکیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئیں لیکن ابن اسحاق نے دو صاحب زادوں کا نام اور لیا ہے، طاہر، طیب (۱) اس بنا پر اولاد ذکور کی تعداد لڑکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔

اس بارہ میں تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارہ اولادیں تھیں، جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، لڑکیوں کی تعداد میں کسی قسم کا اختلاف نہیں البتہ صاحب زادوں کی تعداد میں سخت اختلاف ہے، مجموعی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے، جن میں قاسم اور ابراہیم پر تمام راویوں کا اتفاق ہے، حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہؓ سے اور بقیہ حضرت خدیجہؓ سے تھیں۔ (۲)

حضرت قاسمؓ

آپؐ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے (اور غالباً نبوت سے گیارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہوں گے) مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے، ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال تک زندہ رہے (۳) ابن فارس نے لکھا ہے کہ سنِ تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

(آنحضرت ﷺ کی اولاد میں جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے، اسی طرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا، عام روایت یہ ہے کہ قبل بعثت وفات پائی، آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے انتساب سے ہے، آپؐ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے، صحابہؓ بھی جب آپ کا محبت سے نام لیتے تو ابوالقاسم ہی کہتے، ایک دن آپؐ بازار سے گذر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا ابا القاسم کہہ کر آواز دی، آپؐ نے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہوں، رفعِ اشتباہ کے لیے پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ کوئی کنیت نہ رکھے۔ (۴)

---

(۱) کتاب الاستیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۱ ص ۳۸ ''ک، ص'' (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۳۱ (۳) طبقات ابن سعد جزء اول ق ۱ ص ۸۵۔

(۴) الادب المفرد باب اسم النبیؐ ص ۱۶۸

حضرت زینبؓ

اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں، زبیر بن بکار کا قول ہے کہ حضرت قاسم کے بعد پیدا ہوئیں لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینبؓ ہی ہیں، بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی، پیدا ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے، حضرت زینبؓ کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع لقیط سے ہوئی، غزوۂ بدر میں ابوالعاص گرفتار ہوگئے، جب یہ رہا کیے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے، ابوالعاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا، چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا، کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے، مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو کفارِ قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو نیزے سے زمین پر گرا دیا، وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ ''اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا'' لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سردارانِ قریش کے ساتھ آیا اور کہا ''تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے'' انھوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے، ابوسفیان نے کہا ''محمدؐ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں، اب اگر تم علانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے، ہم کو زینبؓ کے روکنے کی ضرورت نہیں، جب شور وہنگامہ کم ہو جائے، اس وقت چوری چھپے لے جانا'' کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے، زید بن حارثہؓ کو آنحضرت ﷺ نے پہلے سے بھیج دیا تھا، وہ بطنِ یاجج میں تھے، کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالے کیا، وہ ان کو لے کر روانہ ہوگئے۔(۱)

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالتِ شرک میں چھوڑا، ابوالعاص دوبارہ ایک سریہ میں گرفتار ہوئے (۲) اس وقت بھی حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی،

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۲۳ (۲) اصابہ میں ہے کہ ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جمادی الاول ۶ ہجری میں روانہ ہوئے، آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو ۷۰ اسواروں کے ساتھ بھیجا، مقام عیص میں قافلہ ملا، (باقی ص ۳۴۰ پر)

مکہ جاکر انھوں نے لوگوں کی امانتیں حوالے کیں اور اسلام لائے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کرکے مدینہ آئے، حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا، اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہوگئی تھی، وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا لیکن دوسری روایت میں جدید نکاح کی تصریح ہے (۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہانے دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاحِ جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا، اس لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاحِ اول سے تعبیر کیا، ورنہ بعد تفریق نکاحِ ثانی ضروری ہے۔ (۲)

ابوالعاص نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی، نکاحِ جدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں، ۷/ہجری یا ۶/ہجری میں (باختلاف روایت) ابوالعاص اسلام لائے تھے اور ۸/ہجری میں حضرت زینبؓ نے انتقال کیا، ام ایمنؓ حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور ام سلمہؓ نے غسل دیا اور آنحضرت ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، ابوالعاص اور آنحضرت ﷺ نے قبر میں اتارا۔ (۳)

حضرت زینبؓ نے دو اولاد چھوڑی، امامہ اور علی، علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہے کہ سنِ رشد کو پہنچے، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی۔ (۴)

امامہ سے آنحضرت ﷺ کو نہایت محبت تھی، آپؐ ان کو اوقاتِ نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے، صحاح میں ہے کہ آپؐ ان کو کاندھے پر رکھ کر نماز پڑھتے تھے، جب رکوع میں جاتے تو دوشِ مبارک سے اتار دیتے، جب سجدے سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کرا لیتے، آنحضرت ﷺ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال واسباب لوٹ میں آیا ان ہی میں ابوالعاص تھے، وہ جب آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت ﷺ نے ان کا مال بھی واپس کر دیا۔ (ج ۴ ص ۳۱۲)

(۱) ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم احدھما ص ۱۹۳ (۲) ایضاً ص ۲۳۴ (۳) زرقانی ج ۳ ص ۲۲۳ (۴) ایضاً ص ۲۳۵۔

کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیہ میں بھیجیں، جن میں ایک زریں ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں، آپؐ نے فرمایا، میں اس کو اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا، ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا لیکن آپؐ نے امامہ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا، ابوالعاص نے حضرت زبیرؓ بن عوام کو امامہ کے نکاح کی وصیت کی تھی، حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو انھوں نے حضرت علیؓ سے ان کا نکاح کردیا، حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کرگئے کہ امامہ سے نکاح کرلیں، مغیرہ نے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، امامہ نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔ (۱)

حضرت رقیہؓ

جرجانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی لڑکیوں میں سب سے چھوٹی تھیں (۲) لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت زینبؓ کے بعد ۳۳ ہجری قبل نبوت میں پیدا ہوئیں، پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی، ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبلِ نبوت ہوئی تھی۔ (۳)

آنحضرت ﷺ کی دوسری صاجزادی ام کلثوم کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی، جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپؐ نے دعوتِ اسلام کا اظہار کیا، ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا ''اگر تم محمدؐ کی بیٹیوں سے علاحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے۔'' دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی، آنحضرت ﷺ نے حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کردی۔ (۴)

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں ہوا لیکن خود ایک روایت حضرت عثمانؓ سے مروی ہے، جس میں زمانۂ اسلام کی تصریح ہے، نکاح کے بعد حضرت عثمانؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہؓ بھی ساتھ گئیں، مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا، ایک عورت نے آکر خبر دی کہ ''میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے، آنحضرت ﷺ نے دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوط کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بی بی کو لے کر ہجرت کی ہے۔''

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۳۵ (۲) ایضاً ص ۲۳۶ (۳) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۴ (۴) ایضاً ج ۸ ص ۲۴ ''ک، ص''

حبش میں حضرت رقیہؓ کے ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام عبداللہ تھا لیکن صرف ۶ سال زندہ رہا، حضرت عثمانؓ حبش سے مکہ کو واپس آئے اور وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہؓ مدینہ میں آکر بیمار ہوئیں، یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا، حضرت عثمانؓ ان کی تیمارداری کی وجہ سے شریکِ جہاد نہ ہوسکے، عین اسی دن جس روز زیدؓ بن حارثہ نے مدینہ آکر فتح کا مژدہ سنایا، وفات پائی، غزوۂ بدر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ ان کے نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوسکے۔ (۱)

حضرت ام کلثومؓ

کنیت ہی کے نام سے مشہور ہیں، ۳ ہجری میں جو غزوۂ بدر کا سال تھا، جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کرلیا، بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمانؓ نے تامل کیا (۲) لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا ''میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں، تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو'' میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کردیتا ہوں۔ (۳)

بہر حال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثومؓ ۶ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں، شعبان ۹ ہجری میں انتقال کیا، آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا۔ (۴)

حضرت فاطمہ زہراؓ

فاطمہ نام، زہرا لقب، سن ولادت میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ سنہ ۱ بعثت میں پیدا ہوئی، ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپؐ کی تمام اولاد قبلِ نبوت پیدا ہوئیں، آنحضرت ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی، اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے کہ سنہ ابعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی اور چوں کہ دونوں کی

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۳۶، ۲۳۷ (۲) بخاری کتاب النکاح باب عرض الانسان ابنتہ ج ۲ ص ۷۶۸ (۳) زرقانی ج ۳ ص ۲۳۸ (۴) ایضاً ص ۲۳۹۔

مدت میں بہت فاصلہ ہے اس لیے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، پیدا ہوئیں، بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔(۱)

حضرت فاطمہؓ (اگر ان کا سالِ ولادت سنہ ابعثت صحیح تسلیم کر لیا جائے) جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئیں، تو ۲ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح کر دیا، اس وقت حضرت علیؓ کا سن ۲۱ برس پانچ مہینے کا تھا(۲) حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا، حضرت علیؓ نے خواہش کی تو آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں، آپؐ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ضروری ہے، زرہ فروخت کر ڈالو، حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰ درہم پر خریدی اور حضرت علیؓ نے قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی، آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں، عقد ہوا اور آنحضرت ﷺ نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا، اصابہ میں لکھا ہے کہ ''آپؐ نے ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی'' (۳) اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

نکاح کے بعد رسمِ عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں، چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ اس میں قیام کیا۔(۴)

آنحضرت ﷺ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوش گواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے، چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کرا دیتے تھے، ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا، آپؐ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا آپؐ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی، اب آپؐ اس قدر خوش کیوں ہیں، فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرا دی جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔(۵)

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۴۱ (۲) حضرت علیؓ کے متعلق ایک روایت ہے کہ ۸ برس کی عمر میں اسلام لائے، اس کی تعیین اسی روایت کی بنا پر ہے لیکن قول راجح یہ ہے کہ وہ دس سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اس روایت کی رو سے ان کا سن ۲۴ سال

ڈیڑھ مہینہ کا تھا (۳) اصابہ ج ۸ ص ۱۵۹ (۴) ایضاً ص ۱۵۸ (۵) ایضاً ص ۱۶۰۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی، آپؐ نے فرمایا ''بیٹی تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔'' حضرت علیؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا ''اب میں تمہارے خلافِ مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔'' (۱)

(ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے، آپؐ نے مسجد میں خطبہ دیا، اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی، فرمایا ''میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی'' چنانچہ حضرت علیؓ اس ارادہ سے باز آگئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نہیں کیا۔) (۲)

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں، حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا، حضرت زینبؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔

حضرت فاطمہؓ نے رمضان ۱۱ھ؍ہجری میں آنحضرت ﷺ کے انتقال کے ۶ ماہ (۳) بعد وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۲۹ سال تھا، سن کی تعیین میں سخت اختلاف ہے، بعضوں نے ۲۴ سال، بعضوں نے ۲۵ سال اور بعضوں نے ۳۰ سال بتایا ہے لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے (۴) اگر ۴۱ (محمدی) کو سالِ ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہوسکتا تھا، البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سالِ ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ ۵ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں، تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہوسکتا ہے۔

حضرت ابراہیمؓ

آنحضرت ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں، ذی حجہ ۸؍ہجری بہ مقام عالیہ جہاں

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۳۷۹ (۲) صحیح بخاری کتاب المناقب ذکر اصهار النبی ﷺ ج ۱ ص ۵۲۸ (۳) اس میں بھی اختلاف ہے، بعضوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف تین دن زندہ رہیں، بعضوں نے چار مہینے بتایا ہے، بعضوں کے نزدیک دو مہینے کے بعد انتقال ہوا، کسی نے ایک مہینہ کسی نے تین مہینے بعد اور بعضوں نے ۲ مہینہ ۵ دن بعد لکھا ہے لیکن صحاح میں

حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے ۶ مہینے والی روایت مذکور ہے (۴) زرقانی ج ۳ ص ۲۴۵۔

ماریہ قبطیہؓ رہتی تھیں، پیدا ہوئے، اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربۂ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے، ابورافع کی بی بی سلمٰی نے جو آنحضرت ﷺ یا آپؐ کی پھوپھی صفیہؓ کی لونڈی تھیں، دایہ گیری کی خدمت انجام دی، ابورافع نے جب آنحضرت ﷺ کو ان کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپؐ نے اس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا، ساتویں دن عقیقہ ہوا، آپؐ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا، دودھ پلانے کے لیے تمام انصار نے خواہش کی لیکن آپؐ نے ان کو ام بردہ خولہ بنت زید الانصاری کے حوالہ کیا اور اس کے معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے، بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے یہ خدمت ام سیف کے متعلق کی، قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہیں، یہ تاویل کچھ مستبعد نہیں، لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے اور وہ ابوسیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہیں۔(۱)

ام سیف حوالیِ مدینہ میں رہتی تھیں، آنحضرت ﷺ فرطِ محبت سے وہاں جاتے، حضرت ابراہیمؓ کو گود میں لیتے اور چومتے، ام سیف کے شوہر لوہار تھے، اس لیے گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ باوجود نظافتِ طبع گوارا فرماتے۔

ابراہیم نے ام سیف ہی کے یہاں انتقال کیا، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ تشریف لائے، نزع کی حالت تھی، گود میں اٹھالیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا یا رسول اللہ آپؐ کی یہ حالت ہے، آپؐ نے فرمایا یہ رحمت ہے۔(۲)

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا تو چاند میں گہن لگ جاتا ہے، اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیمؓ نے وفات پائی، سورج میں گہن لگ گیا تھا، عام طور پر مشہور ہوگیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا ''چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا''۔(۳)

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا، آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، عثمانؓ ابن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے، قبر میں فضل بن عباسؓ اور اسامہ نے اتارا، آنحضرت

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۵۱ (۲) بخاری کتاب الجنائز باب قول النبیؐ انا بک لمحزونون ج ۱ ص ۱۷۴ (۳) ایضاً

ابواب الکسوف باب الصلوٰۃ فی کسوف الشمس ج ۱ ص ۱۴۲۔

ﷺ قبر کے کنارے کھڑے تھے، قبر پر پانی چھڑکا گیا اور اس پر ایک امتیازی علامت قائم کی گئی۔ (۱)

ابوداؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی، ذی حجہ ۸ ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے، اس روایت کی بنا پر ۹ ھ ہجری میں انتقال ہوا، واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ ھ ہجری میں وفات کی، اس لحاظ سے تقریباً پندرہ مہینے زندہ رہے، بعض روایتوں میں ہے کہ ۱۶ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی، بعض لوگوں نے مدتِ حیات ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابراہیمؑ ۱۷ یا ۱۸ مہینے تک زندہ رہے۔ (۲)

⟨☆⟩

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۱ ص ۴۶ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۵۳ تا ۲۵۴۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ معاشرت

ازواج مطہرات کی تعداد ۹ تک پہنچی تھی، ان میں عام اصولِ فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں، باہم رشک اور منافست بھی تھی، آنحضرت ﷺ چوں کہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے تھے، ان کی خورد و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا، ان تمام حالات کے ساتھ آپؐ کی جبینِ خلق پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپؐ کو بے انتہا محبت تھی، جب وہ عقدِ نکاح میں آئیں تو آنحضرت ﷺ کا ریعانِ شباب اور ان کا بڑھاپا تھا، تاہم آپؐ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی، وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا تو جوشِ محبت سے بے تاب ہوجاتے تھے، (تفصیل اوپر گذر چکی ہے)

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ ازواجِ مطہرات میں سب سے محبوب تر تھیں لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں، حسنِ صورت میں حضرت صفیہؓ ان سے بڑھ کر تھیں اور کم سن بھی تھیں، دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج ان سے کم نہ تھیں لیکن حضرت عائشہؓ کی قابلیت، ذہانت، قوتِ اجتہاد، دقتِ نظر، وسعتِ معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

ایک دفعہ چند ازواجِ مطہرات نے حضرت فاطمہ زہراؓ کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جناب سیدہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا، اجازت ملی تو سامنے آئیں اور عرض کی کہ ازواجِ مطہرات نے مجھ کو وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپؐ ابوبکرؓ کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جان پدر! کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں'' جناب سیدہؓ کے لیے اتنا کافی تھا، واپس جاکر ازواجِ مطہرات سے

کہا میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔

اب اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینبؓ انتخاب کی گئیں، کیوں کہ ازواج میں سے حضرت زینبؓ کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی ہم سری کا دعویٰ تھا، اس لیے وہی اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں، انھوں نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینبؓ جب تقریر کرچکیں تو مرضی پاکر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہوکر رہ گئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے۔(۱)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے، مال، نسب، حسن، دینداری، سوتم دین دار عورت تلاش کرو (۲) آنحضرت ﷺ کو ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیشِ نظر ہوتی تھی، وہ دین ہوتا تھا، اس لیے ازواجِ مطہرات میں بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھی جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہوسکتی تھی، ازواج مطہرات کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا، وہ خلوت وجلوت کی شریکِ صحبت تھیں، اس لیے مذہبی احکام ومسائل کے علم و اطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع مل سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکاتِ شریعت کی تہ تک پہنچنے کی قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا۔

حضرت عائشہؓ مجتہدانہ دل ودماغ رکھتی تھیں، اس لیے قربِ صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہؓ سے مخالفت کرتی تھیں اور انصاف بالائے طاعت است، اکثر مسئلوں میں ان کی فہم ودقتِ نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے، چنانچہ اس کی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہؓ کے حالات میں گذر چکی ہے۔

(۱) یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بخاری ومسلم ج ا کتاب الفضائل باب فضل عائشۃؓ ص ۳۳۵ اور دیگر احادیث کی کتابوں میں ہے، الفاظ روایت سے بظاہر متبادر ہوتا ہے کہ دونوں فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسرِ شان کی تھی، جیسا کہ عام طور پر سوکنیں باہم خانگی جھگڑوں میں کرتی ہیں لیکن یہ کم نظری ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت دلیلیں بیان کی ہوں گی جس کا جواب سکوت کے سوا کچھ نہ ہوسکتا ہوگا۔(۲) مسلم کتاب النکاح باب استحباب نکاح ذات الدین ج ا ص ۵۶۸۔

معمول تھا کہ ہر روز آپؐ تمام ازواجِ مطہرات کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف لے جاتے، ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان کا گھر آجاتا جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے، یہ ابوداؤد کی روایت ہے (۱) زرقانی میں حضرت ام سلمہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتدا حضرت ام سلمہؓ سے ہوتی تھی (۲) بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی ان ہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت ہوجاتی تھیں، اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج میں کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا لیکن دل صاف تھے اور باہم مل کر لطفِ صحبت اٹھاتی تھیں، آنحضرت ﷺ کے شرفِ صحبت نے جس طرح ان آئینوں کو جلادی تھی، اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہوسکتا ہے، جس میں جناب عائشہؓ کو منافقین نے متہم کیا تھا، اس سے بڑھ کر حریفوں کے لیے انتقام کا کیا موقع مل سکتا تھا لیکن باوجود اس کے کہ غیر متعلق لوگ تہمت لگانے میں آلودہ ہوگئے تھے، تاہم ازواجِ مطہرات کا دامن صاف رہا، حضرت عائشہؓ کی بڑی حریف حضرت زینبؓ تھیں لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا تو انھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا، کہا کہ حاشا یہ محض تہمت ہے، حضرت عائشہؓ جب واقعۂ افک کا ذکر کرتی تھیں تو ہمیشہ حضرت زینبؓ کی پاک باطنی کی شکر گذاری ظاہر کرتی تھیں، چنانچہ بخاری کی متعدد روایتوں میں تفصیلاً مذکور ہے۔

آنحضرت ﷺ جس طرح ازواجِ مطہرات کی خاطر داری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے، اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ ازواج مطہرات سفر میں تھیں، ساربان اونٹ کو تیز ہانکنے لگے، آپؐ نے فرمایا:

"دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہیں" (۳)

حضرت صفیہ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انھوں نے کھانا پکا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا، آپؐ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، آنحضرت ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے چن کر

(۱) کتاب النکاح باب القسم بین النساء ج ۱ص ۲۱۱ (۲) ج ۳ص ۲۸۸ (۳) صحیح بخاری کتاب الادب باب قول الرجل ویلک ج ۲ص ۹۱۰۔

چن کر یکجا کیے اور ان کو جوڑا، پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔ (۱)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ سے برہم ہو کر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں، اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے، حضرت عائشہؓ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ ﷺ سے چلا کر بولتی ہے، آنحضرت ﷺ بیچ میں آ گئے اور حضرت عائشہؓ کے آڑے آ گئے، حضرت ابوبکرؓ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کیوں؟ کس طرح تم کو بچا لیا، چند روز کے بعد حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی، بولے کہ مجھ کو بھی صلح میں شریک کیجئے جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی آپؐ نے فرمایا ہاں اور وہاں۔ (۲)

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ''تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں'' بولیں کیوں کر ارشاد ہوا جب تو خوش رہتی ہے (اور کسی بات پر قسم کھاتی ہوتی ہے) تو یوں قسم کھاتی ہے ''محمد کے خدا کی قسم'' اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے ''ابراہیم کے خدا کی قسم'' حضرت عائشہؓ نے کہا ''ہاں یا رسول اللہ میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں'' (۳)

حضرت عائشہؓ شادی کے وقت بہت کم سن تھیں اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ اتفاقاً آ جاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں، آپؐ ان کو بلا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ (۴)

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہیں، جس کو حراب کہتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملک میں پٹہ ہلاتے ہیں، حبشی اس سے کھیلتے ہیں، ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے، حضرت عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، آنحضرت ﷺ آگے کھڑے ہو گئے، حضرت عائشہؓ دوشِ مبارک پر رخسارے رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں، یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کیوں ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں، بولیں نہیں، آپؐ چپ رہے، یہاں تک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔ (۵)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں، آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف

(۱) بخاری میں یہ روایت کتاب النکاح کے ذیل میں ہے (ج ۲ باب الغیرۃ ص ۷۸۶) لیکن ازواج کے نام نہیں، نسائی کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ ص ۵۳۳ میں نام کی تصریح ہے لیکن روایت میں کسی قدر اختلاف ہے (۲) ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح ج ۲ ص ۲۰۳ (۳) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل عائشۃؓ ج ۲ ص ۳۳۴ (۴) ایضاً ج ۲ ص ۳۳۴ (۵) مشکوۃ کتاب النکاح باب عشرۃ النساء ص ۲۷۲۔

لائے، گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر بھی تھے، آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر بھی تھے، آپؐ نے تبسم فرمایا (۱) عوام میں مشہور ہے کہ پہلے گھوڑوں کے پر ہوتے تھے، حضرت سلیمانؑ نے اس بنا پر کہ گھوڑوں کی سیر میں ان کی نماز قضا ہوگئی تھی، پر کٹوا دیئے، اس وقت سے پر جاتے رہے لیکن نشان اب بھی باقی ہے، حضرت عائشہؓ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ''آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں'' حضرت عائشہؓ اس وقت تک دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں، جب سن زیادہ ہوا اور پر اندام ہوگئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی، اب کی وہ پیچھے رہ گئیں، آپؐ نے فرمایا یہ اس دن کا جواب ہے۔ (۲)

ازواجِ مطہرات اور اہل و عیال کی سادہ زندگی: (انسان بذات خود فاقہ کشی کرسکتا ہے، سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، زخارفِ دنیوی کو کلیتاً چھوڑ سکتا ہے لیکن اپنے اعزہ واقربا یا مخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے، انھوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل و عیال کے جھگڑوں سے الگ رکھا ہے، دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرت ﷺ کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے، آپؐ کے ۹ بیبیاں تھیں، جن میں بعض ناز و نعمت میں پلی تھیں، اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے ان کا قدرتی میلان غذاہائے لطیفہ اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہوسکتا تھا، متعدد صغیر السن بچے تھے، جن کو کھانے پہننے کی ہر خوش گوار اور خوش نما چیز اپنی طرف مائل کرسکتی تھی، آنحضرت ﷺ کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا، اعزہ، اولاد اور ازواجِ مطہرات کے ساتھ سخت محبت تھی، آپؐ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کردیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹارہی تھی لیکن بااین ہمہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی زخارفِ دنیوی کا خوگر نہیں بنایا، بلکہ ہر موقع پر روک ٹوک کی، اس بنا پر آپؐ کے تمام خاندان کی زندگی آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی۔

حضرت فاطمہؓ آپؐ کی محبوب ترین اولاد تھیں لیکن انھوں نے آپؐ کی محبت سے کوئی

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب اللعب بالبنات ج ۲ ص ۱۹۸ (۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السبق علی الرجل ج ۱ ص ۲۵۶۔

دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا، ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بار بار مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے (۱) لیکن بااین ہمہ جب انھوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپؐ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقرا و یتامیٰ کا حق ہے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے، دیکھا کہ انھوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ (۲)

صرف یہی نہیں کہ خود عام طریقۂ اظہارِ محبت کے خلاف ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں، ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو سونے کا ایک ہار دیا، آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا کیوں فاطمہؓ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے، چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔ (۳)

ایک دفعہ آپؐ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہؓ نے بہ طور خیر مقدم کے گھر کے دروازوں پر پردہ لگایا اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپؐ حسبِ معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہؓ کو آپؐ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپؐ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے، آپؐ نے فرمایا ”یہ میرے اہلِ بیت ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارفِ دنیا سے آلودہ ہوں، اس کے بدلے فاطمہؓ کے لیے ایک عصب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ۔“ (۴)

ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپؐ کو جو محبت تھی، اس کا اظہار کبھی دنیادارانہ طریقہ سے نہیں ہوتا تھا، چنانچہ ازواج مطہرات نے جب اچھے کھانے اور اچھے لباس کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس ج۲ص۲۳ (۲) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ ج۲ص۱۱۹ (۳) نسائی کتاب الزینۃ باب الکراھیۃ للنساء فی اظہار الحلی ص۶۴۷ (۴) ابوداؤد کتاب الترجل باب ماجاء فی الانتفاع بالعاج ج۲ص۱۲۷۔

نے ان سے ایلا کرلیا۔

تمام ازواجِ مطہرات میں آپؐ کو حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب تھیں لیکن یہ محبت رنگین لباسوں اور سنہرے زیوروں کی صورت میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی، تمام بی بیوں کا جو لباس تھا وہی حضرت عائشہؓ کا تھا، چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں:

ماكانت لاحدانا الاثوب واحد. (۱) ہم تمام بی بیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔

اگر کبھی اس کے خلاف ان کے بدن پر دنیوی آرائش کے سروسامان نظر آتے تو آنحضرت ﷺ ان کو منع فرماتے، ایک مرتبہ انھوں نے سونے کے کنگن پہنے (مسکہ) آپؐ نے فرمایا "اگر ورس کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہنتیں تو بہتر ہوتا۔" (۲)

(تمام اہل وعیال وخانوادۂ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پر تکلف وریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں، آپؐ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو۔ (۳)

انتظامِ خانگی: اگرچہ ازواجِ مطہرات کی تعداد ایک زمانہ میں ۹ تک پہنچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھیڑے تھے، تاہم آپؐ کو خود بہ نفس نفیس ان چیزوں سے سروکار نہ تھا، اپنی ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہوجاتا، یہاں تک کہ اگر دے دلا کر کچھ باقی رہ جاتا تو آپؐ اس وقت تک گھر میں نہ جاتے، جب تک وہ بھی کارِ خیر میں صرف نہ ہوجاتا لیکن ازواجِ مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے رہنے سہنے کا انتظام حضرت بلالؓ کے متعلق تھا، ابوداؤد میں عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انھوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا اور آغاز سے اخیر زمانۂ وفات تک میرے ہاتھ میں رہا، معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھ کو ارشاد ہوتا میں جاکر کہیں سے قرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کردیتا۔ (۴)

---

(۱) بخاری کتاب الحیض باب هل تصلى المراة فى ثوب حاضت فيه ج۱ص۴۵ (۲) نسائی کتاب الزينة باب الكراهية للنساء فى اظهار الحلى ص۶۵-۲ (۳) نسائی حوالہ سابق ص۶۴-۲ (۴) جلد دوم کتاب الخراج والامارة باب فى الامام يقبل هدايا المشركين ص۳۱۔

اہل وعیال کے مصارف کا انتظام: ازواجِ مطہرات کے لیے یہ انتظام تھا کہ بنونضیر کے نخلستان میں ان کا حصہ مقرر کردیا گیا تھا، وہ فروخت کردیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کے لیے کافی ہوتا (۱) خیبر فتح ہوا، تو ازواج کے لیے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہوگیا، وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض ازواج نے جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں، پیداوار کے بدلے میں زمین لے لی۔ (۲)

تم المجلد الثانی من السیرۃ النبویۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیۃ.

(۱) بخاری کتاب النفقات باب حبس الرجل قوت سنتہ ج ۲ ص ۸۰۶ (۲) بخاری کتاب المزارعۃ باب المزارعۃ بالشطر ج ۱ ص ۳۱۲.

اشاریہ و کتابیات

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ دوم

مرتبہ

سلیم جاوید اعظمی

و

حافظ ضیاء الرحمٰن اصلاحی

اشخاص

(الف)

(ش)

(ص)

(ض)

(ط)

(ع)

(غ)

(ف)

☆☆☆

مقامات

(ن)

(و)

(ہ)

(ی)

کتب

(ص)

(ط)

(ف)

(ق)

(ک)

(م)

(ن)

کتابیات

القرآن الکریم

(۱) ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی ؒ، دار الطباعۃ، بولاق، مصر ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء)

(۲) اسباب النزول، علی بن احمد بن محمد الواحدی، مطبعہ میمنیہ بر حاشیہ جلالین، مصر ۱۳۲۱ھ

(۳) استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی، دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۰ء)

(۴) الادب المفرد، امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ، مطبعہ معارف نظارت، مصر ۱۳۰۹ھ۔

(۵) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء)

(۶) الترغیب والترہیب، عبدالعظیم منذری ؒ، مطبعہ عامرہ مصر ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء)

(۷) الجامع للترمذی، ابوعیسیٰ محمد ترمذی ؒ، مطبع العلوم الدہلوی، دہلی، (۱۲۶۵ھ) وفخر المطابع، دہلی، (۱۲۷۰ھ)

(۸) الصحیح بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری ؒ، مطبعہ کرزن گزٹ، دہلی ۱۳۲۵ھ

(۹) صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج نیشاپوری ؒ مطبع میمنیہ مصر، ۱۳۲۷ھ

(۱۰) الکامل فی التاریخ، عزالدین ابن الاثیر، مطبعہ بریل لائیڈن، ۱۸۶۷ء

(۱۱) معجم صغیر، ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، مطبعہ انصاری، دہلی ۱۳۰۱ھ (۱۸۹۴ء)

(۱۲) المنتقی من اخبار المصطفیٰ، علامہ ابن تیمیہ، مطبعہ حجازی ۱۳۵۱ھ (۱۹۳۲ء)

(۱۳) الموؤطا، امام مالک ؒ، مطبع احمدی دہلی، ۱۲۶۶ھ

(۱۴) انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر بیضاوی) قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی ؒ، نولکشور پریس، ۱۲۸۲ھ

(۱۵) باب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی الخازنؒ، مطبع التقدم العلمی، مصر، ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۲ء)

(۱۶) تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری) ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ، مطبعہ بریل۔

(۱۷) تفسیر ابن جریر الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ، مطبعہ میمنیہ، مصر ۱۳۲۱ھ

(۱۸) تفسیر ابن کثیر، حافظ اسماعیل قرشیؒ، مطبعہ مصطفیٰ محمد، ۱۳۵۶ھ (۱۹۳۷ء)

(۱۹) خلاصۃ الوفاء، امام سمہودیؒ، دار الطباعۃ، مصر، ۱۲۸۵ھ

(۲۰) دلائل النبوۃ، حافظ ابونعیم اصفہانیؒ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء)

(۲۱) روض الانف، ابوالقاسم عبدالرحمان احمد السہیلیؒ، مطبعہ جمالیہ، مصر، ۱۳۳۲ھ

(۲۲) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، حافظ شمس الدین ابن القیمؒ، مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۲۴ھ

(۲۳) سنن ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینیؒ، مطبعہ فاروقی، دہلی ۱۲۹۴ھ

(۲۴) سنن ابی داؤد، امام ابوداؤد السجستانیؒ، مطبعہ کستلیہ، مصر (۱۲۸۰ھ) واصح المطابع لکھنؤ (۱۳۱۸ھ)

(۲۵) سنن دارقطنی، حافظ علی بن عمر الدار قطنیؒ، مطبعہ انصاری، دہلی، ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء)

(۲۶) سنن دارمی، ابومحمد عبداللہ دارمیؒ، نظامی پریس، کانپور، ۱۲۹۳ھ

(۲۷) سنن نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ، نظامی پریس کانپور (۱۲۹۹/ہجری) ومطبعہ میمنیہ، مصر (۱۳۱۲ھ)

(۲۸) سیرۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، ابومحمد عبدالملک بن ہشامؒ، مطبعہ محمد علی صبیح، ۱۳۴۶ھ

(۲۹) شرح الزرقانی علی مواہب اللدنیہ، محمد بن عبدالباقی زرقانیؒ، دار الطباعہ مصر، ۱۲۹۱ھ

(۳۰) شرح کتاب الشفاء، ابوالفضل عیاض بن موسیٰ القاضی، مطبعہ عثمانیہ، (۱۳۱۲ھ)

(۳۱) شمائل ترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ، مطبعہ بولاق، مصر، ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء)

(۳۲) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، بدرالدین العینیؒ مطبعہ عامرہ مصر ۱۳۰۸ھ

(۳۳) فتح الباری شرح صحیح البخاری، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، مطبعہ الکبریٰ المیریہ مصر ۱۳۰۰ھ

(۳۴) فتوح البلدان، ابوالعباس احمد بن یحییٰ بلاذری، مطبع موسوعات، مصر ۱۳۲۹ھ

(۳۵) کتاب الامام، امام محمد بن ادریس الشافعیؒ، مطبعہ الکبریٰ، المیریہ، مصر ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء)

(۳۶) کتاب الطبقات الکبیرات، محمد بن سعد، مطبعہ بریل، لائیڈن ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۳۹ھ

(۳۷) مروج الذہب ومعادن الجوہر، ابوالحسن علی مسعودی، امپریل پریس، پیرس

(۳۸) مسند ابی داؤد الطیالسی، حافظ سلیمان بن داؤد، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۲۱ھ

(۳۹) مسند احمد بن حنبل، امام احمدؒ، مطبعہ میمنیہ، مصر ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء)

(۴۰) مسند امام شافعیؒ، جامع شیخ ابوالعباس المعقلی، مطبعہ خلیلی، آرہ، ۱۳۰۶ھ

(۴۱) مشکل الآثار، امام ابوجعفر طحاویؒ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۳۳ھ

(۴۲) مشکوٰۃ المصابیح، ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیبؒ، مطبعہ مجتبائی، میرٹھ (۱۲۲۴ھ) ومطبعہ احمدی، دہلی (۱۲۷۱ھ) ومکتب اسلامی، دمشق (۱۳۸۱ھ)

(۴۳) معالم التنزیل، محمد بن حسین البغویؒ، مطبعہ صالحی، ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ء)

(۴۴) مکتوبات امام ربانی، شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ، نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۲۹۴ھ

(۴۵) نتائج الافہام، محمود پاشا فلکی۔